وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

مولانا
محمد اکرم اعوان

6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

مولانا
محمد اکرم اعوان

6

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ............... ششم
بار اوّل............... جولائی 2010ء
تعداد............... دو ہزار
قیمت............... Rs 470.00 روپے

ناشر عبد القدیر اعوان
ناظم نشرو اشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا
جملہ حقوق بنام ناظم نشرو اشاعت محفوظ

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی، نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے، نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں، یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور استاد المکرّم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب، جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں، آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ

خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہوسکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل ورسل ورسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کردیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی' ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطاوکرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کردیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد وہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب

بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرّم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسیرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرّم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی ﷺ کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی ﷺ قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرّم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا باالفاظ دیگر ''فکر قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں' لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں' قانون وراثت سے پریشان ہیں' جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرّم اسی قرانی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکر قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرّم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ' قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردجرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرّم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری

انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرّم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرّم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرّم کے زوردار انداز بیان میں فکر قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرّم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ امت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرّم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خون مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرّم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن

سے آگے مفکر قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرّم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے' آپ کا تعارف بطور ''مفکر قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرّم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاء اللہ جان' سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین وتالیف میں معاونت کی' اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	**سورۃ النساء** **آیات148تا152**	17
2	خلاصۂ تفسیر ومعارف	18
3	اعلانیہ برائی کی ناپسندیدگی	18
4	نیکی کا اعلان فطری طور پر کیا جائے تو دوسروں کو نیکی کی ترغیب ملتی ہے	19
5	ایمان تمام انبیاءؑ پر لانا ضروری ہے، عمل صرف نبی کریم ﷺ کی شریعت پر ہوگا	20
6	**سورۃ النساء** **آیات153تا162**	22
7	خلاصۂ تفسیر ومعارف	24
8	مصیبتیں سنبھلنے کے مواقع عطا کرتی ہیں	28
9	آج کا مسلمان اللہ سے بدعہدی کا مرتکب ہے اور خود کو مظلوم سمجھتا ہے	30
10	اللہ کے دین کا نام ازل سے اسلام ہے	32
11	رفع سے مراد عیسیٰؑ کا آسمانوں پر زندہ اٹھایا جانا مراد ہے	34
12	زمانے کی گردش بڑے اثرات مرتب کرتی ہے	35
13	تبلیغ کا قاعدہ	36
14	یہود کی وہ روش جس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا	38
15	سود پہلی اُمتوں پر بھی حرام تھا	40

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
16	خلاصہ آیات	42
17	**سورۃ النساء** **آیات163تا171**	45
18	خلاصۂ تفسیر ومعارف	47
19	مشرکین کے اعتراضات کا جواب اللہ کریم نے خود ارشاد فرمایا	47
20	ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دنیا میں وحی الٰہی سے کوئی بھی آشنا نہ ہو	49
21	فکری، عملی گراوٹ کا سبب	51
22	اسلام کے قوانین غیر متبدل ہیں	52
23	صحابہؓ فنافی الرسول ﷺ تھے	53
24	وحی الٰہی وہ نعمت ہے جو میدانِ حشر میں دلیل اور حجت ہوگی	54
25	اللہ کی اطاعت محبت کا تقاضا کرتی ہے	55
26	وحی الٰہی پر دلائل	56
27	مومن کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ گواہ ہے	59
28	حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا	60
29	روح بیمار ہو تو شریعت جیسی نعمت بھی اچھی نہیں لگتی	61
30	خود نہ ماننا کفر ہے، دوسروں کو روکنا ظلم ہے	63
31	کفر کی اقسام	64

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
32	معاشرے کی بنیادیں	65
33	کفر کی دوسری قسم بارگاہِ رسالت ﷺ پناہی میں گستاخی	67
34	ہر شخص سفر میں ہے	68
35	ساری انسانیت سے اللہ کریم کا محبت بھرا خطاب	69
36	محبت اور جواب محبت	70
37	خلاصہ بیان	70
38	شرک کفر کی بدترین قسم ہے	72
39	شرک کا سبب بزرگوں کے مقام میں غلو کرنا ہے	73
40	اہل اللہ کا صحیح مقام	73
41	دین میں زیادتی کرنا غلو کرنا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے	74
42	اپنی طرف سے باتیں گھڑنے کا نام دین نہیں	75
43	قبولیت دعا کی ایک چھوٹی سی شرط	76
44	انبیاءؑ کی عزت وعظمت ایمان کا حصہ ہے	78
45	اپنی طرف سے عقائد ونظریات ایجاد کرنا دین میں زیادتی ہے	79
46	**سورۃ النساء آیات 172 تا 176**	80
47	خلاصۂ تفسیر ومعارف	81
48	مقربین بارگاہ کو اللہ کا بندہ ہونے پر عار نہیں فخر ہوتا ہے	81
49	عمل کی صلاحیت کا معیار کیا ہے؟	82
50	عظمتِ الٰہی کی سب سے بڑی دلیل محمد رسول اللہ ﷺ ہیں	85
51	ایک ہستی کو ماننا عقل کی مجبوری ہے	86
52	دلی تصدیق شرط ایمان ہے، دل کیسے مانتا ہے؟	86
53	اللہ کی کتاب اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ رہنمائی کے لئے موجود ہے	88
54	نبی کریم ﷺ کی ہر صفت آپ ﷺ کی شان کے مطابق ہے	89
55	حاصل کلام	90
56	اللہ پر ایمان اور اس کے ساتھ وابستگی	90
57	وراثت کی تقسیم کا اہم مسئلہ	93
58	صحابہؓ وصحابیاتؓ کے مناقب وفضائل	94
59	احکام وراثت اور آج کے مسلمانوں کا طرزِ عمل	94
60	اس رویے کا سبب کیا ہے؟	95
61	ثواب کیا ہے؟	96
62	**سورۃ المائدہ آیات 1 تا 5**	98
63	خلاصۂ تفسیر ومعارف	101
64	عہد کا پورا کرنا فرض عین ہے	101
65	عقود یعنی وعدے کیا ہیں؟ ان کی صورتیں کیا ہیں؟	101
66	خواہشِ نفس کی عبادت سے کیا مراد ہے؟	102
67	وعدے کی ایک اور صورت	103
68	جانوروں میں حلت وحرمت	103

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
69	حالت احرام ایک کیفیت ہے	104
70	جس کام سے اللہ روک دے اس میں حرمت آجاتی ہے	104
71	حلال جانور کا شکار	105
72	مسئلہ	105
73	آج کفار مایوس ہوگئے	109
74	عقائد و اعمال کا مجموعہ آج مکمل ہوگیا	110
75	علم کیا ہے؟	112
76	انگریز کا دیا ہوا نظام طویل کاروائیوں پر مشتمل ہے جو عوام کو خوار کردیتا ہے	112
77	اسلامی نظامِ عدل سہل ہے اور بروقت مہیا کیا جاتا ہے	113
78	شاہ فیصل مرحوم کا برمحل جواب	113
79	اضطرار میں بھی حرام، حلال نہیں ہوتا	114
80	عقیدہ و عمل اللہ کی رضا کا باعث	114
81	یہ تصور ہی غلط ہے کہ حرام سے شفا ہوگی	115
82	غیر طیب غذا روحانی صحت کے لئے مضر ہے	115
83	سدھائے ہوئے کتے اور باز کے ذریعے شکار کے احکام	115
84	زندگی کا مقصد لذت کام و دہن نہیں۔ اللہ سے رشتہ استوار کرنا مقصد حیات ہے	116
85	صوفیاء اہلِ اللہ کے اوصاف	118
86	خطا کا ہوجانا تقاضائے بشریت ہے اور اللہ کے ساتھ تعلق ہونا کمال انسانیت ہے	119

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
87	تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں	120
88	موجودہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوتا	121
89	اہلِ کتاب کون؟	122
90	اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی شرائط	122
91	کامیابی کے لئے اُخروی نتیجے پر نظر رکھنا لازم ہے	123
92	**سورۃ المائدہ آیات 6 تا 11**	124
93	خلاصہ تفسیر و معارف	126
94	پاکیزگی کی پسندیدگی	126
95	وضو کے احکام	126
96	حالت جنابت اور غسل جنابت	127
97	تیمم اللہ کا انعام	127
98	علامہ اقبال کا دردِ دل	128
99	تیمم کا طریقہ	129
100	تیمم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی عظمت کا اظہار	129
101	وضو کرنے سے بدن صاف ہوگا، سجدہ ریز ہونے سے دل صاف ہوگا	130
102	اللہ ہر ایک کے دلوں کے بھید جانتا ہے	131
103	اجرِ عظیم کیا ہے؟	134
104	جنت اور جہنم کا عکس دنیوی زندگی پر پڑتا ہے	134
105	نفاذِ اسلام سے کیا مراد ہے؟	135

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
106	ہسپانیہ میں اسلام کو روشناس کرانے والے اور اس خطے میں اسلام کی حفاظت کرنے والوں کی مثالیں	136
107	حکمرانوں کے کارنامے پوری قوم کو تباہی کی طرف دھکیل دیتے ہیں	138
108	ہجرت مدینہ کا اصل سبب	139
109	ایمان کے درجے	140
110	تقلیدی ایمان	140
111	استدلالی ایمان	141
112	حقیقی ایمان	141
113	اللہ پر بھروسہ ایمان کی دلیل ہے	143
114	**سورۃ المائدہ آیات 12 تا 19**	144
115	خلاصۂ تفسیر و معارف	147
116	نبی کریم ﷺ سے بدعہدی کی سزا	147
117	ایک سوال	148
118	نبی کی مدد کیسے کی جاتی ہے؟	150
119	حضور اکرم ﷺ کا اتباع	152
120	اللہ کریم کی طرف سے معاہدے کی تمام شرائط قائم اور برقرار ہیں	153
121	اتباع رسول ﷺ سے منہ موڑنے کا انجام	154
122	آپس کی دشمنیاں ایک سزا	156
123	خلاصہ آیات	157

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
124	عذاب الٰہی کی جڑ کاٹنے کا علاج توبہ ہے	158
125	ایک ضمنی بات	160
126	کائنات میں سارے کا سارا نور آپ ﷺ کی ذات سے بٹتا ہے	160
127	آپ ﷺ بے مثال بشر اور بے مثال نور ہیں	161
128	مسلمان کی گمراہی کا سبب	163
129	ذکر رسول اللہ ﷺ کے لئے احتیاط	165
130	اللہ کریم خود ہدایت دیتا ہے لیکن کیسے؟	166
131	سلامتی کی راہوں کا تعین کیسے ہوگا؟	166
132	ابلیس کیوں گمراہ ہوا؟	167
133	خلاصۂ آیت	169
134	خالق تخلیق کرتا ہے اور مخلوق ایجاد کرتی ہے	170
135	نتائج اللہ کے دست قدرت میں ہیں، انسان کے اختیار میں کیا ہے؟	170
136	نجات کا نسخہ	171
137	وہ ایسا خالق ہے جو مخلوق کو جیسے چاہے قائم رکھے	172
138	**سورۃ المائدہ آیات 20 تا 26**	175
139	خلاصہ و معارف	176
140	قرآن حکیم کا موضوع تاریخ نہیں ہدایت ربانی ہے	177
141	احساس تشکر کیا ہے؟	177
142	احساس تشکر کا نتیجہ	178

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
143	دولت واقتدار انعام الٰہی ہے	178
144	نعمتوں کے حصول کے لئے بندہ خود مکلف ہے	179
145	ہر کام حکم الٰہی سے اور انسانوں کے کرنے سے ہوتا ہے	180
146	ایمان تو یقین کا نام ہے	181
147	محبت وخشوع، خوف الٰہی کا انعام استقامت	182
148	**سورۃ المائدہ آیات 27تا34**	185
149	خلاصہ ومعارف	187
150	ہابیل اور قابیل کا واقعہ اور حاصل واقعہ	187
151	نفس کیا ہے؟	189
152	نفس کی تین حالتیں	190
153	قابیل کی ندامت کس لئے تھی؟	191
154	ایک انسان کا قتل ناحق پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے	191
155	اس آیت کے تناظر میں آج کے حالات اور ان کا علاج	191
156	جب مسلمان اپنے عہد سے پھرے تو اللہ نے اپنی حفاظت اُٹھالی	193
157	فساد فی الارض	194
158	وطن عزیز میں فساد کی وجہ اور اس مسئلے کا حل	194
159	اللہ کا عطا کردہ نظام عدل	198

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
160	موجودہ حالات ایک بڑے جہاد کی تمہید ہیں	200
161	**سورۃ المائدہ آیات 35تا43**	203
162	خلاصہ ومعارف	206
163	اتباع کے مختلف مراحل	207
164	جہاد دو طرح سے ہیں، جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس	209
165	جہاد بالنفس	209
166	وسیلہ کے ساتھ مجاہدہ شرط ہے	210
167	''اللہ بندے کی آزمائش کرتا ہے'' سے کیا مراد ہے؟	211
168	اُخروی حقائق سے منہ موڑنے کا سبب	212
169	عذاب مقیم	216
170	اس آیت کے تناظر میں، ملکی مسائل اور ان کا حل	216
171	اللہ کریم نے معاشرے کا احتساب صرف آخرت پر نہیں اٹھا رکھا	219
172	اسلامی سزائیں اصلاح معاشرہ کی ضامن ہیں	220
173	ظلم وزیادتی کے بعد توبہ کیا ہے؟	221
174	مسلمانوں کے لئے سبق	223
175	رشوت اور سُحت	224
176	**سورۃ المائدہ آیات 44تا50**	226
177	خلاصہ ومعارف	228

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
178	اللہ کریم کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا کافر ہے	230
179	اسلام کا نظامِ عدل، سب کے لئے برابر انصاف	231
180	اس آیۂ کریمہ کی روشنی میں اصلاح احوال	233
181	قرآن حکیم سے استفادہ کے لئے قلبی رجحان شرط ہے	236
182	انسان کی خصوصیت	237
183	قرآن حکیم کی عظمت	240
184	اللہ کی آخری کتاب اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی حفاظت کرنے والی ہے	241
185	قرآن حکیم کی حفاظت کے معنی	241
186	مسئلہ	243
187	سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56	252
188	خلاصہ رکوع	253
189	تفسیر و معارف	254
190	مسلمان اور کافر کے تعلقات کی نوعیت	254
191	یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کے نقصانات	255
192	بے حمیتی	255
193	ماحول کا غیر محفوظ ہو جانا	255
194	اشیائے ضرورت کا پہنچ سے باہر ہو جانا	255
195	حاکموں کا محافظ کے بجائے ڈاکو بن جانا	256
196	اپنی شناخت کھو بیٹھنا	256
197	دلوں کا مرض کیا ہے؟	257
198	کفار کی دوستی سے اسلام کو نہیں کلمہ گو کو خطرہ ہے	259
199	اس آیۂ کریمہ کا مصداق سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہیں	260
200	اللہ سے محبت کیسے ہو؟	261
201	اللہ کی دوستی اور خشوع	263
202	سورۃ المائدہ آیات 57 تا 66	265
203	خلاصہ رکوع	268
204	تفسیر و معارف	269
205	کفار سے دلی دوستی غیر محسوس انداز سے اثر انداز ہوتی ہے	270
206	معاشی اور معاشرتی بے انصافی کی وجہ کفار کی پیروی	271
207	بے عقل و بے دانش کون؟	271
208	فاسقین	272
209	بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خالی ہاتھ اٹھنے کا سبب	274
210	اہل اللہ اور مشائخ نبی کریم ﷺ کی برکات کے امین ہوتے ہیں	277
211	ایمان، نعمت عظمیٰ	280
212	بدعات ایمان کے منافی ہیں	282
213	مصائب دنیوی اور ان کا حل	281

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
214	سورۃ المائدہ آیات 67 تا 77	283
215	خلاصہ رکوع	286
216	تفسیر و معارف	288
217	محرومی ایمان سلیقہ زندگی سے عاری کر دیتی ہے	290
218	اللہ کے رسول ﷺ کو نہ ماننا اللہ کا انکار ہے	292
219	اللہ کے نبیؑ کو اللہ کا بیٹا ماننا اور تثلیث کا عقیدہ رکھنا دونوں باتیں کفر اور شرک ہیں	295
220	عذاب کا ظہور صرف آخرت میں نہیں ہوتا	295

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
221	کلمہ گو مسلمان عذاب الٰہی کی لپیٹ میں کیوں؟	296
222	اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان	296
223	آخرت کا انسانی کردار پر اثر	297
224	سورۃ المائدہ آیات 78 تا 82	302
225	خلاصہ رکوع	303
226	تفسیر و معارف	304
227	برائی کو نہ روکنا برائی کی تائید کرنا ہے	304

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

پارہ 6 لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

سورہ النساء رکوع 21 آیات 148 تا 152

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ
يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب جانتے ہیں۔ ﴿۱۴۸﴾ اگر نیک کام اعلانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو یا کسی برائی کو معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں، پوری

قدرت والے ہیں ﴿۱۴۹﴾ جولوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور (یوں) چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں ﴿۱۵۰﴾ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ﴿۱۵۱﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں ﴿۱۵۲﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

اعلانیہ برائی کی ناپسندیدگی:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

تفسیر:

اللہ کریم کو برائی کی بات زبان پر لانا پسند نہیں ہے۔ دنیا میں ہر طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ لوگ بھلائی بھی کرتے ہیں اور لوگوں سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ ظلم و زیادتی بھی ہوتی ہے لیکن انہی باتوں کو دہراتے رہنے سے یہ برائی کی تبلیغ بن جاتی ہے۔ دوسروں کو اس سے ترغیب ملتی ہے۔ وہ اسے برائی کرنے کا جواز بنالیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ وہ اکیلے ہی تو برائی نہیں کرتے دوسرے بھی تو کرتے ہیں۔ یوں برائی کو اعلانیہ بار بار دہرایا جائے تو اس سے برائی پھیلتی ہے۔ لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے ہاں اخبارات میں ٹی وی پر خبر بنتی ہی برائی کی ہے۔ اخبارات اور ٹی وی چوری، ڈاکے، ظلم و زیادتی کی خبروں سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ گویا اتنے وسیع ملک میں کوئی بھلائی کا کام ہوتا ہی نہیں کہ خبروں کی زینت بنے۔ برائی کی خبر کو ہمارے ہاں بار بار نشر کیا جاتا ہے چونکہ نیوز چینل چوبیس گھنٹے چلتے ہیں لہٰذا انہی خبروں کو خوب

بڑھا چڑھا کر کمپیوٹر گرافکس کے ذریعے خوب وضاحت کے ساتھ نشر کیا جاتا ہے۔ایک بار نشر کی جانی والی خبر کو بار بار دہراتے رہتے ہیں۔اللہ کریم کی بارگاہ میں یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے۔

ہاں اگر کسی کے ساتھ ظلم ہوا ہے تو اسے فریاد کا حق حاصل ہے لیکن دادرسی کے لئے متعلقہ ادارے کو بتائے۔متعلقہ لوگوں کو بتائے۔وہاں بتائے جہاں انصاف ملنے کی توقع ہے۔جہاں ظلم کے خلاف چارہ جوئی ہونے کی امید ہے۔اس کے بعد اس برائی کا زیادتی اور ظلم کا اشتہار نہ دیتا پھرے اور نہ ہی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرے۔اسلئے کہ **وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا** اللہ کریم ذاتی طور پر سن بھی رہے ہیں اور جانتے بھی ہیں۔مظلوم کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حقائق چھپائے یا مسخ کر کے پیش کرے بلکہ اسے اجازت ہے کہ وہ سچا اور کھرا واقعہ بیان کرے۔ ہمارے ہاں تو یہ ایک رواج بن گیا ہے کہ جرم ایک بندہ کرتا ہے اور پرچہ دس آدمیوں کے خلاف کٹوا دیا جاتا ہے کہ اسطرح انہیں رسوا کیا جائے۔تو فرمایا برائی کو بڑھانا اور اسے پھیلانا خود ایک بہت بڑی برائی ہے۔ جو اللہ کریم کو قطعاً پسند نہیں۔ برائی کی بات کا شور وغوغا کرنا اور اسے دور تک پھیلانا اللہ کریم کو پسند نہیں۔فرمایا جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے وہ بغیر بڑھائے چڑھائے اصل واقعہ ان افراد کے گوش گزار کردے جو اسے انصاف دلا سکیں اور یہ یاد رکھے کہ جو بات ہوئی وہ اللہ کریم نے سنی اور جو کام ہوا وہ اللہ کریم نے دیکھا۔

نیکی کا اعلان فطری طور پر کیا جائے تو دوسروں کو نیکی کی ترغیب ملتی ہے:

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾

ہاں اگر بھلائی کے کاموں کو اور نیک کاموں کو ظاہر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی اس سے تحریک ملتی ہے۔نیک کام دوسروں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہیں۔کوئی شخص اگر کسی کا قرضہ اتروا دیتا ہے، کسی بیمار کی مدد کر دیتا ہے، کسی کمزور کے کام آجاتا ہے تو اگر وہ ان نیکی کے کاموں کو محض اس لئے بیان کرے کہ دوسروں کو بھی اس سے ترغیب ملے تو یہ اچھی بات ہے **اَوْ تُخْفُوْهُ** اور اگر کوئی اپنے نیک کاموں کو اس لئے چھپائے کہ کہیں اس میں ریاکاری نہ آجائے تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔اس لئے کہ نیکی تو تب ہی نیکی بنتی ہے جب وہ اللہ کی رضا کے لئے کی جائے۔اگر کسی نے نیکی کر کے بندے پر احسان رکھا تو وہ پھر نیکی نہیں رہتی کہ وہ تو اللہ کی رضا کے لئے نہیں کی گئی۔اگر لوگ اس کی نیکی کو بیان کریں تو اچھی بات ہے کہ اس طرح دوسرے لوگوں میں نیکی کرنے کی تحریک پیدا ہوگی۔ بہر حال نیکی کرنے والا نیکی کو اس لئے پوشیدہ

رکھے کے لوگوں میں شہرت ہونے سے ریا کاری کا خطرہ ہے تو پوشیدہ رکھنا بھی نیکی ہے اور نیکی کا اعلان اس فطری طریقے سے ہو جائے اور لوگوں کو نیک کاموں کی ترغیب ملے تو یہ بھی درست ہے بشرطیکہ نیکی کرنے والے کی نیت خالص رضائے باری تعالیٰ ہو۔ **اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ** اگر کسی نے زیادتی کر دی ہو اور آپ درگزر کر سکتے ہوں۔ قابل برداشت ہو تو درگزر کریں کہ یہ اللہ کو پسند ہے اس لئے کہ اگر برائی کا جواب برائی سے ہی دیا جائے تو برائی اور پھیلے گی اور بڑھے گی۔ اگر برائی کو درگزر کر دیا جائے، معاف کر دیا جائے تو عنداللہ یہ بہت پسندیدہ بات ہے کہ اس رویے سے برائی میں کمی ہوتی ہے۔ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا** اللہ کریم بہت بڑے معاف کرنے والے ہیں۔ اگر کوئی کسی کی غلطی معاف کرتا ہے تو معاف کرنے والوں سے بھی لاکھوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اس سے بھی کبھی غلطیاں سرزد ہوئی ہوتی ہیں تو جب بندہ کسی دوسرے کا قصور معاف کرتا ہے تو اللہ کریم اس کے اس نیک عمل کو قبول فرما کر شاید اس کی بہت سی خطائیں معاف فرما دے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** اللہ کریم معاف کرنے پر بھی قادر ہے اور گرفت کرنے پر بھی قادر ہے۔ لیکن لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ اللہ کا انکار کرتے ہیں، اللہ کی عظمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے رسولوں کی نبوت اور رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ اگرچہ انکار کی بھی اقسام ہیں ایک قسم ہے اللہ کی عظمت کو، توحید باری اور رسالت انبیاءؑ کو قبول ہی نہ کرنا اور سرے سے اس کا انکار کر دینا اور دوسری قسم یہ ہے کہ کسی ایک نبیؑ کو ماننا اور باقی انبیاءؑ کا انکار کر دینا۔ اس طرح فرقہ بندی کرنا **اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** حالانکہ اللہ نے جتنے انبیاءؑ و رسلؑ مبعوث فرمائے وہ سب برحق تھے۔ سب سچے تھے اور سب کی نبوت پر ایمان لانا ضروری تھا لیکن یہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسولوں میں تفریق کرتے ہیں۔

ایمان تمام انبیاءؑ پر لانا ضروری ہے، عمل صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوگا:

حق یہ ہے کہ تمام سابقہ انبیاءؑ کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن عمل صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تمام سابقہ ادیان ختم ہو گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور اللہ کریم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور شریعت کو قیامت تک کے لئے جاری کر دیا۔ یعنی دین صرف ایک ہے۔ دین اسلام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور لوگوں تک پہنچایا۔ لہٰذا بعثتِ رسول اللہ کے بعد عمل صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہوگا۔ اتباع صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا لیکن لوگ کیا کرتے ہیں؟ **وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ** وہ کچھ انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے۔ یوں نبیؑ کی

نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ وہ چاہتے ہیں کہ درمیان میں کوئی راستہ نکال لیں۔ اُن کی دانست میں یہ درمیانی راستہ محفوظ ہے اور ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ کسی بھی نبیؑ کی نبوت کا انکار اللہ کی عظمت کا انکار ہے۔ اس لئے کہ ہر نبیؑ اللہ کا نبیؑ ہے اور نبیؑ کا انکار کرنے والا کافر ہے اور تمام درمیانی راستے محض مفروضے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے زمین پر ایک خط کھینچ کر فرمایا: ''یہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے'' اس کے دائیں بائیں کچھ لکیریں کھینچ کر فرمایا: ''یہ وہ راستہ ہے جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو ورغلا رہا ہے کہ ادھر آؤ یہ صحیح راستہ ہے''۔ یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس پر چلو''۔ فرمایا: یہ ہرگز اسلام نہیں کہ بعض انبیاءؑ کی تکذیب کی جائے اور بعض کو مانا جائے بلکہ ایسا ماننے والے ایسا کرنے والے پکے کافر ہیں۔ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٥١﴾ اور کافروں کے لئے ہم نے نہایت اہانت آمیز سزائیں تیار کر رکھی ہیں یعنی صرف سزا اور عذاب ہی نہیں ہوگا بلکہ ایسا حساب ہوگا جس کے نتیجے میں ذلت و رسوائی بھی ہوگی۔ اللہ کریم اس سے پناہ میں رکھے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾ ایسے لوگ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اس کی عظمت پر ایمان لاتے ہیں، اس کے تمام رسولوں کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کریم عنقریب بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾ کہ وہ مغفرت عطا کرنے والے اور رحیم ہیں۔ اگر کسی سے عملی زندگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کریم بہت زیادہ بخشش عطا کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ رحمت الٰہی بہت وسیع ہے۔ ہم اپنی عقل اور اپنے انسانی علم سے اس کی حدود متعین نہیں کر سکتے۔ کوئی بڑی سے بڑی غلطی کر بیٹھے، بڑے سے بڑا گناہ کرلے لیکن اسے اپنی غلطی پر ندامت ہو جائے اور اسے رحمتِ الٰہی پر یقین بھی ہو اور وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ کرے۔ اللہ سے گزشتہ کی معافی چاہے۔ آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرلے اس برائی کو چھوڑ دے، باز آجائے تو اللہ کی رحمت بہت وسیع پائے گا کہ صرف اسی کی ذات بے حد و بے حساب معاف کرنے والی ہے۔

النساء رکوع 22 آیات 153 تا 162

يَسۡـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ
فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰٓى اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً
فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا
جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا
مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ
ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِى السَّبۡتِ
وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ
وَكُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّقَوۡلِهِمۡ
قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا
قَلِيۡلًا ۖ ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ۙ ﴿۱۵۶﴾ وَّ
قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ۚ
وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ
اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ
الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ ﴿۱۵۷﴾ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ
مَوۡتِهٖ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۚ ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلۡمٍ مِّنَ
الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ
اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ
الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾

آپ سے اہل کتاب یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس ایک
خاص نوشتہ آسمان سے منگوادیں سو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی
بات کی درخواست کی تھی اور (یوں) کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھلا دو ان کی
(اس) گستاخی کے سبب ان پر کڑک بجلی آ پڑی، پھر انہوں نے گوسالہ کو تجویز کیا تھا،
بعد اس کے کہ بہت سے دلائل ان کو پہنچ چکے تھے۔ پھر ہم نے اس سے درگزر کر دیا
تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بہت بڑا رعب دیا تھا ﴿۱۵۳﴾ اور ہم نے ان
لوگوں سے قول وقرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اُٹھا کر ان کے اوپر (معلق) کر دیا تھا
اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازہ میں عاجزی سے داخل ہونا۔ اور ہم نے ان
کو یہ حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارے میں تجاوز مت کرنا اور ہم نے ان سے قول و
قرار نہایت شدید لیے ﴿۱۵۴﴾ سو (ہم نے ان کو سزا میں مبتلا کیا) ان کی عہد شکنی
کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے احکامِ الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے کی
وجہ سے انبیاء کو ناحق اور ان کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔
بلکہ ان کے کفر کے سبب ان (قلوب) پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے سو ان میں ایمان
نہیں مگر قدرے قلیل ﴿۱۵۵﴾ اور (انہیں سزا دی) ان کے کفر کی وجہ سے
اور حضرت مریمؑ پر بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے اور ان کے اس کہنے کی وجہ

سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے اُن کو قتل نہیں کیا ﴿۱۵۷﴾ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں ﴿۱۵۸﴾ اور کوئی شخص اہل کتاب سے نہیں رہتا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے مرنے سے پہلے ضرور تصدیق کر لیتا ہے اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دیں گے ﴿۱۵۹﴾ سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ آدمیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے ﴿۱۶۰﴾ اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے ﴿۱۶۱﴾ لیکن ان میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں اور جو (ان میں) ایمان لے آنے والے ہیں کہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپؐ کے پاس بھیجی گئی اور (اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں) جو آپؐ سے پہلے بھیجی گئی تھی اور جو (ان میں) نماز کی پابندی کرنے والے ہیں اور جو (ان میں) زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو (ان میں) اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (سو) ایسے لوگوں کو ہم ضرور (آخرت میں) ثوابِ عظیم عطا فرمائیں گے۔ ﴿۱۶۲﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ

مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ فرمایا: اہل کتاب ایسے کج بحث ہیں اور ایسے عجیب مزاج کے لوگ ہیں کہ الٹ سوچتے ہیں۔ اعتراض کرتے ہیں اور بے عملی کے لئے نت نئے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ نبوت ورسالت اللہ کریم خود عطا کرتے ہیں اور نبیؑ کی نبوت کی دلیل خود نبی علیہ السلام کی ذاتِ عالی ہوتی ہے کہ نبیؑ اپنے ہر قول میں سچا، ہر فعل میں نیک اور ہر حال میں کھرا انسان ہوتا ہے۔ جب کسی ہستی کی نبوت کا اقرار کرلیا جائے تو پھر سوالات کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سمجھنے کے لئے سوال کرنا اور بات ہے اور اعتراض کے لئے سوال کرنا گستاخی ہے۔

مشرکین مکہ کی عادت تھی کہ اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے علماء کے پاس مدینہ منورہ جاتے اور اعتراضات سیکھ کر آتے۔ انہی کے بارے ان آیات مبارکہ میں بات ہو رہی ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر ایک لکھی لکھائی کتاب آسمان سے اُترے تو یہ ایمان لائیں کہ آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی ہے اس کا تو گواہ ہی کوئی نہیں۔ اللہ کریم نے فرمایا اے میرے حبیب ﷺ آپ سے تو انہوں نے کتاب کے نزول کا مطالبہ کیا۔ **فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ** لیکن موسیٰؑ سے تو انہوں نے اس سے بھی بہت بڑا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا تھا **فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً** اللہ کو ہمارے روبرو کر دو۔ ہم اللہ کو دیکھیں گے۔ ہم اللہ سے بات کریں گے۔ ہم اللہ سے پوچھیں گے کہ یہ واقعی نبیؑ ہیں اور یہ واقعی آپ کی کتاب ہے؟

فرمایا: یہ اتنی بڑی گستاخی تھی کہ **فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ** ان پر بجلی گری اور وہ ہلاک ہو گئے۔ یہ اتنی بڑی جرأت تھی۔ اتنا بڑا سوال تھا کہ ان پر بجلی گری اور اس نے انہیں خاک کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ طور پر تشریف لے جاتے اور کلام الٰہی سے بہرہ ور ہوتے۔ یہودیوں نے کہا کہ اور لوگوں کو بھی ساتھ لے جائیں تاکہ یہ بھی آپ کے ساتھ بات سنیں تو ہمیں یقین آ جائے گا۔ تو موسیٰؑ اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگ ستر کی تعداد میں ساتھ لے گئے۔ ابھی پہاڑ پر نہیں پہنچے تھے۔ وادی ہی میں تھے تو وہ لوگ کہنے لگے موسیٰؑ! کیا صرف آواز ہی آئے گی یا اللہ کریم سامنے ہوں گے؟ موسیٰؑ نے فرمایا کیوں پوچھ رہے ہو؟ کہنے لگے ہم اللہ کریم کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم خود انہیں سننا چاہتے ہیں۔

نبی علیہ السلام پر اعتبار نہ کرنا ایسی عظیم محرومی ہے کہ بندہ ایمان سے عاری ہو کر بے عقل ہو جاتا ہے

اور ایسے مطالبے کرنے لگتا ہے، مخلوق ہو کر خالق کو حاضر کرنے کا مطالبہ اتنی بڑی گستاخی تھی کہ فضاء میں بجلی کی کڑک آئی اور وہ موت کے گھاٹ اتر گئے۔ موسیٰ ؑ نے اللہ پاک سے عرض کی کہ بارالٰہ یہ تو جاہل تھے ہلاک ہو گئے لیکن قوم تو مجھ پر طعن کرے گی اور مجھ پر الزام دھرے گی کہ قوم کے ستر چیدہ افراد شہادت و گواہی کے لئے ساتھ کئے تھے آپ نے انہیں مروا دیا تو یہ جاہل لوگ ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر انکی جہالت سے درگزر فرمایئے اور انہیں دوبارہ زندگی عطا کر دیجیے۔ چنانچہ اللہ کریم نے اپنے عظیم رسول ؑ کی دعا قبول فرما کر انہیں دوبارہ زندگی عطا کر دی۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ پھر بھی بجائے اصلاح احوال کے یہ دوبارہ نافرمانی کے راستے پر چلنے لگے۔ یہ ایسی عجیب قوم ہے کہ ان کے پاس موسیٰ ؑ کی نبوت کی تصدیق کے لئے واضح دلائل آئے معجزات ظہور پذیر ہوئے پھر بھی بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اور اس کی پوجا کرنے لگ گئے۔ جس کی پاداش میں ان پر سزا مرتب ہوئی۔ موسیٰ ؑ نے پھر اللہ کریم سے معافی لے کر دی اللہ کریم نے پھر درگزر فرمایا اور موسیٰ ؑ کو صریح غلبہ عطا فرمایا۔

قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے نزول سے لے کر قیام قیامت تک اللہ کی آخری کتاب ہے اور ہدایت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ آیات قرآن کا نزول بیشک کسی خاص واقعہ کے ساتھ منسلک ہے اور آیات کریمہ مخصوص موقعوں پر نازل ہوئیں لیکن ان آیات کا حکم عام ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ نبی علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کر لینے کے بعد ارشادات نبوت کو مان لینے کے بعد پھر رسومات میں کھو جانا کتنی بڑی گستاخی ہے۔ یہ آیات ہر مسلمان کو یاد دلا رہی ہے کہ اگر یہودیوں نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا تھا تو آج ہمارا کردار کیا ہے؟ ہم عملی زندگی میں روزمرہ کے کاموں میں کتنے کام سنتِ رسول ﷺ کے مطابق کرتے ہیں اور کتنی زندگی رسومات کی نذر ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بچے کی پیدائش سے لے کر جنازے تک ہر کام میں سنتِ رسول ﷺ کی جگہ رسومات نے لے لی ہے اور اگر بتایا جائے کہ شرعی اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو کہتے ہیں کہ اس طرح تو ہماری نکّی ہو گی۔ لوگ کیا کہیں گے کہ ان کے والد فوت ہو گئے تو انہوں نے چار دیگیں بھی نہ پکائیں۔ یعنی ہر کام میں لوگوں کی رائے کی فکر ہے لوگوں کی واہ واہ حاصل کرنے کی چاہت ہے اور لوگ ایسے عجیب ہیں کہ دیگیں کھا جاتے ہیں پھر بھی کوئی کہتا ہے گوشت کم تھا کوئی کہتا ہے مرچ مصالحے زیادہ تھے۔ خوش ہو کر کوئی بھی نہیں جاتا سب ہی کھا پی کر تنقید کرتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ ہر رسم کو ضروری سمجھتے ہیں اور کہیں بھی ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ جس دین کو مانتے ہیں اس

کے احکام پر عمل بھی کریں۔ یہ وہی یہودیوں والی بات ہے کہ سارے معجزات اور صداقتِ نبیؑ کے تمام واضح دلائل دیکھ لینے کے بعد پھر وہ بچھڑا پوجنے لگے تھے۔

قرآن حکیم ہمیں یہ واقعات گذشتہ کیوں سناتا ہے؟ قرآن حکیم نہ تو تاریخ کی کتاب ہے نہ قصہ کہانیوں کی کتاب۔ قرآن حکیم یہ سب کچھ اس لئے سناتا ہے کہ ہماری تعلیم و تربیت کرے ہمیں ترغیب و ترہیب سے سمجھائے کہ ان واقعات سے عبرت حاصل کرو اور دیکھو تم کہیں اس روش پر نہ چل پڑنا۔

ہمیں ان آیات کریمہ کی روشنی میں اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہیے تاکہ ہم اپنے معاملات کو، امور دنیا کو حضور ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھال لیں اور پوری طرح سے اتباع رسالت ﷺ اختیار کریں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ ہم نے پھر ان سے درگزر کیا، انہیں پھر معاف کر دیا۔ اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ گاؤ سالہ کی پرستش کے بعد بھی جب انہیں ندامت ہوئی تو اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول فرما کر انہیں معاف کر دیا۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ ان کی توبہ اس طرح آسانی سے قبول نہیں ہوئی تھی۔

جب موسیٰؑ نے انہیں بچھڑے کی پرستش پر ملامت کی اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو انہوں نے موسیٰؑ سے عرض کی کہ انہیں سامری نے دھوکہ دیا اور وہ بچھڑے کی پرستش میں لگ گئے وہ اس گناہ سے تائب ہونا چاہتے ہیں لہٰذا آپ بارگاہ الوہیت میں عرض کیجیے کہ ہماری توبہ قبول ہو جائے۔ تو اللہ کریم نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کو سجدہ نہیں کیا تھا انہیں تلوار دے دی جائے اور جن لوگوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ گردنیں جھکا کر کھڑے ہو جائیں انہیں قتل کر دیا جائے تو جو قتل ہو جائے گا اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس طرح ان کی توبہ مکمل ہوئی۔ اس قتال میں اتنا خون بہا کہ پاؤں ٹخنوں تک مٹی اور خون میں دھنس گئے۔ موسیٰؑ نے پھر ان کے لئے دعا فرمائی کہ بارالٰہ یہ جاہل تھے۔ تیری اتنی مخلوق قتل ہو گئی ہے اب جو باقی رہ گئے ہیں انہیں معاف فرما دے۔ اللہ کریم نے موسیٰؑ کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا جو میرے حکم پر سر تسلیم خم کر کے کھڑے ہوئے اور میرے حکم پر گردن کٹا لی انہیں میں شہید کا درجہ عطا کرتا ہوں اور جو باقی بچ گئے انہیں معاف کرتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ کی اُمت کے لئے توبہ کس قدر آسان ہے۔ آج ہمیں گردن نہیں کٹانا پڑتی۔ صرف خلوص کے ساتھ اللہ سے معافی مانگ لیں اور برائی کا رویہ چھوڑ دیں بس صرف ایک ہی شرط ہے۔ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

توبہ کرلواور اپنی اصلاح کرلوتو گذشتہ ساری خطائیں معاف کردی جائیں گی۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ ہم نے موسیٰ کو واضح دلائل دیئے، قوت و طاقت دی، دلائل و براہین اور اختیار و اقتدار سے ان کی صداقت ثابت کی۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

مصیبتیں سنبھلنے کے مواقع عطا کرتی ہیں:

قدرت قوموں کو سنبھلنے کے مواقع عطا کرتی ہے اور بعض اوقات ان پر ایسی عجیب مصیبتیں آجاتی ہیں جن کی وہ توقع بھی نہیں کرتیں اور ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے اور ان سب سے گزارنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی کمزوری اور عاجزی کا ادراک کرلے اور عظمت الٰہی کو سمجھے اپنے مقام سے آگاہ ہو اور اللہ کی اطاعت اختیار کرلے نافرمانی سے توبہ کرکے اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرے لیکن بہت ہی بدنصیب ہوتے ہیں جو ان پریشانیوں اور مصیبتوں میں بھی تائب نہیں ہوتے اور ان مصائب کے بعد بھی سنبھل نہیں پاتے۔

ان آیات میں بنی اسرائیل کے اسی روّیے کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب انہوں نے نافرمانیاں کیں اور حد سے بڑھ گئے تو اللہ نے ان پر پہاڑ کو معلق کردیا کہ اگر توبہ نہیں کروگے اصلاح احوال نہیں کروگے تو یہ پہاڑ تم پر گرادیا جائے گا۔تمہاری آبادیاں مٹ جائیں گی اور تمہاری نسلیں تک نابود ہوجائیں گی۔اس لئے کہ تم اللہ سے ایمان کا عہد کرچکے تھے۔نبی علیہ السلام پر ایمان لانا اور کلمہ حق ادا کرنا اللہ اور بندے کے درمیان کا عہد ہے جس میں بندہ اقرار کرتا ہے کہ وہ اللہ کی عظمت کا قائل ہے وہ اللہ کی اطاعت کرے گا اور نبی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاتے ہوئے نبی علیہ السلام کی رہنمائی میں زندگی گزارے گا۔دراصل اطاعت الٰہی میں بندے کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی طرف سے ایجاد کردہ کسی عمل کو نیکی قرار دے۔نیکی وہی ہے جو اللہ کا نبی علیہ السلام ارشاد فرماتا ہے۔

بنی اسرائیل نے ایمان لانے کے بعد پھر برائی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ کریم نے پہاڑ ان کے سروں پر معلق کردیا حالانکہ اللہ کریم نے انہیں فرعون سے نجات دلائی اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا کہ خود کو خدا کہلوانے والا اپنے لاؤ لشکر سمیت ان کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوکر تباہ ہوگیا اور اپنی سلطنت، باغات، کھیتیاں، زمین، محلات اور خزانے ان کے لئے چھوڑ گیا۔اللہ کریم نے بنی اسرائیل کو ایسے ظالم سے نجات دلوائی جو ان

کے بیٹے ذبح کرتا اور ان کی بیٹیاں اپنی خدمت کے لئے زندہ رکھتا تھا۔ آئے دن ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے۔ قتل ہوتے اور رسوا کیے جاتے تھے لیکن بنی اسرائیل نے ناشکری کا رویہ ہی قائم رکھا جس پر اللہ کریم نے پہاڑ کو معلق کیا۔ یہ بھی اللہ کی رحمت تھی کہ کسی طرح یہ اپنے غلط رویے سے باز آ جائیں۔ یوں انہوں نے پہاڑ کو معلق دیکھ کر توبہ کی۔ انکی توبہ کے بعد جب پہاڑ واپس اپنی جگہ چلا گیا تو وہ پھر بدل گئے اور واپس ناشکری اور نافرمانی پر اتر آئے۔ اللہ کریم نے اپنے کرم سے انہیں ایک بستے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ وہاں کے لوگ خود تمہارے لئے شہر خالی کر دیں گے اور پورا شہر تمہارے زیر نگین ہوگا لہٰذا تم اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے بڑی عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے، عظمت الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس میں داخل ہونا۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا اللہ نے تو عاجزی کا حکم دیا لیکن انہوں نے الٹ کام کیا وہ اکڑے ہوئے اور بھوک پیاس کا شکوہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔

اللہ کریم نے ان پر ایک پابندی لگا دی۔ وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہیں کریں گے۔ یہود سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی ہی ان کی غذا اور ان کا روزگار تھی۔ ہفتہ کا دن بھی ان کے لئے مقدس تھا۔ اسی دن اللہ نے شکار کی پابندی عائد کر دی۔ اللہ کے امتحان بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ جس دن ہفتہ ہوتا اسی دن بے شمار مچھلیاں کنارے کے نزدیک آ جاتیں اور باقی چھ دن سمندروں میں محنت کر کے تلاش کرنا پڑتیں۔ وہ اس امتحان میں پورے نہ اترے اس لئے کہ انہوں نے خواہشِ نفس کو مقدم رکھ کر اللہ کی اطاعت کو پسِ پشت ڈال دیا۔ انہوں نے ایسا کام کیا ایسا حیلہ کیا جس سے حکم الٰہی کے خلاف عمل ہوا۔ انہوں نے سمندر کے کنارے گڑھے بنا دیئے۔ جب مچھلیاں زیادہ ہوتیں تو وہ ان گڑھوں کی طرف آ جاتیں پھر وہ انہیں اس دن تو نہ پکڑتے لیکن ان گڑھوں کا منہ بند کر دیتے۔ اس طرح وہ ہفتہ کے دن اس گڑھے میں بند ہو جاتیں اور اگلے دن وہ ان کو نکال لیتے۔ اللہ کے حکم کی اس نافرمانی پر اللہ کا ایسا عذاب آیا کہ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ (سورۃ الاعراف) ان سے کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔ ان کی شکلیں مسخ ہو گئیں اور وہ ذلیل بندروں کی شکل میں تبدیل کر دیئے گئے اور چیختے چلاتے ہلاک ہو گئے۔ ان پر یہ تباہی ان کے کس روّیے کے باعث آئی؟ سب سے پہلا سبب قرآن حکیم نے یہ بتایا ہے وَّاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ کہ اللہ کریم نے ان تمام امور پر ان سے بڑے مضبوط عہد لیے تھے۔ اور انہوں نے اللہ سے بڑے پکے وعدے کئے تھے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں گے لیکن انہوں

نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو توڑا اور جن کاموں سے انہیں روکا گیا تھا انہوں نے وہی کام کئے اور یوں اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ انہوں نے عملاً ثابت کیا کہ اپنی مرضی سے اور اپنی پسند کے مطابق جئیں گے۔ جو چاہیں گے کریں گے اور جو نہیں چاہیں گے وہ نہیں کریں گے۔ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَ كُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ اس پر جب انبیاء علیہم السلام نے انہیں اس طرز عمل سے روکا، حق کی تبلیغ کی تو انہوں نے انبیاء کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ جب انہوں نے اللہ کے برگزیدہ بندوں، اللہ کے نبیوں کو ہی شہید کر دیا تو پھر کسی عالم، نیک اور پارسا کی کیا حیثیت تھی کہ وہ انہیں اس باغیانہ طرز عمل سے روک سکتا۔ اس پر وہ کہتے تھے کہ ان کے دل تو بہت مضبوط ہیں۔ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ کہ بہت سے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں اور وہ گمراہی سے محفوظ ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں بَلۡ ان کے دل پردوں میں چھپے ہوئے ہیں بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اس لئے ان بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۵۵﴾ کے دلوں پر اثر نہیں ہوتا۔ یہ گناہ اور خطائیں کرتے ہیں اور توبہ کی توفیق ہی میسر نہیں۔ اب ان کو اپنے گناہوں پر شرمندگی ہونا تو دور کی بات ہے یہ گناہوں پر فخر کرتے ہیں۔

آج کا مسلمان اللہ سے بدعہدی کا مرتکب ہے اور خود کو مظلوم سمجھتا ہے:

آج کے عہد کے مسلمانوں کے قتل عام اور ذلت ورسوائی کی زندگی کا سبب بھی یہی رویہ ہے۔ ہم بھی اللہ سے بدعہدی کے مرتکب ہیں اور پھر خود کو مظلوم بھی سمجھتے ہیں۔ ہمیں ذات باری تعالیٰ سے شکوہ بھی ہے کہ اللہ ہماری مدد نہیں کرتا۔ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نمازیں ادا کرتی ہے۔ ہر جگہ اذانیں ہوتی ہیں۔ روزے رکھے جاتے ہیں۔ حج اور عمرے ادا کئے جاتے ہیں لیکن عملاً ہم ہر عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ زندگی اپنی مرضی سے جئیں گے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ اللہ سے بدعہدی کا نتیجہ ہے۔ حج پر جانے والوں کی کثیر تعداد سود خوروں کی ہے جو اپنے سرمائے میں سود کو شامل کرتے ہیں۔ اسی حالت میں نمازیں پڑھتے ہیں اکثر نیکی کے کام دکھاوے کے لئے کرتے ہیں بہت کم خوش نصیب ہیں جو عظمتِ الٰہی کو پیش نظر رکھ کر نیک کام کرتے ہیں۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہماری عمریں بیت جاتی ہیں اور ہم وضو کا درست طریقہ نہیں سیکھتے۔ غسل کے مسائل نہیں سیکھتے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ دہراتے ہیں اور یہ تکلف نہیں کرتے کہ سورہ فاتحہ کی سات چھوٹی چھوٹی آیات کا مفہوم سمجھ لیں۔ جب ہم باوضو ہو کر قبلہ رو ہو کر لباس اور جگہ کو پاک کر کے اللہ کے روبرو یہ پڑھتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ سے اپنے لئے ہدایت اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مانگتے ہیں۔ اللہ

سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس طرح زندگی کے کام کریں گے جس طرح آپ کہیں گے۔ جس طرح آپ کے رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھاتے ہیں۔ ہم ویسے کریں گے لیکن ہم یہ سیکھنے کا تکلف نہیں کرتے۔ اور اس سے بھی عجیب طرزِ عمل مساجد کے خطیبوں کا ہے۔ ایسے ایسے مسائل پر بات کریں گے کہ علمِ غیب کس کے پاس ہے؟ کس کے پاس نہیں؟ کون کیا کرسکتا ہے اور کون کیا نہیں کرسکتا؟ ایسے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے اور لوگوں کو پھنسانا چاہتے ہیں لیکن روزمرہ کے معمولات زندگی ادا کرنے کے حضور اکرم ﷺ نے کیا طریقے سکھائے ہیں؟ شریعت مطہرہ میں زندگی گزارنے کے لئے کیا ہدایات آئی ہیں؟ حلال و حرام، جائز و ناجائز، امور کیا ہیں؟ عبادات کے شرعی احکام کیا ہیں؟ ان موضوعات پر بات بہت کم کی جاتی ہے؟ ان امور پر ہماری توجہ ہی نہیں ہے۔

ہم نے بھی کلمہ طیبہ قبول کر کے وحدہٗ لاشریک سے عہد کیا ہے کہ ہم اسی کا حکم مانیں گے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر زندگی بسر کریں گے۔ ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے۔ اس میں بلوغت سے لے کر موت تک ہر کام کا اسلوب بتا دیا گیا ہے۔ اس میں فوجداری کے قوانین ہیں اور دیوانی کے بھی موجود ہیں۔ سیاست و حکومت کے آداب و رموز ہیں تو تجارت و مزدوری کے بھی اسلوب ہیں۔ لین دین، معیشت و معاشرت، نکاح و طلاق کے تمام احکام موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان پر خود عمل فرمایا۔ صحابہؓ سے عمل کروایا۔ انؓ کی اصلاح فرمائی۔ انؓ کے اعمال پر اپنی پسندیدگی کی مہر لگائی اور رہتی دنیا کے لئے عملی مثالیں بنا کر عمل کرنے والوں کے لئے مضبوط بنیادیں فراہم کر دیں۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم عام لوگ اپنی زندگی میں قرآن کو راہنما بناتے ہیں؟ کیا ہمارے ذمہ دار اور بااقتدار افراد قرآن حکیم پر عمل کرنے اور عمل کروانے کی کوشش کرتے ہیں؟

ہرگز نہیں! تو جب اللہ کے ساتھ بدعہدی کا یہ عالم ہے تو پھر حالات بھی یوں ہی ہوں گے۔ بنی اسرائیل کا قصہ محض کہانی کے طور پر بیان نہیں کیا جارہا بلکہ قرآن حکیم جو واقعات بیان کرتا ہے وہ تنبیہ اور تلقین کے لئے ہوتے ہیں کہ جو ایسا کرے گا اس کا یہی نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا۔ مسلمانو! تم سے پہلی قوموں نے یہ جرم کیا تو اس عذاب میں گرفتار ہوئے اگر تم بھی ایسا ہی کرو گے تو تمہیں بھی ایسا ہی نتیجہ دیکھنا ہوگا۔

اگر ہم آج تباہ حال ہیں، ہماری قیادتیں اور حکومتیں کمزور ہیں، ہم ملکی اور بین الاقوامی سطح پر رسوا ہیں تو پھر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم اللہ کریم سے اور اللہ کے حبیب ﷺ سے کون سا عہد نبھا رہے ہیں؟ اگر ہم اپنے

عہد سے پھر چکے ہیں اور بطور مسلمان جو فرائض ہم پر عائد تھے ہم وہ ادا نہیں کر رہے تو اس کی سزا تو ضرور ہوگی۔ اگر بنی اسرائیل نے عہد توڑا، عملی زندگی میں احکام الٰہی کو پسِ پشت ڈالا، احکام الٰہی کے برخلاف زندگیاں گزاریں۔ انبیاءؑ نے منع فرمایا تو انہیں شہید کر دیا اور یہ مظالم ڈھانے کے بعد بھی ان کے دلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ خود کو درست ہی سمجھتے رہے اور بانگ دہل کہتے رہے کہ انہیں نہ کوئی شرمندگی ہے نہ ہی افسوس۔ اور یہ کہ ان کے دل بہت پاک اور ہر گمراہی سے بچے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے دلوں میں ان کے کرتوتوں سے ایسی سختی آگئی کہ انہیں برائی سے شرم ہی محسوس نہ ہوئی۔ وہ نہ بے حیائی سے شرم محسوس کر سکے نہ کسی ظلم و زیادتی سے شرمائے۔ ان کا احساس ہی مر گیا۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔

اللہ کریم کی طرف سے سخت ترین سزا یہی ہوتی ہے کہ کسی فرد کا احساس ہی مر جائے اور اسے کسی جرم سے توبہ کرنے کی توفیق ہی نہ ہو۔ **بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۱۵۵﴾ اللہ کریم فرماتے ہیں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اپنی ذاتی زندگی میں جرائم سے بچے ہوئے ہیں۔ اللہ کی توفیق سے توبہ کرتے، اصلاح کرتے اور حلال کھانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ قلیل ہیں۔ اکثریت نام کے مسلمانوں کی ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اللہ کے دین کا نام ازل سے اسلام ہے:

اللہ نے ازل سے اپنے دین کا نام اسلام رکھا ہے۔ خواہ وہ لوگ اپنے زمانے میں یہود تھے یا نصاریٰ دین ایک ہی تھا وہ تھا اسلام یعنی اللہ کی اطاعت۔ **وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا** ﴿۱۵۶﴾ فرمایا: یہودیوں نے صرف اللہ سے کفر نہیں کیا بلکہ حضرت مریمؑ پر بھی بہت بڑی بہتان تراشی کی۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر والد کے ہوئی تو بجائے اس کے کہ وہ ان کی پیدائش کو عظمتِ الٰہی اور قدرت کاملہ کی نشانی مانتے۔ انہوں نے حضرت مریمؑ جیسی نیک پاکباز خاتون پر بہت بڑے الزام لگائے۔ حالانکہ اللہ کریم نے حضرت عیسیٰؑ کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ انہوں نے نوزائیدہ بچے کی حالت میں لوگوں سے کلام فرمایا اور فرمایا کہ میں اللہ کا نبی علیہ السلام ہوں۔ اللہ مجھے کتاب عطا کرے گا۔ میں تمہاری رہنمائی کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اللہ نے مجھے معجزاتی طور پر بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی قدرت کی نشانی ہوں۔ اس سب کے باوجود انہوں نے حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم لگایا۔ یہ بہت بڑی زیادتی کی بات تھی۔

اس آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ حضرت مریمؑ نبی تو نہیں تھیں، ولیہ تھیں۔ ایک نبی علیہ السلام

کی معزز و مقدس والدہ تھیں تو ان پر بہتان لگانے کو اللہ تعالیٰ نے عظیم جرم گردانا ہے۔ اسی طرح اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنے ناروا کارناموں کے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے اللہ کے نیک بندوں پر بہتان تراشی کرنا جرمِ عظیم بن جاتا ہے۔ اگلی آیات میں یہود کی سازشوں کا ذکر آ رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے اور ان کی تبلیغ سے حکومت کو خطرہ پیدا ہوا تو بادشاہ نے ان کی مقبولیت سے ڈر کر انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو آپؑ نے بادشاہ کو سمجھایا کہ انہیں حکومت و سیاست سے تو دلچسپی نہیں البتہ وہ لوگوں کے عقائد اور ان کے کردار کی اصلاح کا کام کر رہے ہیں تا کہ لوگ اللہ سے آشنا ہوں اور یہ کہ وہ لوگوں کو نیک کاموں کی ترغیب دلا رہے ہیں اور یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ اس پر بادشاہ ان کے قتل سے باز آ گیا لیکن یہودیوں نے سازش کر کے پھر بادشاہ کے کان بھرے اور ان کے قتل کا حکم دے دیا اور اپنی دانست میں انہیں صلیب پر چڑھا دیا۔ عیسائیوں کا آج بھی یہی ایمان ہے کہ (معاذ اللہ) عیسیٰؑ خدا کے بیٹے تھے عیسائیوں کے گناہوں کے بدلے انہیں پھانسی پر لٹکنا قبول تھا۔ لہٰذا انہوں نے عیسائیوں کو سزا سے بچانے کے لئے ان کے گناہ اپنے سر لے لئے اور خود مصلوب ہو گئے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ **اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ** کہ انہوں نے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو قتل کر دیا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ فرمایا **وَمَا قَتَلُوْهُ** وہ انہیں ہرگز قتل نہ کر سکے **وَمَا صَلَبُوْهُ** اور نہ ہی انہیں مصلوب کر سکے۔ **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** ہاں انہیں شبے میں ڈال دیا گیا۔

ہوا یہ کہ عیسیٰؑ کے ساتھ رہنے والا ایک شخص مرتد ہو گیا اور انعام کے لالچ میں اس نے مخبری کی۔ وقت مقررہ پر شاہی سپاہیوں کو لے کر عیسیٰؑ کے رہنے کی جگہ پر گیا۔ مکان میں عیسیٰؑ اکیلے تھے۔ جب وہ اندر گیا تو اللہ کریم نے اپنی قدرت کے تحت عیسیٰؑ کو تو آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا اور وقتی طور پر اس شخص کی شکل عیسیٰؑ جیسی بنا دی لیکن اسے خبر نہ ہوئی کہ اس کی شکل بدل چکی ہے۔ جب وہ باہر آیا تو شاہی سپاہیوں نے عیسیٰؑ سمجھ کر پکڑ لیا۔ وہ چیختا چلاتا رہا۔ لیکن اسے پکڑ کر لے گئے اور سولی پر لٹکا دیا۔ یوں عیسیٰؑ کے شبے میں اس مخبر کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ **وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ** فرمایا جو لوگ عیسیٰؑ کے بارے اختلاف کرتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اور وہ اس کے بارے میں جو کچھ بھی کہتے ہیں **مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ** اس کے بارے ان کے پاس کوئی مستند بات نہیں، نہ کوئی عقلی یا علمی دلیل ہے۔ **اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ** یہ محض اپنے شبہات کا، اوہام کا اور خیالات کا اتباع کرتے ہیں۔

مرزا قادیانی نے بھی اس ضمن میں اختراعات کر کے بے ہودہ باتیں کی ہیں۔ آیت قرآنی کے مطابق ایسی تمام باتیں واہیات ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کر سکے **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ** بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا۔ اس آیۂ کریمہ کی غلط تاویل کر کے باطل فرقے یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کی روح کو قبض کر لیا اپنے پاس اٹھالیا اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اللہ کریم تو ان کی موت کی تردید کر رہے ہیں۔ ان کے قتل کی اور ان کے مصلوب ہونے کی تردید کر رہے ہیں۔ لہٰذا اگر ان کی تاویل دیکھی جائے تو بھی موت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اگر اللہ نے یہودیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا، صلیب پر چڑھانے سے بچایا تو پھر کیا خود موت دے دی؟ اس طرح تو یہودیوں کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ بھی تو قتل ہی کرنا چاہتے تھے۔ اپنی دانست میں سولی پر لٹکا کر سزائے موت دینا چاہتے تھے تو اگر اللہ نے ان کی روح قبض کر لی تو پھر اللہ نے ان کا کام ہی کر دیا۔ لہٰذا یہ بودی دلیل ہے، حق وہی ہے جو قرآن حکیم میں ہے۔

رفع سے مراد عیسیٰؑ کا آسمانوں پر زندہ اٹھایا جانا مراد ہے:

قادیانی ملعون نے کہا تھا کہ عیسیٰؑ زندہ اٹھائے گئے تو اب تک تو وہ بہت ضعیف ہو چکے ہوں گے۔ صدیاں بیت گئیں۔ دو ہزار سال تو بندہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ یہ بھی بھول گیا کہ اللہ قادر ہے۔

اور زمین آسمان کے شب و روز میں بھی بہت فرق ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں **يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾** (سورۃ الحج) زمین پر ایک ہزار سال گزرتا ہے تو آسمان پر ایک دن گزرتا ہے۔ اگر عیسیٰؑ کو دو ہزار سال گزرے ہیں تو جہاں اللہ کریم نے انہیں رکھا ہوا ہے وہاں ان کی عمر عزیز کے صرف دو دن گزرے ہوں گے اور ان کے نزول تک جتنے ہزار سال بھی گزر جائیں ان کی زندگی کے تو چند دن ہی گزرے ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے نزول کے بعد کے بارے بھی بہت سے پیشن گوئیاں فرمائی ہیں کہ آپؑ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے دین کی پیروی کرتے ہوئے، اسی شریعت اسلامیہ کو رائج کریں گے۔ اسلام کا بول بالا ہو گا۔ آپؑ زمین پر نازل ہونے کے بعد شادی کریں گے۔ زندگی کے ایام دارِ دنیا میں گزاریں گے۔ وفات پائیں گے اور روضۂ مطہرہ میں جو خالی جگہ رکھی گئی ہے، وہاں دفن ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کی قبر مبارک کی جگہ اپنے روضۂ مبارک میں ہونے کی پیشن گوئی

فرمادی تھی اور یہ ایسی زندہ جاوید حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمرؓ کے روضۂ اطہر میں دفن ہونے کے بعد خاندان نبوت کی بڑی بڑی ہستیاں مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں لیکن روضۂ اطہر کے اندر چوتھی قبر حضرت عیسیٰؑ کے لئے ہی مختص رہی۔ حضرت حسنؓ مدینہ منورہ میں ہوئے۔ حضرت عثمانؓ مدینہ منورہ میں شہید ہوئے لیکن کسی کو روضہ اطہر میں جگہ نہ ملی۔ وہ جگہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے ابھی تک موجود ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ میرے ﷺ اور عیسیٰؑ کے درمیان میں ہوں گے۔ دونوں طرف اللہ کے دو رسولؑ ہوں گے اور یہ دونوں ہستیاں ان کے درمیان میں ہوں گی۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ اللہ اپنے ہر کام میں غالب بھی ہے، قادر بھی اور حکیم بھی۔ اس کی حکمت ہے جس طرح وہ چاہے اس طرح وہ کرتا ہے۔ انسان کا نہ تو علم مکمل ہے نہ ادراک۔ اپنے سامنے کی چیزوں کو کبھی کچھ سمجھ لیتا ہے کبھی کچھ اور حقیقتاً وہ کچھ اور ہوتی ہیں۔ ہم نے بھی یہ احادیث پڑھ رکھی تھیں ایک عجیب سا خیال آتا تھا اور ڈرتے ہوئے یہ بھی نہیں کہتے تھے کہ اللہ تو قادر ہے اگر اس نے نبوت جاری رکھنی تھی تو وہ اور نبیؑ پیدا کر سکتا تھا اور اگر اور نبیؑ پیدا نہیں کرنا تھا تو پھر اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمانوں پر اٹھا لیا اور وقت مقررہ پر انہیں واپس بھیجے گا۔ وہ نازل ہوں گے اور دین کو سربلند فرمائیں گے اور اللہ نے خود ہی اسے اپنی قدرت وحکمت کا مظہر بھی قرار دیا ہے لیکن اس عمل کی مصلحت سمجھ نہیں آرہی تھی۔ پھر جب عملی زندگی میں تجربہ ہوا بہت سے لوگوں سے سابقہ پڑا اور خود اپنے آپ کو بھی دیکھا تو سمجھ آئی کہ زمانے کے گزرنے کے اپنے اثرات ہوتے ہیں۔

زمانے کی گردش بڑے اثرات مرتب کرتی ہے:

عہدِ نبوی ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ روشنی کے مینار تھے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ تابعین اور تبع تابعین تک خیر القرون تھا یعنی بہترین زمانے اور لوگوں نے ان سے دین سیکھا پھر رفتہ رفتہ حالات بدلتے گئے۔ چیزیں کمزور ہوتی گئیں لوگوں کے دل سخت ہوتے گئے۔ علماء میں وہ قوت نہ رہی۔ سیکھنے والوں کے جذبے ماند پڑ گئے لیکن جب بھی حالات بگڑتے تو اللہ تعالیٰ اہل حق کو علماء حق کو اولیاء اللہ کو نیک بندوں کو پیدا کر دیتا۔ وہ انقلاب آفرین ہوتے اور دین کو نافذ کر دیتے۔ لوگوں کے اخلاق وکردار سنورتے۔ لوگ برائی چھوڑ کر تائب ہو کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتے لیکن جوں جوں زمانہ عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ السلام سے دور ہوتا گیا روحانی قوت میں کمی آتی گئی۔ کیونکہ زمانے گزرنے کے اپنے اثرات ہوتے ہیں۔ ان حقائق سے

ذاتی طور پر آگاہ ہو جانے کے بعد سمجھ آ گئی کہ حضرت عیسیٰؑ کو دنیا میں نفاذِ دین کی خدمت کے لئے بھیجا جانا ضروری ہوگا۔ اور اللہ کریم تو اس حال کو پہلے سے جانتا تھا اسے پتہ تھا کہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ اولیاء اللہ سے بھی متاثر نہیں ہوں گے اور لوگوں میں مثبت تبدیلی لانے کے لئے رسولؑ ہی کی روحانی قوت کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے اس نے ایک نبیؑ کو زندہ، باقی رکھا۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جب لوگ نہ علماء سے متاثر ہوں گے نہ اہلِ اللہ کی محنت سے اصلاح پذیر ہوں گے۔ تب حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا اور اگرچہ وہ شریعت حضور اکرم ﷺ کی ہی نافذ کریں گے۔ تبلیغ اسی قرآن کی کریں گے لیکن بات کرنے میں جو قوتِ روحانی ہوگی وہ اللہ کے رسول علیہ السلام کی ہوگی۔

تبلیغ کا قاعدہ:

یہی ہے کہ علم دین سکھانے اور پڑھانے والے کے لئے، دین کی دعوت دینے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے پاس اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی بات پہنچانے کی روحانی قوت بھی ہو۔ اگر اس میں روحانی قوت نہ ہو تو پھر صرف باتیں ہی رہ جاتی ہیں۔ کردار و عمل میں، سوچ اور نیت میں کھرا پن نہیں آتا۔ دینی وعظ حکایات بن کر رہ جاتی ہیں۔ باتیں خبر کے درجے میں ہی رہتی ہیں۔ یقین و حال نصیب نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کے پاس بہت سی خبریں جمع ہو جائیں تو ایسے علم کا اس کی ذات پر بھی اثر نہیں ہوتا پھر وہ دوسروں پر کیسے اثر انداز ہو سکتا ہے؟ دراصل علم اور خبر میں بڑا فاصلہ ہے۔ معلومات کا نام علم نہیں ہے۔ جب وہ معلومات حال بن جائیں تو پھر علم کہلاتا ہے۔ جیسے کسی شخص کو علم ہو کہ اس کے سامنے رکھے ہوئے پانی کے گلاس میں زہر ملا ہوا ہے۔ اگر وہ زہر آلود پانی نہ پیئے تو یہ اسکی دلیل ہے کہ وہ علم رکھتا ہے اور اگر وہ زہر آلود پانی پی لے تو پھر اس کے پاس علم نہیں محض خبر ہے۔ محض معلومات ہیں، جو علم عمل پر آمادہ نہ کرے وہ علم نہیں ہوتا خبر ہوتی ہے اور جو خبر عمل پر آمادہ کر دے وہ علم بن جاتی ہے خبر نہیں رہتی۔

آج ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں، اپنے کردار کو دیکھیں، دینی اداروں کو دیکھیں، دین سکھانے والے معلمین کو دیکھیں، مساجد میں جانے والے نمازیوں کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس سب کے باوجود تبدیلی کیوں پیدا نہیں ہوتی؟ کیا وجہ ہے کہ ہر محلے میں، ہر گاؤں میں مساجد ہیں۔ جمعے کے خطبے دیئے جاتے ہیں، بچوں کو مولوی صاحبان قرآن کریم پڑھاتے ہیں، مفتیانِ کرام فتوے دیتے ہیں، علماء مسائل سکھاتے ہیں، مولوی نکاح پڑھتے ہیں، جنازے پڑھاتے ہیں۔ پورے ملک میں اتنے اتنے عظیم الشان مدارس ہیں جن کے

سالانہ اخراجات کروڑوں میں ہیں۔ قوم کے صدقات وخیرات سے یہ ادارے چل رہے ہیں۔ رات دن قرآن وحدیث پڑھائی جاتی ہے۔ کتنے لوگ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر علم حاصل کر کے نکلتے ہیں لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ اس ساری کاوش کے نتیجے میں جو مثبت تبدیلی عقیدے اور عمل میں آنی چاہیے تھی وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ وہ کسی کو کیا تبدیل کریں گے جو اپنی عملی زندگی میں خود اپنے آپ کو تبدیل نہیں کر پاتے۔ ان کی اپنی عملی زندگی میں وہ صلاحیت کیوں نہیں ہوتی؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ بتانے والے کے پاس خود روحانی قوت نہیں ہے۔ اگر بات کہنے والے کے پاس برکات نبوت سے حاصل کردہ روحانی قوت ہو، اس کے دل میں وہ انوار ہوں جو انوارات قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے نکلتے ہیں تو اس کے کردار پر لازماً سنتِ رسول ﷺ کا رنگ ہوگا۔ پھر اس کی بات میں بھی اثر ہوگا۔ اس کے قرآن پڑھانے میں بھی اثر ہوگا۔ لوگ اس کے بتانے سے تبدیل ہوں گے۔ لوگوں کے عقائد کی اصلاح ہوگی۔ لوگوں کے کردار کی اصلاح ہوگی۔ اور اگر دین کی دعوت دینے والے کے پاس یہ روحانی قوت نہیں ہوگی تو پھر ایسا ہی ہے جیسے کوئی الف لیلوی قصے کہانیاں بیان کرتا رہے اور لوگوں کو مصروف رکھے اس کا اثر کسی کی عملی زندگی پر نہیں ہوگا اور یہی ہمارا آج کا مسئلہ ہے کہ اصل چیز نور نبوت ہے، برکات نبوت سے محروم ہو کر دل کی محبت سے قبول کرنے کے بجائے ہم نے دین کو رسمی طور پر، رواج کے طور پر لیا ہے۔ ابھی تو الحمد اللہ کسی نہ کسی گوشے میں اللہ کا کوئی بندہ موجود ہے جس کی وجہ سے کچھ نہ کچھ اصلاحی کام ہو رہا ہے۔ لوگوں کے عقائد وکردار کی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو رہی ہے لیکن ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب یہ کام ولی اللہ کے بس سے باہر ہو جائے گا پھر نزول ہوگا عیسیٰؑ کا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی شریعت پر عمل کروائیں گے۔ اس وقت اللہ کے رسول علیہ السلام کی روحانی قوت کی ضرورت ہوگی۔

اللہ چونکہ رب العالمین ہے ہر زمانے اور ہر عہد کی ضرورتوں سے واقف ہے اس لئے اپنے عظیم رسول کو عیسیٰؑ کو نبی کریم ﷺ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے اس عہد میں بھیجے گا۔ جب ان کی روحانی قوت کی زمانے کو ضرورت ہوگی۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور وہ حکیم بھی ہے۔ اس کی حکمت ہر شئے کے راز سے واقف ہے۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کو خاتم النبین بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت مکمل ہوگئی۔ انبیاءؑ کا وجود جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہوگیا۔ آپ ﷺ کے بعد واقعی کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے اپنی حکمت کے تحت

آسمانوں پر زندہ رکھا ہوا ہے اور وقت مقررہ پر وہ دنیا پر نازل ہوں گے۔ یہ اللہ علیم وحکیم کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس نے اپنے ایک نبیؑ کو زندہ باقی رکھا اور نبی نوع انسان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے جس قوت کی ضرورت ہوگی وہ قوت عیسیٰؑ کے ذریعے اس عہد کے انسانوں کو فراہم کی جائے گی۔ یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ اس نے اتنا کرم فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور عیسیٰؑ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ تمام اہل کتاب کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ آسمانوں پر زندہ ہیں۔ جب حضرت عیسیٰؑ قیامت کے قریب اس زمین پر نازل ہوں گے تو یہ سب اہل کتاب ان پر صحیح ایمان لے آئیں گے اور نصاریٰ میں سے ہر ایک اس سے پہلے کہ وہ مرے وہ انؑ کی ضرور تصدیق کرے گا۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ اور قیامت کے روز دوسرے انبیاءؑ کے ساتھ عیسیٰؑ ان پر گواہ ہوں گے اور لوگوں کے عقائد وکردار کی گواہی دیں گے۔ انبیاءؑ کی گواہی یہی ہوگی کہ انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کا پیغام من وعن بندوں تک پہنچا دیا اور درست عقیدہ وعمل کی تعلیم دی جیسا کہ اللہ کریم نے انبیاءؑ کو خود تعلیم فرمایا تھا۔ بندوں کا جو عقیدہ اور جو عمل تعلیمات نبوت کے خلاف ہوگا وہ اس پر شہادت دیں گے کہ انہوں نے ایسا عقیدہ وعمل تعلیم نہیں فرمایا بلکہ یہ ان گمراہ لوگوں کی اپنی ایجاد تھی۔ اس کا نتیجہ بھی یہ خود بھگتیں۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ اللہ کریم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ یقیناً انسان کے لئے نقصان دہ ہیں۔ کوئی نفع بخش چیز اللہ نے حرام نہیں کی۔ حرمت شرعی کی بنیاد ہی یہی ہے کہ جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کے نقصانات بہت واضح ہیں۔ لین دین کے جو طریقے ناجائز قرار دیئے گئے ہیں وہ معاشرے کی تباہی کا سبب ہیں لیکن یہود کا کردار اتنا بگڑ گیا تھا کہ اس کے باعث ان پر حلال چیزیں بھی حرام کر دی گئیں۔ ان کا کردار یہ تھا کہ ان میں انبیاءؑ موجود تھے، لیکن انہوں نے انبیاءؑ کی نافرمانی کو روش بنالیا۔ دنیا کے لالچ میں مبتلا ہو کر مال ناجائز طور پر جمع کرتے اور اسے درست سمجھتے تو ان کے اس ظلم کے باعث بعض ایسی چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دی گئیں یوں حلال چیزوں کے حرام کئے جانے کے باعث انہیں تنگی کا سامنا کرنا پڑا۔

یہود کی وہ روش جس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا:۔

قرآن حکیم کی یہ آیت مبارک بتاتی ہے کہ یہود کیا زیادتی کرتے تھے؟ ایک زیادتی تو یہ تھی کہ انہوں

نے ایسی اقدار، ایسے اطوار اور ایسی عادات اپنالی تھیں کہ ان کا یہ کردار دوسروں کو نیکی کی راہ سے بہت شدت سے روکتا تھا۔ ان کے کردار اور رویوں نے ایسا ماحول بنا دیا تھا کہ وہ لوگوں کے لئے اللہ کی راہ پر عمل کرنے کے لئے رکاوٹ بن جاتا تھا۔ اور لوگ نیکی چھوڑ کر برائی میں مشغول رہتے۔ وہ صرف ایسا ماحول ہی نہ بناتے بلکہ ایسا پراپیگنڈا بھی کرتے جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے نکالنے کا سبب بنتا۔

قرآن حکیم اقوام کے قصے نہیں سناتا، بلکہ قرآن حقیقت حال بیان کرتا ہے تاکہ مسلمان عبرت حاصل کریں۔ آج ہم یہ تو کہتے ہیں کہ۔ خون مسلم آج پانی سے بھی ارزاں ہوگیا۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ گزشتہ اقوام کی وہ اقدار جن پر اللہ کے عذاب نازل ہوئے، وہی اقدار ہم اسی طرح من وعن اپنا چکے ہیں۔ ہمارا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نئی نسل کو کس روش پر تربیت دے رہا ہے؟ لباس سے زبان تک۔ اقدار سے کردار تک بے راہ روی، فحاشی، بے حیائی اور بے مہار آزادی کے سبق ذہن نشین کروا رہا ہے۔ غیر اسلامی تہذیب کو اجاگر کیا جا رہا ہے۔ ہندوؤں سے متاثر ہو کر بنائے گئے ڈرامے اور فیچر دکھائے جاتے ہیں۔ اب تو یہ عالم ہے کہ آدھا پاکستان ہندی کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کسی پروگرام کے دوران وقفہ آجائے تو مشاہیر عالم کے اقوال دکھائے جاتے ہیں، جو تمام غیر مسلموں کے ہوتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان اقوال میں نہ رسول ﷺ کی حدیث مبارک ہوتی ہے، نہ خلفائے راشدین کے اقوال، نہ علمائے امت اور نہ ہی کسی مسلمان عادل حکمران کا کوئی قول ہوتا ہے۔ بظاہر تو یہ بڑی عام سی بات ہے کہ کسی بڑے آدمی کی بات سنائی جائے۔ لیکن ان سے بہتر بات اپنے گھر میں ہو تو وہ کیوں نہ سنائی جائے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پاک کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مشاہیر عالم میں سے کسی نے خلفائے راشدین کے ارشادات کے مقابلے کی بات نہیں کی۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں عظیم مسلمان حکمران اور بے مثال مجاہد گزرے ہیں لیکن انہیں کوئی نظر نہیں آتا کہ اس کا روشن قول بتائیں تاکہ روشنی پھیلے اخبارات ورسائل اور ٹی وی چینلز صرف بے راہ روی کو عام کرنے کا کام کررہے ہیں۔ قران حکیم بتا رہا ہے کہ جب قوموں کو بے راہ روی کی طرف بلایا جائے تو بحیثیت قوم عذاب نازل ہوتا ہے۔ کیا آج کے حالات عذاب نہیں ہیں؟ کیا یہ عذاب نہیں کہ کہیں پانی نہیں ملتا اور کہیں سیلاب اُمڈ رہے ہیں۔ پاکستان دنیا میں گندم اگانے والے ملکوں کی فہرست میں پہلا نام تھا۔ آج اس ملک میں کھانے کے لئے آٹا نہیں ملتا۔ ملک کا چیف جسٹس انصاف مانگتا پھرتا ہے۔ دوا کے لئے رقم خرچ کرتے ہیں لیکن دوا اصلی نہیں ہوتی۔ یہ عذاب اس کردار پر نازل ہوئے تھے کہ انہوں نے ایسا ماحول بنا

دیا تھا جس میں نیکی کرنا محال اور برائی کرنا آسان تھا۔ کیا آج یہی روش نہیں ہے؟ اور جب یہی روش ہے تو اس پر عذاب بھی ویسا ہی آئے گا۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا دوسری زیادتی وہ یہ کرتے تھے کہ سود لیتے تھے۔ سود کھاتے تھے۔ ان پر اللہ کا سخت عذاب نازل ہوا۔ سود اتنی بڑی لعنت ہے کہ اللہ کریم نے سخت ترین سزاؤں میں اس کی سزا بہت ہی افسوس ناک رکھی ہے۔ مثلاً قتل کی سزا قتل ہے لیکن یہ ہدایت بھی ساتھ دی ہے کہ اسے ایذا دے کر نہ مارا جائے۔ اسی طرح زنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا بھی اتنی ہی ذلت آمیز ہے یہ کہ زانی کو بر سر عام پتھر مارے جائیں۔ اسے بے رحمی سے مارا جائے اور کوئی شخص اس پر ترس نہ کھائے۔ اس سزا سے بڑی کوئی اور سزا نہیں لیکن جب سود جیسے جرم کی بات آئی تو فرمایا، سود خوران سزاؤں سے بالاتر ہے۔ سود، میرے اور میرے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ فرمایا **فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ**(سورۃ البقرہ 279) اگر یہ سود کھانے سے باز نہ آئے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کے لئے تیار رہیں۔ لہٰذا جو شخص سود کھائے اور یہ خیال بھی کرے کہ وہ مسلمان ہے تو یہ خود فریبی ہے۔

آج یہ عجیب صورت حال ہے کہ الا ماشاء اللہ کہیں گنتی کے چند افراد ہوں گے جن کو اللہ نے سود کی لعنت سے بچا رکھا ہے ورنہ من حیث القوم صرف پاکستان ہی نہیں چھپن اسلامی ممالک کا نظام سود پر استوار ہے اور ہر فرد اس کا دلدادہ ہے، فرمایا، **وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ** یہ ایسے بے دین تھے کہ اللہ کی راہ سے روکتے اور سود کھاتے تھے حالانکہ انہیں اس کام سے روکا گیا تھا۔ انہیں سود سے روکا گیا تھا لیکن یہ سود سے باز نہ آئے اور لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے رہے تو ان کے ان جرائم کی وجہ سے انہیں عذاب الیم کا سامنا کرنا ہوگا۔

سود پہلی اُمتوں پر بھی حرام تھا:۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ سود نہ صرف اُمت مرحومہ پر حرام ہے بلکہ پہلی اُمتوں پر بھی حرام تھا۔ اس لئے کہ اس پر استوار معاشی نظام میں ضرورت مند سے سرمایہ لیا جاتا ہے اور پہلے سے امیر سرمایہ دار کو بڑھا کر لوٹایا جاتا ہے۔ اس طرح امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے باعث سرمایہ کسی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتا بلکہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کے پاس آتا ہے۔ اللہ نے جو نظام معیشت دیا ہے اس کا اصول آگے کچھ دینے پر قائم رکھا ہے بلکہ کائنات کا سارا نظام اسی اصول پر استوار ہے۔ اگر سورج اپنی کرنیں روک لے تو دنیا کے نظام میں خلل واقع ہو جائے۔ اگر ہتھیلی پر خون

کا دوران روک دیا جائے تو انگلیاں گل جائیں۔ دنیا کا نظام دینے پر استوار ہے۔ دینے میں حیات ہے۔ جہاں آگے دینے کے عمل کو روکا جائے گا وہاں خلق خدا پر سختی واقع ہوگی اور جو اللہ کی مخلوق کو تنگ کرے گا اللہ اسے کیسے خوش رہنے دے گا۔ اسلامی نظام حیات فرد کو پابند کرتا ہے کہ وہ اگر صاحب علم ہے تو اللہ کی رضا کے لئے اسے لوگوں تک پہنچائے۔ اگر دولت واقتدار رکھتا ہے تو خلق خدا کی بھلائی کے لئے صرف کرے۔ مخلوق کو انصاف بہم پہنچائے۔ معروف طریقوں سے روزگار حاصل کرے۔ حصول رزق کے معروف ذرائع چار ہیں۔ تجارت، کاشت کاری، ملازمت اور مزدوری اس کے علاوہ کوئی طریقہ معروف نہیں ہے۔ اگر کوئی چوری، رشوت، ڈاکے، سود اور جوئے سے کمائے تو یہ باطل ہوگا۔

فرمایا وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ انہیں اس بات سے بھی روکا گیا تھا کہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھایا کرو لیکن انہوں نے ان باتوں کو نہ مانا تو ان کے نہ ماننے کے سبب وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ ہم نے ان کے لئے بڑے بڑے دردناک عذاب بنائے ہیں۔ عذاب کا نام ہی تکلیف دہ شئے ہے پھر اس پر مزید فرمایا کہ یہ بڑے دکھ دینے والے عذاب ہوں گے۔ اللہ معاف کرے اس دنیا میں رہتے ہوئے ان عذابوں کا تصور کرنا بھی محال ہے۔ موجودہ سائنس کی اس مثال سے قدرے وضاحت ہوتی ہے کہ انسانی وجود میں ڈھائی کھرب سیل ہوتے ہیں جو چھ ماہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس حساب سے اگر کوئی پچاس سال زندہ رہا تو اس نے اسی قدر سیل استعمال کر لئے۔ آخرت میں اگر ثواب ہوگا تب بھی اور عذاب ہوگا تب بھی ہر سیل اپنا حصہ پائے گا، جو سیل جتنا عرصہ وجود کا حصہ رہا اسی قدر متاثر ہوگا۔ جن لوگوں نے عذاب کا راستہ چنا اور ایسے کام کئے ان کے ہر ہر سیل کو عذاب ہوگا۔ جس قسم کے گناہ ہوں گے۔ اسی قسم کے عذاب ہوں گے۔ یوں ہر ہر سیل کو الگ الگ قسم کے عذاب ہوں گے۔ اور جنہوں نے اللہ کے انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اپنایا۔ جن کے اعمال پر اللہ کا انعام ہوا، ان کے بھی ہر سیل کو الگ لطف اور الگ لذت نصیب ہوگی۔

اللہ کریم یوں کھول کھول کر حقائق بیان فرماتے ہیں تو پھر سمجھ نہیں آتی کہ انسان ان لذتوں اور ان انعامات کو چھوڑ کر دردناک عذاب کی طرف کیوں جاتا ہے؟ شاید اس لئے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ اور ہمارا ذاتی کردار دوسروں کو اس راستے پر لگاتا ہے۔ اس طرح جو شخص کسی کو گمراہ کرنے کا سبب بنتا ہے اسے اپنے ساتھ دوسروں کو گمراہی میں دھکیلنے کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی۔ جو خود نیکی پر گامزن رہتا ہے، لوگوں کو راہ ہدایت پر لانے کا سبب بنتا ہے اسے نہ صرف اپنے حصے کی نعمتیں ملیں گی بلکہ دوسروں کو نیکی پر ابھارنے کا اجر بھی ملے

گا۔ ایسے لوگوں کے بارے فرمایا لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ وہ لوگ جو اپنے علم میں پختہ اور کامل ہیں جن کے پاس حق ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ مومنین جو اس کلام الٰہی کو حق سمجھتے ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہوا اور اس کو بھی حق سمجھتے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نازل ہوا۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ اور قائم کرتے ہیں، صلوٰۃ۔ اللہ کی اطاعت میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ پوری دیانتداری اور پورے خلوص ویقین کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اپنے مال میں سے مقررہ مال، شرعی فرض کے طور پر خلوص اور پوری کوشش سے ادا کرتے ہیں۔ مال کو اپنا مال نہیں سمجھتے بلکہ اللہ کی امانت سمجھتے ہیں اور جو اللہ نے اپنی راہ میں دینے کا حکم دیا ہے وہ دیتے ہیں۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وہ یہ فرائض دکھاوے کے لئے ادا نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں اللہ کی عظمت پر یقین ہے اور انہیں روزِ جزا پر یقین ہے کہ اس دن محاسبہ ضرور ہوگا۔ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ایسے لوگوں کو جو اجر ہم دیں گے وہ بہت ہی بڑا اور بہت ہی بے مثال ہوگا۔

خلاصہ آیات:

انسانی زندگی کا نظام حیات اور دائرہ کار جس پر قرآن حکیم کی ان آیات میں بحث فرمائی گئی ہے وہ انسان کو یہ دعوت فکر دیتا ہے کہ حقیقت پسندی سے کام لو۔ اس بات پر ہی نازاں نہ رہو کہ پدرم سلطان بود میرے آباؤ اجداد نیک اور پارسا تھے بلکہ دیکھو کہ خود کیا ہو؟ اپنے اور گھر والوں کے لئے جن وسائل سے رزق حاصل کر رہے ہو وہ جائز ہیں یا نہیں۔ اگر غلط ہیں تو توبہ کرو، پلٹ آؤ، اصلاح احوال کرلو، جائز وسائل سے رزق کمانے میں محنت کرو۔ تدبیریں اختیار کرو، اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، اچھے گھر بناؤ لیکن اپنی آمدنی کے مطابق۔ دوسروں سے چھین کر نہیں۔ ناجائز طریقے سے کما کر معیار زندگی بلند نہ کرو۔ یاد رکھو! رزق حلال انسان کی پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ عقیدے کو، ایمان کو اور اللہ سے تعلق کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کا کردار ہی رحمت الٰہی کا سبب بنتا ہے اور کردار ہی غضب الٰہی کو بھڑکاتا ہے تو ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے اسی کے شامت اعمال کے باعث پورے ملک پر مصیبت آئی ہو۔ ہماری اصلاح نہ ہونے کا سبب ہمارا یہ رویہ ہے کہ جب ہم اس موضوع پر بات کرتے ہیں تو خود کو الگ کر لیتے ہیں اور دوسروں کو گناہگار سمجھتے ہیں۔ اصلاح تب ہوگی جب ہم یہ یقین کرلیں کہ دوسروں کا معاملہ اللہ کے ساتھ اپنا ہے۔ ہم اپنے معاملے کریں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولادیں نیک ہوں تو حقیقت پسندی یہ ہے کہ اپنے مقام کو پہچانیں۔ والدین اپنی

اولاد کے لئے ایک مدرسہ ہوتے ہیں۔ ایک ایسا مدرسہ جس میں نہ کوئی لیکچر ہوتا ہے نہ کلاس لیکن آنے والی نسل سب کچھ وہاں سے خود بخود دیکھ لیتی ہے لہٰذا پہلے اپنی اصلاح کریں۔ اپنے ذرائع آمدن کو دیکھیں۔ اگر خود جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو ہم یقیناً دوسروں کو جھوٹ سکھا رہے ہیں۔ اگر خود سچ پر قائم ہیں تو اسی سوچ بولنے کے باعث ہم دوسروں کو سچ کہنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ خود بزرگوں کا احترام کر رہے ہیں۔ بچوں سے شفقت کر رہے ہیں تو آنے والی نسلیں یہ سب کچھ از خود دیکھ رہی ہیں۔ لیکن والدین غلط کام کر رہے ہیں۔ اور اولاد نیکی کمرے یہ بہت مشکل کام ہے الا ماشاء اللہ کہ اللہ خود کسی کو بچالے ورنہ عمومی قاعدہ یہی ہے کہ جیسا گھر کا ماحول ہو اسی طرح اولاد کا ذہن اور مزاج بن جاتا ہے اور یہ کام بغیر کسی لیکچر کے اور بغیر کسی کتاب کے پڑھائے ہو جاتا ہے۔ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے کہ ہم اپنے آپ کو اپنے گھر، خاندان اور ماحول کو، اپنے کھانے پینے، بات کہنے سننے کے انداز کو، اپنے لین دین اور معاملات کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق رکھیں تا کہ ہماری دنیا و آخرت سدھرے۔ ہم سے نیکی پھیلے۔ ہماری آنے والی نسل کی بھی اصلاح ہو لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اوّل تو ہم دین کو اہمیت نہیں دیتے اور جب دیتے ہیں تو پھر اصلاحِ احوال کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی وظیفہ مل جائے اور ہمارے سارے کام سدھرتے چلے جائیں۔ ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہر مسلمان کو اللہ نے وظیفے بھی بتا دیئے ہیں۔ ہر مسلمان کے لئے تیس پارے قرآن حکیم وظیفہ ہے۔ پانچ وقت کی صلوٰۃ وظیفہ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ نے کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے تو ذکر اللہ ایک وظیفہ ہے اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجتا ہوں، میرے فرشتے بھی بھیجتے ہیں تو اے مسلمانو! تم بھی میرے نبی ﷺ پر درود بھیجو۔ اللہ نے قرآن حکیم نازل ہی اس لئے کیا ہے۔ ارشاد ہے کہ میں نے قرآن کو آسان کر دیا۔ **وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ** (القمر آیت 17) نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ **فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ** تو کوئی ہے جو سیکھنا چاہتا ہے؟ کسی میں نصیحت حاصل کرنے کی طلب ہے تو اسے چاہئے کہ وہ قرآن پڑھے۔

جب کسی کو کلمہ نصیب ہو اس کے پاس اللہ کے احکام موجود ہوں وہ ان پر عمل بھی کرے تو اس کو کسی پیر یا مولوی سے وظیفہ پوچھنے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ اور اگر وہ احکام الٰہی پر عمل نہ کرے تو ایسا پیر یا مولوی کون ہے جو وظیفہ بتا دے گا تو اس کا بھلا ہو جائیگا؟

خلاصہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر لمحے موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ مسلمان تو وہ ہے کہ جسے موت آئے تو اسے کوئی افسوس نہ ہو کہ فلاں کام رہ گیا بلکہ وہ ہر لمحے اللہ کے حضور حاضر ہونے کے لئے تیار رہے۔ ہر

وقت کی صلوٰۃ ادا کر چکا ہو، منہ سے ہر وقت کلمہ خیر نکلے، رزق حلال ہو پھر اللہ کا بلاوا آ جائے والحمد اللہ خوشی خوشی چلا جائے۔ کسی ولی اللہ کا قول ہے کہ موت تو ایسا پل ہے جو محبوب کو محبوب سے ملا دیتا ہے۔ اللہ کے ایک پیارے بندے کا شعر ہے۔

ہٹ جاؤ طبیبو نہ کرو میری دوا تم   شاید کہ وہ قبر میں ہی گلے آن لگالیں

موت کی تیاری کرنے والے اس دن کے منتظر ہوتے ہیں جب منکر نکیر پوچھتے ہیں کہ **مَنْ رَّبُّكَ** کہ تم نے دنیا میں کس کو رب مانا تھا۔ **مَا دِيْنُكَ** تمہارا دین کیا تھا؟ اور پھر روضہ اطہر رسول ﷺ تک زمین صاف ہو جاتی ہے اور پوچھا جاتا ہے **مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ** (معارف الحدیث) تم اس شخص کے بارے کیا کہتے ہو؟ تو تقاضائے ایمان یہ ہے کہ موت سے ڈرنے کے بجائے موت کا انتظار کیا جائے کہ دنیا کی آلائشیں ختم ہوں۔ اور آقائے نامدار ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔ بندہ منکر نکیر کے سوالوں کے آخر میں آپ ﷺ کی زیارت کرے۔

اور اگر کردار کافرانہ ہو تو بندہ ہر سوال کے جواب میں کہتا ہے۔ **هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِیْ** ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا۔ ان سوالوں کے درست جوابات دینے کے لئے بندہ مومن زندگی بھر اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قائم رہنے کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اللہ کی توفیق اس کی رفیق رہتی ہے۔

سورہ النساء رکوع 23 آیات 163 تا 171

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۢ بَعْدِهٖ ۚ
وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ
زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ
نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنْزَلَ إِلَيْكَ
أَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ إِنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ وَ
كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ
الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا
فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾
يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا
الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ
أَلْقٰىهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا

تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ
يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے جیسے نوحؑ کے پاس بھیجی تھی، اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی تھی۔ ﴿۱۶۳﴾ اور ایسے پیغمبروں کو صاحبِ وحی بنایا جن کا حال ہم اس کے قبل آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے پیغمبروں کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔ ﴿۱۶۴﴾ اُن سب کو خوشخبری دینے والے اور خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لیے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ ﴿۱۶۵﴾ لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی اپنے علمی کمال کے ساتھ شہادت دے رہے ہیں اور فرشتے تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت کافی ہے۔ ﴿۱۶۶﴾ جو لوگ منکر ہیں اور خدائی دین سے مانع ہوتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں ﴿۱۶۷﴾ بلاشبہ جو لوگ منکر ہیں اور (دوسروں کا بھی) نقصان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشیں گے اور نہ ان کو سوائے جہنم کی راہ کے کوئی اور راہ دکھلائیں گے ﴿۱۶۸﴾ اس طرح پر کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ (سزا) معمولی بات ہے۔ ﴿۱۶۹﴾ اے تمام لوگو! تمہارے پاس یہ رسول سچی بات لیکر تمہارے پروردگار کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو تم یقین رکھو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم منکر رہے تو اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے یہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ

پوری اطلاع رکھتے ہیں، کامل حکمت والے ہیں۔ ﴿۱۷۰﴾ اے اہلِ کتاب تم اپنے دین میں حد سے مت نکلو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا ایک کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم تک پہنچایا تھا اور اس کی طرف سے ایک جان ہیں۔ سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین ہیں۔ باز آ جاؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا، معبودِ حقیقی تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحبِ اولاد ہونے سے، منزّہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی مِلک ہیں اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں۔ ﴿۱۷۱﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾

مشرکین عرب جب اسلام قبول کرنے میں معترض ہوئے تو انہوں نے مختلف اعتراضات کئے۔ کبھی کہنے لگے وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ ٱلْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف آیت 31) کہ کوئی مشہور و معروف اور بڑا آدمی ہوتا جس پر وحی نازل ہوتی یا کوئی فرشتہ ساتھ نازل ہوتا اس طرح کتاب الٰہی کے نزول میں شک کرتے۔

مشرکین کے اعتراضات کا جواب اللہ کریم نے خود ارشاد فرمایا:

یہ اعتراضات محض برائے اعتراض تھے۔ ان میں کوئی عقلی و نقلی دلیل نہیں تھی۔ اس بات کو اللہ کریم نے یوں ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، سلسلۂ وحی نہ پہلے نیا تھا نہ نبی کریم ﷺ پر نزول وحی کوئی نئی بات ہے۔ اللہ نے ازل سے نبیوں کی نبوت کو جاری کر دیا تھا۔ جس کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی بعثت پر ہوئی۔ اللہ کے نبیوں کے تذکرے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے حضرت نوحؑ کا قصہ بھی بہت معروف تھا۔ یہ

لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے قصے معروف تھے۔ یہ معروف واقعات تھے جو عامۃ الناس میں پھیلے ہوئے تھے اور ان علاقوں کے لوگ انہیں جانتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے اس بارے غلط صحیح ملا جلا کر کہانیاں گھڑ رکھی تھیں لیکن ان مبارک ناموں سے وہ آشنا تھے۔ ان مبارک ہستیوں کے نبیؑ ہونے اور انؑ پر وحی آنے کا تصور بھی موجود تھا تو فرمایا: اگر ان تمام انبیاءؑ پر وحی نازل ہوسکتی ہے تو آپ ﷺ پر کیوں نہیں ہوسکتی؟ اسی طرح ہم نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی ہے جیسے ہم نے نوحؑ پر یا ان کے بعد آنے والے انبیاءؑ پر نازل فرمائی۔ ابراہیمؑ پر اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ پر ان کی اولاد میں عیسیٰؑ پر ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ وسلیمانؑ پر نازل فرمائی۔ اسی طرح حضرت داؤدؑ کو ہم نے زبور عطا کی جو آسمانی کتاب تھی۔ **وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ** یہ تو وہ رسولؑ ہیں جن کا تذکرہ آپ ﷺ سے فرمادیا ورنہ ایسے بھی بے شمار ہیں جن کا ذکر خیر قرآن میں نازل نہیں فرمایا گیا کہ یہی اللہ کریم کی منشاء ہے۔ **وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾** اور موسیٰؑ کو یہ سعادت بخشی کہ اللہ کریم ان سے ذاتی طور پر کلام فرماتے تھے۔ درمیان میں کوئی وحی بھی نہیں ہوتی تھی۔ تو یہ اللہ کریم کی اپنی پسند ہے جسے جو عزت چاہے وہ بخش دے۔ بات یہ نہیں کہ فلاں ہستی پر وحی کیوں نازل فرمائی؟ بات صداقت وحی کی یہ ہے کہ وحی کا جو مدعی ہے اس کے ارشادات سے انسانیت کی بہتری کیا ہوئی؟ اس لئے کہ وحی تو بندوں کو اللہ کریم سے آشنا کرنے کے لئے نازل ہوتی ہے۔ وحی، اللہ جل شانہٗ کی اطاعت اور عدم اطاعت کا معیار ہوتی ہے۔ وحی حلال وحرام، جائز وناجائز اور پوری زندگی کا نصاب معین فرماتی ہے۔ تو فرمایا **رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾** رسولوں کا کام یہ تھا کہ نیک لوگوں کو نیک انجام کی بشارت دیتے تھے۔ جو لوگ اللہ کے حکم کو قبول کرتے، اللہ کی اطاعت کرتے، اپنی زندگی کو وحی الٰہی کے مطابق ڈھال لیتے تو انبیاءؑ انہیں ان کے نیک انجام کی خوشخبری سناتے تھے۔ **وَمُنْذِرِيْنَ** اور جو لوگ وحی الٰہی کے خلاف زندگی بسر کرتے تھے انہیں بہت دور، میدان حشر میں جو حالات پیش آنے ہیں، بعد از مرگ، برزخ میں اور آئندہ کی زندگی میں جو مصیبتیں ان پر آنے والی ہیں ان کی بروقت اطلاع دیتے۔ وحی کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ کل میدان حشر میں کسی شخص کے پاس یہ دلیل نہ ہو کہ اس کے پاس تو اللہ نے کسی کو بھیجا ہی نہیں۔ اسے تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ اللہ کس بات پر راضی ہے اور کس بات پر ناراض۔ یہ اعتراض تعلیماتِ انبیاءؑ سے رفع ہوگیا۔ ایسا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے

کہ کوئی زمانہ وحی الٰہی کے بغیر نہیں گزرا۔ آدمؑ جب زمین پر تشریف لائے تو وہ خود نبیؑ تھے ان کے بعد سلسلہ وحی منقطع نہیں ہوا۔ ادوار بدلے حالات بدلے لوگ مغلوب ہو گئے، جاننے والے تھوڑے لوگ رہ گئے لیکن حقیقی دین بھی موجود رہا اور وحی الٰہی کو جاننے والے بھی باقی رہے۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دنیا میں وحی الٰہی سے کوئی بھی آشنا نہ ہو:

حضرت سلمان فارسیؓ کا قصہ اس بات کی بڑی واضح مثال ہے۔ آپؓ فارس میں پیدا ہوئے۔ آتش پرستی میں آنکھ کھولی۔ ہوش سنبھالا تو آتش پرستی سے گھبرا کر حق کی تلاش میں مختلف جگہوں پر گئے۔ انہیں اپنے آبائی مذہب میں یہ بات پسند نہیں تھی کہ آگ تو وہ خود جلاتے ہیں۔ اس پر مٹی ڈال دیں، پانی ڈال دیں تو وہ بجھ جاتی ہے۔ تو جسے خود جلایا جائے، خود بجھایا جائے وہ تو انسان کے تابع ہے تو پھر اس کی عبادت کیسے؟ پھر وہ نہ تو کوئی بات کرتی ہے، نہ کوئی جواب دیتی ہے۔ اس کا کام تو جلانا ہے تو وہ کس طرح معبود بن گئی! یہ بات تو عقل سلیم بھی قبول نہیں کرتی۔ پھر وہ علماء کو ملے علماء یہود سے ان کا بڑا ربط رہا ان سے حق کی جستجو کی لیکن وہ تو خود حق گم کر چکے تھے۔ ان کے پاس حق نہیں حکایات تھیں۔ پھر نصرانی علماء کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بھی جواب دیا تو وہ بھی حق نہیں حکایات ہی تھیں۔ غرض بڑے طویل سفر اور مشکلات بھرے سفر کرنے کے بعد بحیرہ راہب کے پاس پہنچے۔ وہ سال میں ایک دن لوگوں سے ملاقات کرتا باقی سارا سال اکیلا اپنے حجرے میں رہتا۔ اس کا عبادت خانہ سرراہ تھا۔ خود وہ بالا خانے میں رہتا اس کے متعلقین و متوسلین وہاں آنے والے لوگوں کو تلقین کرتے۔ عیسائی عبادت کے لئے جمع ہوتے وہ لوگ انہیں عبادت کراتے رہتے لیکن وہ خود سال میں صرف ایک بار لوگوں کے سامنے آتا تھا۔ یہ وہی بحیرہ راہب تھا جس نے حضور اکرم ﷺ کو قبل بعثت دیکھا تھا۔ جب آپ ﷺ بغرض تجارت شام تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر اس نے پیشن گوئی کی تھی کہ یہ شخص اللہ کا نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اسے یہودیوں اور مشرکین سے بچائیے۔ حضرت سلمان فارسیؓ حق کی تلاش میں بحیرہ کے پاس پہنچے تو وہ کافی ضعیف العمر ہو چکا تھا۔ اس نے حضرت سلمان فارسیؓ سے کہا کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہونے والے ہیں۔ ان کی بعثت وادی بطحا میں ہوگی تو تم وادی بطحا کو چلے جاؤ۔ اگر وہ نبیؑ مبعوث ہوا اور تم انہیں سچا پاؤ تو مجھے بھی اطلاع کر دینا میں بھی انؑ پر ایمان لاؤں گا۔ یہ بتا کر انہیں رخصت کر دیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ وہاں سے نکلے تو مسائل میں پھنس گئے اکیلے تھے اور دور ہی ایسا تھا کہ اکیلے شخص کو لوگ پکڑ کر غلام بنا لیتے تھے۔ ان کے اس سفر میں اس طرح کی بے شمار مصیبتیں پیش آئیں۔ ایک جگہ وہ چلتے

چلتے ایک ویرانے میں پہنچے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو تنہا رہتا تھا اس نے چند بکریاں پالی ہوئی تھیں ان کے دودھ اور جنگلی پھلوں پر اس کا گزارہ تھا کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ عقیدت مند آتے سلام کرتے چلے جاتے، وہ نہ کسی سے بات کرتا نہ کوئی چیز قبول کرتا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے وہیں ڈیرہ ڈال دیا اس کی خدمت کرتے اس کی بکریوں کی دیکھ بھال کرتے اور روزانہ اس سے پوچھتے کہ اس نے خاموشی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے سکوت توڑا اور کہنے لگا میں وہ آخری فرد ہوں جس کے پاس حقیقی دین عیسوی موجود ہے۔ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے دین سے اتنے دور جا چکے ہیں اس میں اتنی آمیزش ہو چکی ہے کہ اگر اب میں ان باتوں پر اپنی زبان کھولوں تو لوگ مجھے کافر و مرتد کہہ کر قتل کر دیں گے۔ حالانکہ وہ خود گمراہ ہیں۔ لہٰذا میں کسی سے بات نہیں کرتا۔ لوگ حقیقی دین کے طالب نہیں۔ لہٰذا میں چپ رہتا ہوں خود اس دین کے مطابق اللہ کو یاد کرتا رہتا ہوں البتہ تمہاری منزل قریب نظر آتی ہے اس لئے کہ میرے اندازے کے مطابق حقیقی دین کو جاننے والا میں ہی ایک شخص ہوں اور میرا وقت پورا ہونے کو ہے اللہ کا یہ نظام ہے کہ کوئی زمانہ وحی الٰہی سے خالی نہیں رہتا۔ جس وقت میری روح قفسِ عنصری سے نکلے گی اس وقت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو جائے گی۔ زمانہ وحی سے خالی نہیں رہے گا۔ آخری نبیؐ مبعوث ہو جائے گا تو جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے غسل دینا اکیلے ہی میرا جنازہ پڑھنا اور مجھے یہیں دفن کر دینا۔ میری یہ چند چیزیں میرا اثاثہ ہیں انہیں تم لے لینا اور وادی بطحا پہنچنے کی کوشش کرنا۔ میری موت کے بعد ہی اعلان نبوت ہو جائے گا۔ وحی الٰہی زمانے کی روح ہے۔ روح نکل جائے تو وجود قائم نہیں رہتا۔ منتشر ہو جاتا ہے۔ وہ شخص فوت ہو گیا حضرتؓ نے اس کی وصیت پر عمل کیا اور اپنا سفر سوئے بطحا شروع کیا۔ راستے میں قبائلی لوگوں نے لوٹ مار کی مال اور بکریاں چھین لیں انہیں غلام بنا لیا اور پھر بیچ دیا۔ اس طرح بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرتے بہت عرصے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تب بھی یہ یہودی کے غلام ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہودی سے کتابت کا مشورہ دیا۔ اس نے بڑی کڑی شرائط پر کتابت منظور کی اول یہ کہ اس کے باغ میں تین سو کھجور کے درخت لگائے جائیں اور جب تک وہ درخت پھل دینے کے قابل نہ ہو جائیں اس وقت تک سلمانؓ ان کی نگہداشت کریں۔ دوم چالیس اوقیہ چاندی کی ادائیگی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے تین سو پودے منگوائے اور سارے اپنے دستِ مبارک سے لگائے اور تمام پودوں نے اسی سال پھل دے دیا۔ چاندی کی ادائیگی کا انتظام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا اور حضرت سلمان فارسیؓ کو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کی غلامی سے آزاد کرا لیا۔

یہ قصہ بیان کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ کوئی عہد بھی وحی الٰہی سے وحی الٰہی کے جاننے اور سمجھنے والوں سے ان پر عمل کرنے والوں سے خالی نہیں رہا۔ یہ سنت اللہ ہے کہ قیامت کے روز کوئی یہ نہ کہے کہ زمین پر تیرا نام بتانے والا کوئی نہ تھا، کوئی ہوتا تو میں اس سے سیکھتا، کوئی تیرے احکام بتاتا تو میں اس سے سیکھتا۔

فکری، عملی گراوٹ کا سبب:

آج جس عہد میں ہم جی رہے ہیں اس کی فکری، عملی اور اخلاقی سطح اتنی دگرگوں ہے۔ ہم وحی الٰہی کو اس کے حقیقی مقام پر رکھنے سے عاری ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ہم کلمہ گو ہیں۔ الحمدللہ ہم مسلمان ہیں اور اس میں ہماری کوئی محنت بھی نہیں لگی۔ اسلام ہمیں عطیۂ خداوندی کی طرح مفت میں مل گیا یہ اللہ کا احسان ہے۔ ہم مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے تو ہم مسلمان ہیں۔ لیکن غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے ملکوں کے ناموں کے ساتھ نسل بندی کر رکھی ہے۔ یہ افغانی ہے، یہ ترکستانی ہے، یہ امریکن ہے، یہ ہندوستانی، یہ پاکستانی پھر ملکوں میں صوبوں کی تقسیم سے وابستہ ہو گئے۔ حالانکہ درحقیقت انسانوں کے خاندان ان کے اچھے لوگوں کے ناموں سے چلتے تھے اور انسان نسب سے پہچانے جاتے تھے۔ نسل اور قبائل سے پہچانے جاتے تھے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ (الحجرات 13) ہم نے تمہیں شعوب اور قبیلوں میں بنایا تاکہ تمہارا تعارف رہے۔ اصل انسانی تعارف یہ تھا کہ جو قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا لیکن خدا بھلا نہ کرے ان اہل مغرب کا یہ بدکاری میں اتنے غرق ہو گئے کہ ان کی نسلیں نابود ہو گئیں۔ ان کے پاس نسب نہ رہا۔ جب نسب نہ رہا تو پھر تعارف یہ ہو گیا کہ یہ فلاں ملک کا رہنے والا ہے اور یہ فلاں علاقے کا۔ انہوں نے پوری انسانیت کو یوں تقسیم کر دیا۔ یہی رواج ہمارے ہاں محض ان کی تقلید میں در آیا اور ہم علاقوں میں گاؤں میں تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے ورنہ انسان کی اصل پہچان اس کے نسب سے ہے۔ ہم نسلی حوالے سے مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے اور مسلمان ہو گئے لیکن ذاتی طور پر ہم نے اس کی حفاظت نہیں کی۔ ہم بھی اپنی پہچان علاقائی تقسیم میں لے آئے اور دینی حمیت اور اسلام پر عمل ہماری پہچان نہ رہی۔ ہم علاقائی رسوم اور رواجات کے اسیر ہو گئے اور ہوتے ہوتے اس سطح پر آ چکے ہیں کہ آج اگر ہم اپنی زندگی پر نظر ڈالیں تو اسلام ہمارے اسلوب حیات میں برائے نام ہے۔ معاشی، سیاسی اور معاشرتی امور ہیں۔ صبح و شام کے ہر کام میں رسومات آگے آ گئی ہیں اور وحی الٰہی کی عظمت نہیں رہی۔ حالانکہ وحی الٰہی ایسا حتمی قانون ہے جس نے بعثت عالی ﷺ سے لے کر قیامت تک کے لئے انسانیت کو روشنی مہیا کر دی ہے۔ رہنمائی اور ہدایت مہیا کر دی ہے جس کا ہر قانون غیر متبدل ہے اور ہر زمانے کے لئے یکساں قابلِ عمل ہے جبکہ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون اور ضابطے

وقت کے ساتھ غلط ثابت ہوتے ہیں اور ان میں بار بار ترامیم کرنا پڑتی ہیں۔

اسلام کے قوانین غیر متبدل ہیں:

حضور اکرم ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف 158) اے اولاد آدم! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسولؐ ہوں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ عرب کے صحرا میں ایک قانون ارشاد فرماتے ہیں لیکن وہ اتنا جامع قانون ہے کہ روئے زمین کے تمام علاقوں کے لئے باوجود ان کے ماحول، موسم، عادات وزبان کے مختلف ہونے کے وہ روئے زمین کے ہر انسان کے لئے ہر موسم اور ہر ماحول میں قابلِ عمل ہے۔ صرف قابلِ عمل ہی نہیں بلکہ زندگی کے امور کا بہترین نصاب ہے۔ زمانہ لاکھ کروٹیں بدلے، انسانی نسلیں آئیں اور گزر جائیں، موسم بدلیں، رسومات بدلیں لیکن اسلام کے نصابِ حیات میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

ہم جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، دنیا بھر میں مسلمانوں کی تقریباً چھپن ریاستیں ہیں جن میں پاکستان ایک بہت بڑی قوت ہے جس میں اسلامی ریاست وحکومت ہے۔ لیکن آج کے حکمران کہتے ہیں یہ چودہ سو سال پرانی باتیں ہیں اور زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے۔ آج کے رواجات وحالات اور ہیں۔ ان حالات میں چودہ سو سال پرانی باتوں پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ یاد رہنا چاہیے کہ جو یہ کہتا ہے وہ دراصل وحی الٰہی کو غلط کہتا ہے اور نبوت کا انکار کرتا ہے۔ اس طرح کہنے سے قرآن حکیم کی اس آیت کا انکار ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس خطبۂ عالی کا انکار ہوتا ہے جو آج بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا کسی حکم الٰہی پر عمل نہ کرنا گناہ ہے۔ فسق ہے۔ اور قرآن وسنت کے کسی ضابطے کا انکار کفر ہے۔ احکام دین کا انکار کر دینا کہ یہ دور از کار رفتہ ہیں قابل عمل نہیں، یہ صریح کفر ہے۔ ہاں! یہ کہنا کہ دین کا حکم بجا ہے میں کوتاہی کر رہا ہوں میں عمل نہیں کر پا رہا۔ غلط کار ہوں تو یہ گناہ ہے یعنی حق کو سچ ماننے سے ایمان بچ جاتا ہے۔

ذرا سوچئے! اگر ہم وحی الٰہی کو ایمان کا درجہ دیتے تو کیا ہماری معیشت سودی ہوتی؟ ہم سود کھاتے؟ سارے ملک کو سود میں مبتلا کرتے؟ اللہ نے تو احسان کیا ہمیں وطنِ عزیز پاکستان عطا کیا اور اکسٹھ برس سے ہم انگریز کے نظام ریاست کو جو ہمیں وراثت میں اس نے دیا تھا اسے چلاتے جا رہے ہیں۔ ہم نے حضور اکرم ﷺ کا دیا ہوا نظام قبول نہیں کیا اور کافر کی پیروی میں دوڑے جا رہے ہیں۔ اس پر طُرّہ یہ ہے کہ اللہ سے ان رحمتوں کے امیدوار ہیں جو کبھی صحابہ کرامؓ پر نازل ہوا کرتی تھیں۔ صحابہ کرامؓ نے تو دنیا ومافیھا کو ترک کر کے دامانِ رسول ﷺ کو تھام لیا اور پھر کوئی چیز انہیں اس سے الگ نہ کر سکی۔ بڑے انقلابات آئے تیرہ سالہ مکی

زندگی میں کون سا دکھ تھا جو صحابہؓ نے برداشت نہ کیا اور دس سالہ مدنی حیات طیبہ میں کون سی طاقت تھی جس نے ان پر چڑھائی نہیں کی۔ انہیں جنگیں کرنا پڑیں، مدافعت کرنا پڑی، بھوک، افلاس، پریشانی سب کچھ آیا لیکن دامن رسالت مآب ﷺ سے وابستہ ہوئے تو پھر وابستہ ہی رہے۔ ہم تو ایمان کر ترستے ہیں وہ تو فنافی الرسول تھے وہ پیار و محبت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔

صحابہؓ فنافی الرسول ﷺ تھے:

حضور اکرم ﷺ نے ایک دفعہ پچھنے لگوائے۔ اس سے خون مبارک نکلا وہ کسی برتن میں ڈال کر ایک صحابیؓ کو دیا کہ کہیں دور جا کر دفن کر دیں۔ وہ گئے اور خالی برتن واپس لے کر آ گئے آپ ﷺ نے پوچھا کہاں دفن کیا؟ انہوںؓ نے عرض کی میری جرأت نہیں تھی کہ پاک خون مبارک کو میں گراتا۔ میں نے اسے پی لیا۔ آپ ﷺ نے بجائے ناراض ہونے کے فرمایا۔ میرا خون تمہارے وجود کا حصہ بن گیا اب تمہارے وجود پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ ایک مرتبہ ناسازیٔ طبیعت کے باعث آپ ﷺ نے ایک برتن میں پیشاب کیا اور صحابیؓ سے فرمایا کہ اسے باہر پھینک آؤ۔ انہوںؓ نے بھی وہی کیا جو پہلے صحابیؓ نے کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کبھی پیٹ کا مرض نہیں ہوگا۔ کیا یہ معاملات کسی کو آج سمجھ آ سکتے ہیں؟ کسی کو کسی سے ایسا پیار بھی ہوسکتا ہے؟ یہ محبت کا کون سا درجہ ہے؟ ایک بزرگ صحابیؓ تھے۔ رات کو عشاء کے بعد گھر سے ایک بچہ آ کر لے جاتا اور سحری کو کوئی انہیں ہاتھ پکڑ کر مسجد میں چھوڑ آتا۔ فجر کے بعد وہ اکیلے بغیر کسی کی مدد کے واپس گھر چلے جاتے۔ سارا دن کام کاج کرتے لیکن عشاء کے بعد انہیں لینے کوئی نہ کوئی گھر سے آ جاتا تو کسی نے ان سے پوچھ لیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ بڑا اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے آنکھوں کا کوئی مرض لاحق نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ میں دیکھتا رہتا ہوں کہ جب حضور اکرم ﷺ عشاء کی نماز پڑھا کر حجرہ عالیہ میں تشریف لے جاتے ہیں تب تک میں دیکھتا رہتا ہوں۔ جب میں آپ ﷺ کو دیکھ لیتا ہوں تو آنکھیں بند کر لیتا ہوں آپ ﷺ کو دیکھنے کے بعد آنکھ نہیں کھولتا صبح مسجد کوئی چھوڑ جاتا ہے تب میں منتظر رہتا ہوں کہ کب حضور اکرم ﷺ قدم رنجہ فرمائیں جب آپ ﷺ سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو میں آنکھ کھولتا ہوں کہ صبح آنکھ کھلے تو حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہو اور دن کی آخری نظر بھی حضور اکرم ﷺ کی ذات پر پڑے۔ کیا آج یہ بات کسی کی عقل میں آ سکتی ہے؟ کیا اسے عقل سے سمجھا جا سکتا ہے؟ جن کو عشق نہیں جنون تھا صرف وہی خوش نصیب تھے جنہیں اللہ جل شانہ، نے حضور اکرم ﷺ کی رفاقت کے لئے پیدا کیا تھا۔ یہ بنے بنائے لوگ تھے، میرے اور آپ جیسے نہیں تھے۔ ہماری چھوٹی چھوٹی مصلحتیں، حقیر سے لالچ اور طمع ہمیں آپ ﷺ سے کتنی دور لے گئے۔

ہم اپنے افکار و کردار میں اتنے گر گئے ہیں اور گرتے گرتے یہاں پہنچ گئے ہیں جہاں ہم یہ کہتے اور سنتے ہیں کہ قرآن میں تو یہ حکم ہے، حضور اکرم ﷺ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لیکن یہ اس زمانے میں قابلِ عمل نہیں ہے۔ یہ کیسی منطق ہے اور کیسی دانشوری ہے؟ یہ کیسے دانشور ہوگئے ہیں جو وحی الٰہی کو غیر دانشمندی قرار دے رہے ہیں حالانکہ وحی الٰہی وہ نعمت ہے جس سے اللہ نے زمانے کو کبھی محروم نہیں رکھا۔

وحی الٰہی وہ نعمت ہے جو میدانِ حشر میں دلیل اور حجت ہوگی:

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ انبیاء کی گواہی کے بعد وحی الٰہی ہی وہ سب سے بڑی دلیل ہوگی اور وہاں کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ یا اللہ تو نے تو میرے لئے کوئی اہتمام ہی نہیں کیا تھا۔ مجھے بتایا تو ہوتا کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ اللہ غالب ہے جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہے کرسکتا ہے۔ لیکن وہ حکیم ہے، دانا تر ہے، اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس نے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے ان پر اپنا کلام نازل فرمایا اور مخلوق کے لئے کامیابی کا واحد راستہ وحی الٰہی کا اتباع بتایا۔ لیکن ہم بحیثیت قوم اس اتباع سے دور جاچکے ہیں علامہ مرحوم نے اپنے اشعار میں اسی بے حسی کا رونا رویا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

کہ ہمارا اثاثہ لٹ گیا ہماری اصل چیز لٹ گئی ہمارے پاس کچھ نہیں بچا۔ ہماری قوم کے دل میں جو احساس زیاں تھا، حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں نہ رہنے کا جو دکھ ہونا چاہیے تھا، دین سے دور ہوجانے کا جو دکھ ہونا چاہیے تھا، وحی الٰہی سے محروم ہوجانے کے باعث وہ احساس جاتا رہا ہم تو تباہ ہوگئے ہمارے پاس تو کچھ بچا ہی نہیں۔ مال ہے تو کیا ہوا؟ دولت وحکومت ہے تو کیا ہوا؟ اگر وہ درد نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی غلامی کو اپنا شعار بنائیں اور جہاں دامانِ رسالت ﷺ چھوٹے وہاں ہمیں دکھ ہو تو پھر ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا لیکن یہ بات دانشوروں کو یہاں سمجھ نہیں آرہی لیکن پسِ مرگ ہر ایک کو سمجھ آئے گی۔ جب وہ قبر میں اُترے گا، برزخ سے گزرے گا، میدانِ حشر میں پہنچے گا، پھر ہر ایک کو یہ احساس ہوگا کہ اس دارِ دنیا میں، اس پورے جہاں میں سب سے بڑی دولت محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی ہے۔ جس کا مقابلہ دوسری کوئی دولت نہیں کرسکتی۔ حکومت وسلطنت بھی اسی کی ہے۔ بادشاہ وشہنشاہ بھی وہی ہے۔ سیٹھ اور دولت مند بھی وہی ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نصیب ہے اور جسے یہ دولت نصیب نہیں ہوتی وہ بادشاہ ہو تو بھی اس کے لئے حسرت ہی حسرت ہے کہ بادشاہت وحکومت، وزارت وسلطنت، عہدے اور دولت کے بغیر ہی قبر میں جائے

گا۔ حسرت زدہ، درماندہ اور عذاب الٰہی کا شکار ہوگا۔ کارگاہ عالم کو اللہ نے جتنا سجایا ہے یہ اسی کے لئے نعمت ہے۔ جس نے اس سارے کارگاہ عالم میں حاصل کرنے کی نعمت کو حاصل کیا۔ اور حاصل کرنے کی نعمت ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی۔ اور یاد رکھنے کی چیز یہ ہے کہ اطاعت بجز محبت ممکن نہیں اس لئے کہ کسی کو پیسے دے کر کام کروایا جاسکتا ہے وہ معاوضے میں کام کردے گا لیکن وہ اطاعت نہیں ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ معاوضے پر راضی نہ ہو دل میں شاید اسے یہ بھی دکھ ہو رہا ہو کہ ہم دونوں انسان ہیں لیکن یہ معاوضہ دے کر مالک بنا ہوا ہے۔

اللہ کی اطاعت محبت کا تقاضا کرتی ہے:

اللہ کی اطاعت تو وہ کام ہے جس کے کرنے میں بندے کو لطف آئے کہ میرے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں اس کی تعمیل کروں خواہ اس میں میری جان چلی جائے۔ اللہ کی اطاعت محبت کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی لئے فرمایا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ آیت 165) جن کا ایمان کامل ہوتا ہے وہ اللہ سے سب زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جو کام محبت سے کیا جائے وہی اطاعت کہلا سکتا ہے۔ جنہیں اللہ کے حبیب ﷺ سے محبت ہوتی ہے، عشق ہوتا ہے، انہی کو اطاعت بھی نصیب ہوتی ہے۔ نافرمانی کرنے کو ان کا جی نہیں چاہتا۔ فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا غلام ہو جاتا ہے اور ویسا ہی کرتا ہے جیسا کرنے کو اس کا محبوب کہتا ہے۔

یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے زمانے میں ہمیشہ وحی الٰہی کو قائم رکھا۔ جس نے حضرت سلمان فارسیؓ کو نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر دی تھی نبوت کی نشانیاں بتائی تھیں، آخر وہ ایک شخص بھی اس زمانے میں باقی تھا جس کے پاس وحی کی تعلیمات تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ اس کا دم جب رخصت ہوگا تو نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو جائیں گے۔ زمانہ وحی سے خالی نہیں رہتا۔ لہٰذا یہ بھول جائیں کہ ہم چھوڑ دیں گے تو یہ تعلیمات مٹ جائیں گی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ تعلیمات کو چھوڑنے والے اگر بہت ہیں تو اس پر عمل کرنے والے جانثار بھی۔ جب تک سورج طلوع وغروب ہو رہا ہے تب تک رہیں گے۔ جب تک سورج طلوع وغروب ہو رہا ہے تب تک وحی الٰہی قائم رہے گی۔ قیامت تب ہی آئے گی جب اس وحی پر یقین رکھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا کوئی نہیں رہے گا کسی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حتیٰ لایقال الله الله۔ جب اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں ہوگا تب قیامت آجائے گی۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی بڑی بڑی کوٹھیوں اور بنگلوں پر فخر کرنے والو! تم ان لوگوں کی وجہ سے دنیا میں آباد ہو جو آدھی رات کو اٹھ اٹھ کر اللہ اللہ کرتے ہیں اگر ایسے لوگ نہیں ہوں گے تو نہ یہ زمین آباد رہے گی نہ آسمان قائم رہیں گے۔ ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ تمہاری یہ میٹھی نیند اور لذیز کھانے، عالی شان محل اور اونچے عہدے، انہی اللہ کو یاد کرنے والوں کے باعث قائم ہیں، تو تعلیماتِ نبوت سے دوری، ارشاداتِ پیغمبر ﷺ سے دوری، وحی الٰہی سے دوری خود کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ کریم مسلمانانِ عالم کو توفیق دے کہ سب اس کی عظمت سے آشنا ہوں اس کی اہمیت پہچانیں اور اسے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھیں اس پر عمل کریں تو دنیا مسلمانوں کی ٹھوکروں میں ہوگی۔

وحیِ الٰہی پر دلائل:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾

اللہ کریم نے اس آیت مبارکہ میں کتاب اللہ کے بارے میں اس وحی کے بارے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی دو دلیلیں ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے **لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ** کہ اس کتاب الٰہی کی حقانیت پر اللہ کریم خود گواہ ہے۔ کسی دوسرے کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ جس پر اللہ کریم اپنی گواہی ثبت فرما دیں اس پر کسی دوسرے کی گواہی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ دوسری دلیل وہ دی گئی ہے جو ہر انسان کے علم میں سما سکتی ہے یعنی ایسا شخص جسے نورِ ایمان نصیب نہیں ہوا، اگر اس کی عقل سلیم ہو اور وہ غیر جانبدار ہو کر دیکھنا چاہے تو یہ دلیل اسے بھی سمجھ آ سکتی ہے کہ **بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ** جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا وہ اللہ کریم نے اپنے کمالِ علم سے نازل فرمایا۔ ایسا نظام جو تمام زمانوں، تمام علاقوں، تمام انسانوں کے لئے یکساں قابلِ عمل ہو، جس میں کبھی کسی ترمیم کی، کسی اضافے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہ کام صرف اور صرف وہی ذات کر سکتی ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا، مخلوق کو ضروریات عطا کیں، ان ضروریات کی تکمیل کے اسباب و وسائل دیئے۔ صرف وہی ذات ان خواہشات کی تکمیل کے لئے مناسب طریق کار وضع فرما سکتا ہے۔

دنیا میں جہاں جہاں انسانی آبادیاں پھیلیں وہاں نظام بنے۔ انسانوں نے مل جل کر رہنے کے لئے کوئی نہ کوئی نظام ترتیب دیا۔ معاشرے کے چیدہ اور سرکردہ افراد اور دانشوروں نے مل جل کر رہنے کے طریقے ترتیب دیئے۔ لین دین کے طریقے، حقوق و فرائض کا تعین ہوا کہ کہاں تک کسی کا حق ہے۔ اس کا تحفظ کیسے کیا جائے جو اپنے حق سے آگے بڑھ جائے اور حقوق و فرائض کی خلاف ورزی کرے اسے کیا سزا دی

جائے۔ معاشرت میں، تہذیب واخلاق میں، نکاح وطلاق، پرورش اولاد میں، خرید وفروخت، ہبہ ووراثت میں کیا حدود وقیود مقرر کی جائیں؟ نظام سلطنت اور امور سلطنت مقرر کئے جائیں۔ سربراہ مملکت کون ہو، کن خصوصیات کا اہل ہو؟ اس کا انتخاب کیسے ہو؟ یہ سب کچھ کیسے متعین ہو؟ یہ ذمہ داری معاشرے کے چنے ہوئے پڑھے لکھے لوگوں کے ذمے رہی وہ لوگ بہت سوچ بچار کر کے اپنی طرف سے بہت مہارت کے ساتھ قوانین بناتے۔ لیکن وہ قوانین جب معاشرے پر لاگو کئے جاتے تو ان میں کئی ترامیم کی ضرورت درپیش ہوتی۔ یہ بات عیاں ہو جاتی کہ مرتب کیا گیا قانون نافذ نہیں ہوسکتا۔ اسے تبدیل کرنا ناگزیر ہو جاتا۔ اس میں ترامیم کی جاتیں پھر مزید ترامیم اور یوں یہ سلسلہ جاری رہتا۔ یہ آج کی بات نہیں ایسا ازل سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ صرف انبیاءؑ ورسلؑ ہیں جن پر وحی الٰہی آتی ہے اور جو احکام اللہ کی طرف سے آتے ہیں وہ ناقابلِ ترمیم ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ آدمؑ جب دنیا پر تشریف لائے تو وہ اکیلے تھے اور خود نبیؑ تھے۔ ان کی اولاد ہوئی اور جوں جوں انسانی آبادی بڑھی اس میں اللہ کے نبی تشریف لاتے رہے۔ تمام انبیاء کرامؑ مخصوص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ خاص خاص آبادیوں اور خاص مقررہ اوقات کے لئے مبعوث ہوئے۔ انبیائے کرامؑ کی تعلیمات میں دو حصے ہمیشہ رہے ایک خبر یا عقائد دوسرے احکام۔ خبر میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی ہر نبیؑ کے پاس خبر ہمیشہ غیر متبدل رہی خبر یہ تھی۔ توحید باری، رسالت، آخرت، حساب کتاب، قبر، برزخ کے احوال، جنت ودوزخ، ملائکہ، عرش وکرسی، حشر، وزن اعمال، محاسبہ اعمال یہ سب عقائد ہیں جن کا تعلق خبر سے ہے لہٰذا جو خبر یا عقیدہ حضرت آدمؑ نے توحید ورسالت آخرت، انبیاء وملائکہ، کتب الٰہی کے بارے پیش کیا، بعد میں آنے والے کم وبیش سوا لاکھ انبیاءؑ اور رسلؑ نے بھی بعینہ وہی عقیدہ پیش کیا اور وہی عقیدہ آقائے نامدار ﷺ نے پیش کیا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر تمام انبیاءؑ ورسلؑ کو جو احکام عطا کئے گئے وہ لوگوں کی استعداد، انکے شعور وادراک، ان کی استعداد کار وقوت، موسموں، علاقوں اور زمانے کے ساتھ محدود ومتعین کئے گئے۔ پھر انسانی کردار کے باعث احکام تبدیل ہوتے رہے۔ قرآنِ حکیم میں خبر دی گئی ہے کہ لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو ان پر اچھی اچھی چیزیں حرام کر دی گئیں۔ یوں احکام موقع ومحل کی مناسبت سے تبدیل ہوتے رہے۔ لیکن یہ تبدیلی تب ہوتی جب اللہ کا نبیؑ کسی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا پھر یا تو قوم کا زمانہ ختم ہو جاتا اور قوم دنیا سے اٹھ جاتی یا دوسرا صاحب شریعت نبیؑ مبعوث کر دیا جاتا۔ یوں ہر شریعت میں حالات کے مطابق احکام تبدیل ہوتے گئے لوگوں کی استعداد کار اور شعور وادراک کی سطح کے بدلے سے اور بعض

اوقات جاننے، پڑھنے لکھنے کے وسائل کے تبدیل ہونے سے احکامات بدلتے گئے۔ لیکن جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کی بعثت تمام انسانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے رہنے والی شریعت لائی۔ آج بھی نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے اور قیامت تک نبوت آپ ﷺ ہی کی رہے گی۔ حضور اکرم ﷺ پر جو وحی الٰہی نازل ہوئی وہ قیامت تک کے لئے طے شدہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی قیامت تک یہ بعینہ رہے گی اس کے احکام میں تبدیلی کی نہ ضرورت ہے نہ تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

پوری انسانیت کو ایک لائحہ عمل دینا اتنا مشکل کام ہے، اتنا مشکل کہ لوگ اپنے ملک میں رہتے ہیں، قانون بناتے ہیں اور وہ دوسرے ملک کے لوگوں کے لئے قابلِ عمل نہیں ہوتے۔ مغرب کے قانون مشرق میں اور شمال وجنوب میں قابلِ عمل نہیں ہوتے بلکہ جو لوگ قانون بناتے ہیں وہ اس کے نفاذ کے بعد کئی کئی بار ان میں ترامیم کرتے رہتے ہیں تو صحرائے عرب میں بیٹھ کر ایک ایسی ہستی نے جس نے کسی انسان سے ایک لفظ نہیں سیکھا، کسی عالم سے ایک جملہ نہیں سیکھا، کسی فرد و بشر سے کوئی خبر حاصل نہیں کی، قبل بعثت کی زندگی حرا میں اپنے مالک کا نام لیتے گزار دی۔ اس ہستی نے جب دعویٰ نبوت کیا، ایمان کی خبر دی **لاالہ الا اللہ** تو یہ وہی خبر تھی جو آدم علی نبیّنا علیہ السلام نے دی تھی اور پہلے تمام انبیاءؑ و رسلؑ نے دی تھی۔ لیکن مشکل ترین کام یہ تھا کہ عرب کے صحراؤں میں بیٹھ کر روئے زمین کے تمام انسانوں کے لئے، تمام زمانوں کے لوگوں کے لئے پورا نصاب زندگی بنایا جائے جس میں ہر فرد و بشر کی ضروریات کا لحاظ ہو، اس کے حقوق اور فرائض کی حد بندی ہو، معاشرے کے ہر شعبے میں فریقین کے حقوق کی تعیین ہو، ریاست کا قانون ہو، خرید و فروخت کا قانون ہو، فوجداری اور دیوانی عدالتوں کے قانون ہوں، حکومت و سیاست کے اصول ہوں، جنگ و صلح کے ضابطے ہوں کہ کس سے جنگ ہوسکتی ہے؟ کن شرائط پر صلح ہوسکتی ہے؟ کن امور میں تعاون ضروری ہے؟ کن امور میں تعاون ممنوع ہے؟ گویا بالغ ہونے سے لے کر دمِ واپسیں تک روئے زمین کی ساری مخلوق کو کیا کرنا ہے۔ ان سب امور کی حتمی تعیین کی گئی ہو جس میں بنیادی بات یہ ہو کہ روئے زمین کے ہر فرد کا رب العالمین سے تعلق کیسا ہوگا؟ اس کا عقیدہ کیا ہوگا؟ وہ عبادات کیسے کرے گا؟ فرائض کیا ہیں؟ واجبات و سنن نوافل و مستحبات کیا ہیں؟ پھر یہ صرف ایک فرد کے لئے نہیں، صرف ایک قوم کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کے ہر فرد کے لئے ہو اور ایسا متوازن نظام زندگی ہو جس پر ہر ملک میں، ہر موسم میں، ہر حال میں عمل کرنا ممکن ہو۔

یہ معمولی کام نہیں اور یہ مخلوق کے کرنے کا کام نہیں، یہ وہی کرسکتا ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ مخلوق کی ضروریات پیدا کیں، اس کی تکمیل ضرورت کے لئے اسباب و وسائل پیدا کئے اور مخلوق کو احساس ضرورت عطا کیا۔ جس ہستی نے انسان کو خواہشات دیں، صرف وہی ہستی ان کی تکمیل کے لئے مناسب طریق کار بھی وضع فرما سکتی ہے۔ اسی لئے یہ حقیقت کھلی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے کہ چودہ سو سال سے خوش نصیب ایمان حاصل کرتے رہے ہیں اور ایسے لوگ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک موجود ہیں۔ ان کے لباس مختلف ہیں، زبانیں علاقائی ہیں، رنگ و نسل مختلف ہیں، کھانے اور غذائیں مختلف ہیں لیکن عبادات و معاملات حقوق و فرائض اور قانون سب ایک ہی ہے۔ اذان وہی ہے جو حرم بیت اللہ میں سنائی دیتی ہے۔ صلوٰۃ و صوم وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے سکھائی ہے، طہارت و وضو سے لے کر حلال و حرام تک وہی ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے سکھائے ہیں۔ تمام امور کی حدود متعین فرما دی ہیں۔ والدین کے حقوق کیا ہیں؟ ازواج کے حدود کس حد تک ہیں، اولاد کے حقوق کہاں تک ہیں؟ کسی فرد کی موت کے بعد وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟ حتیٰ کہ رضاعت کا عرصہ بھی مقرر کر دیا گیا۔ یوں پورا نظام حیات مرتب فرمایا اور ایسا مرتب فرمایا جس میں قیامت تک کسی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ایسا موقعہ ہی نہیں آئے گا کہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے اس میں تبدیلی کرنا پڑے۔ ہر بدلتے زمانے میں وہ اتنا ہی کارگر، اتنا ہی مفید، اتنا ہی قابلِ عمل اور اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ روزِ اول تھا لیکن اس کے لئے جو سمجھنا چاہے۔

مومن کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ گواہ ہے:

جسے نورِ ایمان نصیب ہے اللہ کی عظمت پر یقین ہے اس کے لئے تو فرمایا **لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ** اللہ خود گواہ ہے کہ جو کچھ میرے حبیب ﷺ نے فرما دیا: وہ حق ہے اور اس پر صرف اللہ کافی گواہ ہے۔ مومن کے لئے تو کسی دوسری دلیل کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اب وہ رہ گیا جسے نورِ ایمان نصیب نہیں۔ اگر اس کا مزاج انسانی صحیح اور فطرت درست ہے وہ کسی جانب متعصب ہو کر نہیں جھکتا، غیر جانبداری سے دیکھنا چاہتا ہے اس کے لئے فرمایا وہ اس چیز کو دیکھ لے جو اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر نازل کی ہے۔ **بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ** اے میرے حبیب! آپ ﷺ پر جو کچھ نازل ہوا ہے اسے اللہ نے اپنے کمالِ علم سے نازل فرمایا ہے جو پوری کائنات کے لئے نہ صرف قابلِ عمل بلکہ عمل کا بہترین طریقہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد وحی کے انقطاع کے بعد آپ ﷺ کی عطا کردہ شریعت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ ہوگی اس میں کوئی شئے اگر کوئی

بڑھائے گا تو وہ گمراہ ہوگا اور کچھ گھٹائے گا تو بھی گمراہ ہو جائے گا۔ جو عین شریعت پر قائم رہے گا وہی ہدایت پائے گا۔

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

وحی الٰہی کا نزول جس زمانے میں ہوا اس زمانے کے لوگوں کو اس کی لذت سے آشنائی تھی اور وحی الٰہی کی عظمت سے وہ کماحقہٗ آگاہ تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ سراجِ منیر ﷺ ان کی نگاہوں کے سامنے جلوہ افروز تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ وہ عہد زریں تھا کہ صحابہؓ آپ ﷺ کو روبرو پاتے تھے۔ حضرت اُمّ ایمنؓ وہ ہستی ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ کی بچپن سے خدمت کی سعادت حاصل ہے۔ وہ حضرت آمنہؓ کی خادمہ تھیں۔ حضرت آمنہؓ کے وصال کے بعد آپ ﷺ ننھے بچے تھے جنہیں لے کر وہ حضرت عبدالمطلب کے پاس لائیں۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت کرتی رہیں۔ ان کی ہجرت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ وہ مشرکین مکہ سے چھپ کر سفر ہجرت پر روانہ ہوئیں۔ تنہا تھیں۔ زادِ راہ بھی نہیں تھا۔ یہ مکہ کے ان کمزور لوگوں میں سے تھیں جن کے پاس وسائل کی کمی تھی اور جنہیں اہلِ مکہ ایذائیں دے کر، ہجرت سے روکتے تھے اور کفر و شرک میں واپس لانے کے لئے ایذائیں دیتے تھے۔ ان حالات میں وہ تن تنہا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چل پڑیں۔ راستے میں پیاس سے بے حال ہوگئیں۔ اپنے بارے میں فرماتی ہیں کہ میرا حال یہ تھا کہ میں سمجھ رہی تھی کہ پیاس سے مر جاؤں گی۔ اتنے میں مجھے اوپر سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے اوپر دیکھا تو ایک ڈول نیچے آرہا تھا، پانی سے بھرا ہوا۔ وہ ڈول میرے سامنے آکر رک گیا، میں نے پانی پیا اور جی بھر کر پیا۔ اس پانی نے نہ صرف میری پیاس بجھائی بلکہ میرے بدن کی ساری توانائی بھی لوٹا دی۔ مجھے کھانے کی ضرورت بھی نہ رہی۔ اور جب تک حضرت اُمّ ایمنؓ زندہ رہیں پھر انہیں دوبارہ پیاس نہیں لگی۔ نبی کریم ﷺ حضرت اُمّ ایمن پر اتنے مہربان تھے کہ ان کے گھر ملنے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ انہوںؓ نے کافی لمبی عمر پائی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی زندہ رہیں۔ وصالِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی سنت کے اقتداء میں حضرت اُمّ ایمن کے ہاں جا کر اُنؓ کی خیریت دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ دونوں عظیم ہستیاںؓ اُنؓ کے گھر تشریف لے گئیں تو حضرت اُمّ ایمنؓ ان کی ملاقات کے وقت رونے لگیں۔ بے پناہ روئیں اور بے حد روئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: آپ اتنا کیوں رو رہی ہیں؟ حضور اکرم ﷺ ہم سے اتنی دور تو نہیں چلے گئے! انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا حضور اکرم ﷺ تو ہم سے اتنا دور نہیں چلے گئے۔ میں تو

اس لئے رو رہی ہوں کہ اب آسمانوں سے وحی کا آنا بند ہو گیا ہے۔ وہ کیا زمانہ تھا! جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سوال پیش کرتے تھے اور ہمیں اللہ کریم جواب دیتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو جاتی تھی۔ ہم ادنیٰ مخلوق ہیں اور اللہ رب العزت خالقِ دو جہان ہے۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے لیکن ہمیں اللہ کے نبی کریم ﷺ نے کن عظمتوں سے آشنا کر دیا۔ آج میں اس لئے رو رہی ہوں کہ وحی الٰہی کا نزول کا زمانہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد ختم ہو گیا۔ یہ موجیں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ وصالِ نبوی ﷺ کے ساتھ وحی منقطع ہو گئی۔ اب دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ وہ سوال کرے تو اُسے اللہ وحی نازل کر کے جواب دے۔

روح بیمار ہو تو شریعت جیسی نعمت بھی اچھی نہیں لگتی:

یہ بات مسلم اور طے شدہ ہے کہ اللہ کے عطا کردہ اور حضور اکرم ﷺ کے تربیت دیئے ہوئے نظام زندگی میں احکام الٰہی میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی کرے گا تو ایسا کرنے والا گمراہ ہو جائے گا۔ اللہ نے یہی فرمایا اس آیۃ میں کہ اے میرے حبیب ﷺ! آپ نے عقیدے، عبادات اور اعمال کا جو نظام دیا ہے اس پر میں گواہ ہوں کہ یہ میں نے عطا کیا ہے۔ ایمان والوں کے لئے یہی بات کافی ہے اور جو ایمان والے نہیں اور حق جاننا چاہتے ہیں وہ جان لیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے جو شریعت عطا کی ہے، جو قوانین و احکام دیئے ہیں وہ قیامت تک کے لئے قابلِ عمل ہی نہیں آسان ترین بھی ہیں اور اللہ کو پسند ہیں۔ لیکن جس کی روح بیمار ہو اسے شریعت جیسی نعمت بھی اچھی نہیں لگتی۔ جیسے کسی بیمار کو قوت بخش اور لذیز غذا تیار کر کے دی جائے تو اسے وہ کڑوی لگتی ہے اس کے اندر فاسد مادے اس کے ذائقے کو متاثر کر دیتے ہیں اس کا منہ بھی کڑوا ہو جاتا ہے اسے میٹھا شربت تلخ لگتا ہے۔ یہی حال ہمارے برائے نام مسلمان، دانشوروں اور بعض حکمرانوں کا بھی ہے، جن کے پاس دولت و اقتدار ہے وہ اپنی عقل پر نازاں ہیں اور ان کی زبانوں پر یہ الفاظ ہیں کہ قرآن اور شریعت کی باتیں چودہ سو سال پرانی ہیں۔ بھلا اس زمانے میں، اس دور میں ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ کسی ٹی وی چینل پر نئے عیسوی سال کی خوشی منانے کے لئے بات ہو رہی تھی اور نام نہاد دانشور پورا زورِ بیان اس پر صرف کر رہے تھے کہ نئے سال کی آمد پر خوشی منانی چاہیے، رقص و سرود یعنی ناچ گانا ہونا چاہیے۔ چند دوسرے افراد مشورہ دے رہے تھے کہ نئے سال کی خوشی منانے کا یہ طریقہ ہے کہ مسجد چلے جاؤ جو سال گزر رہا ہے اس کی خطاؤں کی معافی مانگو۔ جو نیا آ رہا ہے اس کے لئے نیکی کی توفیق مانگو۔ اس پر دانشور خفا ہو رہے تھے کہ جس نے مسجد جانا ہے وہ مسجد جائے۔ لیکن جو ناچ گانا کرنا چاہتا ہے اسے تو اجازت ہونی چاہیے کہ وہ ڈانس کرے۔ اس پروگرام کا اینکر پرسن کہہ رہا تھا کہ ترقی یافتہ اقوام کی طرح ہونا چاہیے وہ جہاز بناتے ہیں، مشینیں بناتے

ہیں، ان کی سڑکیں صاف اور آرام دہ ہوتی ہیں، وہ کام کے وقت کام کرتے ہیں اور خوشی کے وقت ناچ گانا کرتے ہیں۔ یہ ترقی یافتہ اقوام کا طرزِ عمل ہے۔ ٹی وی مذاکرے کر کے قوم کو اُلٹی پٹی پڑھائی جاتی ہے۔ عوام کو بھی رائے دینے کی اجازت ہو' کوئی طریقہ ہو جیسا مغربی میڈیا میں ہوتا ہے کہ عوام بھی مذاکرے میں اپنی رائے فی الفور دیتی ہے، پروگرام کے دوران دیتی ہے تو انہیں بتایا جاتا کہ جن اقوام نے ہوائی جہاز بنائے ہیں وہ انہوں نے رقص اور ناچ گانے سے یا شراب پی کر ناچنے سے نہیں بنائے۔ انہوں نے سائنس پڑھی ہے۔ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دی ہے۔ ہمارے ہاں نصاب میں ایسی کوئی چیز شامل ہی نہیں جو انہیں سائنسدان بنا سکے۔ اگر کوئی سائنسدان بنتا ہے تو وہ ہمارے ملک سے باہر جا کر ہی بنتا ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا جاتا کہ عیسوی سال کی خوشی منانے سے پہلے یہ تو دیکھ لو کہ عیسوی سال عیسائیوں کا بنایا ہوا ہے۔ یہ اس دن سے شروع ہوتا ہے جس دن عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ اس دن سے عیسوی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو کیسے یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اس سال کی خوشی منائیں جبکہ قرآن حکیم میں یہ عقیدہ دیا گیا ہے کہ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ** (النساء 157) حضرت عیسیٰؑ کو نہ کسی نے قتل کیا اور نہ انہیں صلیب پر چڑھایا گیا۔ عیسائیوں نے اپنے سال کی ابتداء اور بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی ہے تو مسلمان دانشور مسلمان قوم کو کس سال کی خوشی منانے کی ترغیب دے رہے ہیں اور طریقے سکھا رہے ہیں؟ ہمارے دانشوروں کو اسلام اس لئے قابل عمل نہیں لگتا کہ ان کے اندر بھی تپ محرقہ کے مریض کی طرح زہریلہ مواد بھرا ہوا ہے۔ جس کے باعث ان کا منہ کڑوا ہو چکا ہے انہیں شریں چیزیں تلخ لگتی ہیں۔ ورنہ اللہ کی بات ہو، محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہو اور کسی کو وہ ناقابل عمل لگے، کڑوی لگے، تلخ لگے! اس پر انہیں ناز بھی ہے کہ وہ مسلمان ہیں! کردار ان کا یہ ہے کہ اقتدار کے لئے لڑتے ہیں۔ غریبوں کو لوٹتے ہیں۔ لوٹتے لوٹتے مرجائیں تو ان کے وارثین انہیں شہید کہتے ہیں۔ کیا خوب! لوگوں کو لوٹ لوٹ کر بیرون ملک اثاثے جمع کرتے ہیں۔ ملکی دولت یہاں سے لوٹ کر لے جاتے ہیں، بیرون ملک بنکوں میں جمع کرتے ہیں۔ ملک میں اقتدار کی رسہ کشی میں مشغول رہتے ہیں۔ لوگوں کی عزتیں لوٹتے ہیں، جانوں سے کھیلتے ہیں، ملکی وسائل اور ادارے تباہ کرتے ہیں، عوام کے لئے آٹا، چینی، بجلی، پانی تک رسائی مشکل سے ناممکن بناتے ہیں اور اقتدار کی رسہ کشی میں جب مارے جاتے ہیں تو دوہرے مزے لوٹتے ہیں۔ پھر شہید بھی یہی کہلاتے ہیں۔ ان کے تو دونوں جہان بن گئے۔ مارے تو غریب گئے۔ اس جہاں میں بھی بھوکے رہے اور آخرت میں بھی جنت انہی لٹیروں کے ہاتھ لگی۔ لیکن اللہ کی بادشاہی میں اندھیر نہیں ہے۔ وہاں تو ایک ایک ذرے کا حساب دینا ہوگا۔ ایک ایک سانس کی آمد و شد کا حساب ہوگا۔

ایک ایک بات پوچھی جائے گی اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ ہمیں بھی وہیں جانا ہے۔ وہاں ان لوگوں کی شہادت کا تماشا بھی ہوگا جو دنیا میں یہ کہتے کہتے مرے کہ اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ ان کے کہے گئے یہ کلمات ان کے دنیا سے جانے سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ کراماً کاتبین نے بھی لکھ لئے۔ اس ہوانے اور اس فضانے بھی ریکارڈ کر لئے۔ فضا میں یہ الفاظ موجود رہتے ہیں۔ کبھی تحلیل نہیں ہوتے موجود رہتے ہیں۔ آج کی سائینس فضا میں موجود الفاظ کو دوبارہ سننے کی سعی کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

سو فرمایا مومن کے لئے تو اللہ کی گواہی کافی ہے اور جو محض عقل سے سمجھنا چاہے تو وہ اس طرح سمجھ لے کہ ایسا بہترین نظام حیات دینا جو ساری انسانیت کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے ہو یہ کام صرف وحی الٰہی کر سکتی ہے۔ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ** اور اللہ کے فرشتے اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ حق ہے **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾** اللہ کی شہادت اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾** لیکن اگر کسی کی اس سے تسلی نہیں ہوئی اور وہ اس سے کفر کرتا ہے، انکار کرتا ہے، تعلیمات اسلام کو ٹھکرا دیتا ہے تو وہ نہ صرف خود کفر کرتا ہے بلکہ دوسروں کو کفر میں لانے کا سبب بھی بنتا ہے۔ اگر کوئی تعلیمات اسلام پر عمل نہیں کرتا لیکن یہ سمجھتا ہے کہ وہ غلط کر رہا ہے۔ حق وہی ہے جو شریعت ہے تو جب تک وہ گناہ کو گناہ سمجھتا رہے گا اسے اللہ توبہ کی توفیق بھی دے سکتا ہے اور اس کے گناہ بھی معاف کر سکتا ہے۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو ناقابلِ عمل کہنا صریح کفر ہے۔ یہ کہنے والا صرف خود ہی کافر نہیں ہوتا اس کی باتوں میں آکر دوسرے لوگ بھی کافر ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا بھی ہدایت کا راستہ روکا جاتا ہے۔ فرمایا: یقیناً جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ وہ گمراہی میں بہت دور جا چکے ہیں۔ جس نے اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی بات کو جھٹلایا اس بات کا کچھ نہیں بگڑا اس پر اللہ گواہ ہے اس پر عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں لیکن انکار کرنے والا دور، بہت دور حق سے بہت ہی دور چلا گیا اور بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

خود نہ ماننا کفر ہے' دوسروں کو روکنا ظلم ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ یقیناً جو لوگ کفر کرتے ہیں یعنی عظمت الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ کے دین کا انکار کرتے ہیں۔ ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں۔ **وَظَلَمُوْا** اور صرف انکار پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ ظلم بھی کرتے ہیں تو ایسوں کو اللہ نہیں بخشے گا۔ عربی میں ظلم کا معنی ہے وضع الشیء فی غیر محلہ کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے اٹھا کر غلط جگہ

رکھنا۔ کوئی بھی کام غلط طریقے سے کرنا ظلم کہلاتا ہے۔

جہاں تک کفر کا تعلق ہے تو کفر واضح ہے یعنی اللہ کے دین، اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی رسالت، آخرت اور تمام ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دینا کفر ہے۔ یہ واضح کفر ہے۔

کفر کی اقسام:

بعض اقسام کفر ایسی ہیں جن کی طرف نظر بہت کم جاتی ہے حالانکہ وہ بھی اتنے ہی شدید کفر ہیں اور برائی میں مبتلا کرتے ہیں۔ جیسے **سود کو جائز سمجھ کر کھانا** کسی بھی چیز کو جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ حرام کو حرام جان کر کھانے والے کے بدن کا وہ حصہ جو حرام کھانے سے پرورش پا جائے گا وہ آگ میں ہی جلے گا۔ اس ارشاد پاک کی تشریح یہ ہے کہ بعض لوگوں نے کبھی حرام کھایا ہوگا پھر اللہ نے توبہ کی توفیق دے دی۔ اصلاح احوال ہوگئی۔ بندے کی نجات ہوگئی لیکن جو گوشت حرام سے بنا وہ دوزخ میں ہی جلے گا اور تب تک ایسے شخص کو دوزخ میں ہی رہنا ہوگا جب تک جسم کے وہ اجزاء جل نہ جائیں جو حرام سے بنے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے نکال لیں گے دوسرا گوشت پوست عطا کریں گے۔ یعنی حرام سے پرورش پایا ہوا کوئی ذرہ بدن جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کی بات ہے جو حرام کو حرام سمجھ کر کھاتے ہیں لیکن اگر کوئی حرام کو حلال سمجھ لے خواہ اس کا نام بدل لے سود کو منافع کہہ کر کھالے تو نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ ایسے شخص پر دنیا میں یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ کفر کرنے لگتا ہے، ظلم میں مبتلا ہو جاتا ہے، برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے، برے کام کرتا ہے، نیکی سے ہٹ جاتا ہے اور کردار حرام اعمال سے بھر جاتا ہے۔

اسی لئے اللہ کریم نے قرآن حکیم میں دوسری جگہ اپنے انبیاءؑ و رسلؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ (المومنون) پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ پاکیزہ حلال سے بھی نازک تر ہے۔ حلال کمائی سے تیار کی جانے والی غذا میں اگر پاکیزگی کا اہتمام نہ کیا گیا اس میں تیار کرتے وقت کوئی ناپاک چیز شامل ہوگئی تو وہ کھانا حلال ہو کر بھی غیر طیب ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا: کھانا حلال بھی ہونا چاہیے اور پاک بھی۔ حلال اور طیب کھانے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ **وَاعْمَلُوا صَالِحًا** نیک اعمال کی توفیق ہو جاتی ہے۔ دنیا میں انسان کھانے کے لئے نہیں اپنی آخرت سنوارنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ رزق حلال سے آخرت سنورتی ہے، زندگی کھانے کے لئے ہے۔ کھانا زندگی کی

ضرورت ہے۔ زندہ رہنے کے لئے کھانا چاہیے۔ اللہ نے اچھا کھانے سے منع نہیں فرمایا حلال اور پاک کھانے کا حکم دیا ہے لیکن محض اعلیٰ غذائیں کھانے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ حلال کی روکھی، سوکھی حرام کے بہترین کھانوں سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ حرام کا اثر انسانی گوشت پوست میں سرایت کر جاتا ہے۔ حرام غذا سے بدن کو جو قوت حاصل ہوت ہے وہ قوت دل کو اور دیگر اعضاء کو پہنچتی ہے۔ وہ قوت ارادوں کو نیک نہیں رہنے دیتی وہ انسان کے ارادوں کو بدل دیتی ہے۔ دل ودماغ کو حرام غذا سے جو قوت پہنچتی ہے وہ اعمال کو صالح نہیں رہنے دیتی۔ برے ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ ان ارادوں کے ساتھ کردار بدل جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کھانا حلال نہیں ہوگا تو کبھی کردار کی اصلاح نہیں ہوگی۔

معاشرے کی بنیادیں:

کھانے پینے کا تعلق معیشت سے ہے۔ یہ ہر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے مدینۃ النبی ریاستِ اسلامی بن گئی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے مہاجرین مکہ اور انصارِ مدینہ میں مواخات یعنی بھائی چارہ قائم فرمادیا۔ یعنی ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنادیا۔ انصار نے یوں ایثار کیا کہ اپنے گھر، زمینیں اور وسائل زندگی آپس میں آدھے آدھے تقسیم کر لئے۔ ان کے اس مثالی ایثار کی تعریف قرآن حکیم میں آئی ہے۔ اللہ نے اس قربانی پر انہیں بڑے بڑے اجر عطا فرمائے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے ہر صحابیؓ کو حصول رزق کے لئے جائز اور حلال ذرائع اختیار کرنے کا حکم دے دیا لہٰذا تمام صحابہؓ جو ہنر جانتے تھے اسکے مطابق سرگرم عمل ہوگئے۔ جو تجارت جانتے تھے وہ تاجر بن گئے، جو زراعت جانتے تھے وہ کھیتی باڑی میں لگ گئے، جو دیگر مختلف فنون کے ماہر تھے وہ ان فنون کے ذریعے کام کرنے لگے اور جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ مزدوری کرنے لگے۔ یوں نہ تو کوئی فرد تنہا رہا نہ بے روزگار، نہ کسی سے مانگنے کی ضرورت رہی۔ ہر شخص کی خودداری بھی قائم رہی اور ہر نفس تک رزقِ حلال بھی پہنچنے لگا۔ یوں مدینہ تشریف آوری کے بعد چند دنوں کے اندر اندر یہ چھوٹی سی ریاست اپنی بنیادوں پر کھڑی ہوگئی۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ تشریف لاکر جس آبادی میں جلوہ افروز ہوئے اس میں آج روضۂ اطہر بھی ہے۔ مسجد نبوی بھی ہے۔ کم وبیش اتنی ہی بستی تھی جسے آج مسجد نبوی نے گھیر رکھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے والد ماجد کی قبر مدینہ منورہ میں تھی لیکن اس قبرستان میں تھی جو اس وقت کی مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر تھا۔ اگرچہ آبادی کے قریب ہی تھا۔ ستر کے ابتدائی سالوں میں جب اللہ کریم نے ہمیں وہاں حاضری کی سعادت بخشی تو

مسجد نبوی سے کافی فاصلے پر ان کا مزار تھا۔ ترکوں نے ان کے مزار پر ایک عمارت بنادی تھی جو مقفل رہتی تھی۔ ستر کے آخری سالوں میں جب مسجد کی توسیع ہوئی تو حضرت عبداللہ کا مزار بھی توسیع میں شامل کیا گیا۔ ان کے ساتھ دو معروف صحابہؓ کے وجود بھی نکالے گئے اور جنت البقیع میں منتقل کئے گئے۔ تینوں وجود اسی طرح تروتازہ تھے جیسے ابھی کوئی آرام کرنے لیٹا ہو۔

ستر کی توسیع کے بعد اس وقت کا شہر مدینہ جو مدینۃ النبی ﷺ تھا وہ سارے کا سارا موجودہ مسجد نبوی میں آچکا ہے۔ اس انداز سے دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ اللہ کریم نے اس ساری بستی کو سجدہ گاہ بنادیا ہے جس بستی میں اللہ کے حبیب ﷺ رہے۔ یہ تو اللہ کریم کی شان ہے کہ جس آبادی میں حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہوئے وہ ساری سجدہ گاہ قرار دے دی گئی۔ یہ وہی چھوٹی سی آبادی تھی جس کی بنیاد اسلامی معیشت پر رکھی گئی، باہمی محبت اور خیر خواہی پر رکھی گئی لیکن کسی کو کسی دوسرے پر بوجھ نہیں بننے دیا گیا۔ اس ضمن میں وہ مشہور واقعہ مثال ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس اپنی عسرت اور تنگدستی کی شکایت لے کر حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کا اس نوزائدہ مملکت اسلامیہ کی معیشت استوار کرنے کا انداز یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے اسے کھانے کی کوئی چیز عطا فرمائی کہ اس وقت تو اسے کھجوریں یا دو وقت کا راشن دے دیتے وہ چلا جاتا لیکن اس سے اس کے دو وقت تو ٹل جاتے اس کی عمر اس طرح بسر نہ ہوتی۔ آپ ﷺ کا انداز خودداری اور عزتِ نفس کی حفاظت کا تھا۔ خود کفیل کرنے کا تھا۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کہ گھر میں کیا ہے؟ اس نے چند شکستہ برتنوں کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لے آؤ۔ پھر ان اشیاء کو بازار میں فروخت کروایا۔ ان سے اسکے لئے رسہ اور کلہاڑا منگوایا اور اسے حکم دیا کہ جنگل جا کر لکڑیاں کاٹو، انہیں بازار میں فروخت کر کے اپنے لئے اور اپنے اہل خانہ کے لئے باعزت اور حلال رزق کما کر لاؤ۔ آپ ﷺ نے اسے چندہ کر کے نہیں دیا اس کی اس طرح مالی مدد نہیں کی کہ وہ دوسروں پر بوجھ بن جائے اور ہم آج اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی ہمیں کچھ دے۔ حضور اکرم ﷺ نے تو سکھایا کہ صرف اللہ رازق ہے۔ اس سے مانگنے کا طریقہ وسلیقہ یہ ہے کہ جائز وحلال وسائل اختیار کئے جائیں اور ہر کام اس کے معروف طریقے اور سلیقے سے کیا جائے۔ ہم درست طریقے سے معاملات نہیں کرتے نہ مسائل کا حل درست طریقے سے نکالتے ہیں۔ چند دن پہلے کسی نے اپنا مسئلہ سنایا کہ ان کے بڑے بھائی نے پہلے بینک سے سود لے لیا۔ ادائیگی نہ ہو سکی اور سود بڑھتے بڑھتے رقم تین لاکھ ہوگئی پھر اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے۔ سارے بہن بھائیوں نے مل کر چندہ جمع کیا اور اس کی جان چھڑائی اس نے دوبارہ سود پر قرضہ

لے لیا۔اب بینک والے اس کے گرد ہیں اور بھائی آگے آگے بھاگتا پھر رہا ہے۔بہن بھائی پھر پریشان ہیں۔ اب کسی وظیفے کی تلاش میں ہیں کہ وظیفہ کریں اور وہ سدھر جائے۔میں نے انہیں کہا کہ اگر آپ اسے پہلی مرتبہ ہی گرفتار ہونے دیتے۔اس کی مدد نہ کرتے تو وہ دوبارہ سود لینے کی جرأت نہ کرتا۔پہلے اسے جیل جانے دیتے۔اسے غلطی کا احساس کرنے دیتے پھر اسے توبہ پر مائل کرتے اس سے کہتے کہ توبہ کرلو تو تمہارے لئے رقم اکٹھی کر کے تمہارا قرضہ ادا کرتے ہیں۔اسے مجبور کرتے کہ وہ آئندہ کے لئے روزگار کا کوئی جائز طریقہ اختیار کرے۔آپ لوگوں نے جرم کا احساس ہونے سے پہلے اس کا قرضہ ادا کر کے اس کے جرم کی حوصلہ افزائی کی آپ کی مدد پر وہ دلیر ہوگیا۔دوسری بات یہ کہ ہر انسان اللہ کے احکام ماننے کا مکلف ہے۔ایسا کوئی وظیفہ نہیں ہے کہ کسی کو گھیر گھار کر کسی کام پر مجبور کیا جائے۔یہ دنیا دارِ عمل ہے یہاں لوگ وظیفوں کے زیرِ اثر مجبور ہو کر کام کریں تو پھر محاسبہ کس بات پر ہوگا۔پھر تو آخرت کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے۔وظیفوں سے لوگوں کو مجبور کرنے کا خیال ہندوؤں سے مستعار لیا گیا ہے کہ فلاں نے فلاں منتر پڑھا اور فلاں یہ کام کرنے پر مجبور ہوگیا۔دنیا دارِ عمل ہے اس میں کام کرنے کے احکام خود ذاتِ باری نے ارشاد فرما دیئے ہیں جو اس کے احکام کا انکار کر دیتا ہے وہ اس کو بھی مجبور نہیں فرماتا۔مہلت دیئے جاتا ہے لیکن متنبہ ضرور کرتا ہے۔اسی انجام کی خبر دیتے ہوئے یہاں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ کہ کفر کا انجام سوائے ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے کے اور کوئی نہیں۔اللہ نے انسان کو اختیار بھی دیا ہے اور فرصت بھی۔جو چاہے انسان دنیا کے بازار سے اپنے لئے خریدے۔جو روزی اللہ نے مقدر کر دی ہے وہ اسے مل کر رہے گی۔محاسبہ صرف اس روزی کو حلال یا حرام طریقے سے حاصل کرنے پر ہوگا۔جو نیکی کرنا چاہتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔اللہ خود اس کا معاون اور مددگار بن جاتا ہے۔یہ وظیفوں کا کام نہیں کہ وظیفہ پڑھیں اور دوسرا نیکی کرنے پر مجبور ہو جائے۔یہ عمل کی جگہ ہے۔یہاں بندے کو خود یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اسے اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنی ہے یا نہیں۔

کفر کی دوسری قسم بارگاہِ رسالت ﷺ پناہی میں گستاخی:

اس طرح بھی کماحقہٗ توجہ نہیں کی جاتی اور باتوں باتوں میں ہی لوگ توہین کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ بارگاہِ رسالت ﷺ پناہی میں اگر کسی سے نادانستہ بھی گستاخی ہوگئی تو تمام نیکیاں ضائع ہوگئیں اور اسلام سے فارغ ہوگئے۔تقسیم ملک سے پہلے حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ فرقۂ باطلہ کے خلاف مناظرے فرماتے

تھے۔ آپ نے مذاہب عالم کا بڑا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ آپ کے پاس ان مذاہب کی کتابیں بھی تھیں لیکن آپ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے بحث کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور خود بھی بہت محتاط تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی کسی ایسے مناظرے میں شرکت نہیں فرمائی اور منع فرمایا کرتے تھے کہ ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع مناظرہ نہ بنایا جائے کہ مناظرے میں سوال جواب کرتے ہوئے کوئی اونچی نیچی بات بھی ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات تلخ جملے سرزد ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر ذاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بحث بناؤ گے تو ہو سکتا ہے ارادتاً نہ سہی غیر ارادی طور پر ہی توہین کے مرتکب ہو جاؤ۔ اور جو توہین کا مرتکب ہو جائے خواہ غیر ارادی طور پر ہی ہو تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اس طرح کے کفریہ اعمال کی ہم پرواہ ہی نہیں کرتے۔ اپنے زعم میں ہم مسلمان رہتے ہیں لیکن ہمارا کردار ہمیں کفر میں پہنچا چکا ہوتا ہے۔ اللہ سب کی حفاظت فرمائے اور سب کو بچائے لیکن ان امور کا احساس کر کے محتاط رہنا چاہیے۔ آج تو مسلمانوں میں رواج ہو گیا ہے کہ ایک فریق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہیں جانتے۔ دوسرا کہتا ہے کہ جانتے ہیں۔ یہیں سے بحث شروع ہو جاتی ہے۔ یہ بڑا خطرناک روّیہ ہے۔ اس سے فوراً تائب ہو کر اپنا ایمان بچانا چاہیے۔ اس کی اصلاح جلد سے جلد کر لینی چاہیے۔ اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال سمجھنا کفر ہے اور اللہ کے حلال کو حرام کہنا بھی کفر ہے۔ فرمایا: جو حرام کھاتا ہے ظلم کرتا ہے۔ لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو کفر کرتا ہے اور کفر پر ہی مرجاتا ہے اس کی نجات نہیں ہوگی جو کفر کرے اور ساتھ ظلم بھی کرے اللہ اسے معاف نہیں فرمائے گا اور دوسری بڑی بات یہ ہے کہ اس کی سزا دنیا میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾ وہ دنیا میں ہی دوزخ کے راستے پر چل پڑتا ہے اس کا کردار ایسا ہو جاتا ہے اور اس کے اعمال اسے لحہ بہ لحہ دوزخ کے قریب لے جاتے ہیں۔

ہر شخص سفر میں ہے:

پیدائش سے لے کر موت تک ہر لحہ، ہر گھڑی، ہر سانس ہر شخص کسی سمت میں چل رہا ہے۔ وہ سمت کون سی ہے۔ مقام تو دو ہی ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہمارا سفر کس سمت میں جاری ہے؟ کسی شاعر نے کہا تھا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کہ ایں راہ تو می روی بہ ترکستان است

اے اعرابی! اے دیہات کے رہنے والے! میں ڈرتا ہوں کہ تو کعبہ نہیں پہنچ پائے گا۔ چونکہ جس راستے پر تو چل رہا ہے یہ راستہ ترکستان کو جاتا ہے۔ گویا محض چلنا اور سفر کرنا مقصود نہیں بلکہ سمت کا درست ہونا اور صحیح راستے پر چلنا ضروری ہے۔ صرف عمل نہیں عمل میں اتباع سنت صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہے۔ صرف کتاب وسنت پر عمل کرنا ہی انسان کو اس کی منزل پر پہنچائے گا ورنہ وہ بھٹک جائے گا۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے دور کرنے کا سبب بنتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں اللہ کریم انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔ ان کی سزا دنیا میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ انہیں جہنم کا راستہ ہی سوجھتا ہے وہ برائی کے راستے کو ہی پسند کرتے ہیں اور اسی پر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں اسی پر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں تو جو بحالت کفر جہنم میں پہنچا اسے وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا پڑے گا۔ **خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَ کَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا ﴿۱۶۹﴾** اور یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ یہ تو بندے کی اپنی مشقت ہے وہ خود محنت کر کے، خود دوڑ لگا کر، خود اپنی پسند سے جہنم کی طرف دوڑے جا رہا ہے۔ وہ جانا چاہتا ہے تو جائے اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

ساری انسانیت سے اللہ کریم کا محبت بھرا خطاب:

بڑے پیار سے ارشاد فرمایا: **یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ** اے انسانو! اے لوگو! اے اولادِ آدم! **قَدۡ جَآءَكُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ** تمہارے پاس اللہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں اور حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس ہستی کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں جو تمہارا پروردگار ہے جس نے تمہیں پیدا کیا جو تمہیں پال رہا ہے جو تمہارا ربّ ہے۔ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ تمہاری رہنمائی فرمائے اس کے لئے اس نے اپنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا جو تمہارے درمیان جلوہ افروز ہو چکے ہیں۔ اب کوئی نیا آنے والا نہیں آئے گا۔ جسے تشریف لانا تھا وہ تشریف لا چکا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اے اولادِ آدم! تم روئے زمین پر جہاں کہیں بھی ہو تم سب کے لئے یہی ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی رسول نہ نبی اور نہ کوئی نئی شریعت آئے گی۔ کوئی نئی راہنمائی نازل نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ حق کے ساتھ مبعوث ہوا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر ہر سوال کا جواب دینا اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تقاضا ہے۔ خواہ وہ سوال کسی کی ذاتی یا گھریلو زندگی سے متعلق ہے یا گاؤں، شہر، ملک اور بین الاقوامی زندگی کے بارے ہے۔ اللہ نے اپنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرما کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب عطا فرما کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وسنت میں تمام امور دنیا کو سمو کر، پوری انسانیت کی راہنمائی کر دی ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانو۔ **فَاٰمِنُوۡا** میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے مراد یہ نہیں کہ بس زبان سے کہہ دیا جائے ہم نے مانا بلکہ ماننے سے مراد یہ ہے کہ اپنے

آپ کو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت میں ڈھال دو۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ ارشاد فرمائیں اس طرح زندگی گزارو۔ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ حضور اکرم ﷺ کی عظمت کو ماننا، آپ ﷺ کا اتباع کرنا تمہارے لئے بہت ہی اچھی بات ہے۔ اسی بات کو قرآن حکیم میں جابجا اللہ کریم نے مختلف پیرائیوں میں ارشاد فرمایا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء 80) جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی یہی وہ شخص ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ ان سے کہیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو فَاتَّبِعُوْنِیْ میرا اتباع کرو۔ (ال عمران 31)

محبت اور جواب محبت:

محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے۔ اس کے لئے مزاج کا انسانی ہونا ضروری ہے۔ سو اے لوگو! اگر تم میں انسانیت زندہ ہو جائے، تم انسان ہی رہو درندے نہ بن جاؤ۔ یوں نہ ہو کہ وجود انسانی ہو اور مزاج بھیڑیے کا ہو۔ شکل انسانی ہو اور مزاج سانپ کا ہو۔ اگر تمہیں یہ احساس ہو جائے کہ تم انسان ہو اور تمہیں اپنے پیدا کرنے والے، رزق دینے والے، انسانی عظمت عطا کرنے والے منعم حقیقی کی عظمت کا احساس ہو جائے تو تم اس کے ممنون ہو جاؤ گے۔ تمہیں اللہ سے محبت ہو جائے گی اور محبت بھی ایسی کہ جواب میں لازماً محبت ہی پائے گی۔ حالانکہ ہر محبت کرنے والا جواباً محبت نہیں پاتا۔ محبت کرنا ایک فعل ہے۔ جو کوئی بھی کسی سے محبت کرتا ہے تو یہ کہاں ضروری ہے کہ دوسرا بھی اس سے محبت کرے۔ شاید وہ کسی اور سے محبت کرتا ہو۔ ایسی صورت میں محبت کرنے والے کے لئے یہ انتہائی صدمہ ہوتا ہے کہ وہ جس کے لئے جان ہار رہا ہے، جس کی پسند و ناپسند پر زندگی لگا دی ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا وہ کسی اور کو چاہتا ہے۔ فرمایا! یہاں ایسا نہیں ہوگا بلکہ یُحْبِبْكُمُ اللّٰہُ (ال عمران 31) جب تم اتباع رسول اللہ ﷺ کرو گے تو تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ تم عاشق تھے پھر معشوق بن جاؤ گے۔ یہ عظمت کیسے نصیب ہوگی؟ اتباعِ رسول ﷺ سے۔

خلاصہ بیان:

یہی بات اس آیۂ کریمہ میں فرمائی جا رہی ہے۔ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ تمہارے درمیان رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نہیں آئے گا۔ کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی۔ کوئی دوسرا طرز حیات نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ حق کے ساتھ تشریف لا چکے ہیں۔ اللہ کی شانِ ربوبیت کا تقاضا تھا کہ

انسانیت کی رہنمائی کی جائے۔ لہٰذا بعثت رسول اللہ ﷺ ہو چکی۔ اب انسانیت کے ذمے ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ صرف مانے نہیں اطاعت کرے۔ **فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ** لوگو! یہ تمہارے لئے بہترین موقع ہے۔ کیا خبر کس وقت زندگی ساتھ چھوڑ جائے۔ زندگی ساتھ چھوڑ جائے اور بندے کے ہاتھ میں دامنِ حبیب ﷺ کبریاء بھی نہ ہو تو پھر کیا بنے گا؟ موت تمہارے اردگرد سے لوگوں کو ان کے اگلے سفر پر روانہ کرتی رہتی ہے۔ کتنے لوگوں کو تم روز دفن ہوتا دیکھتے ہو۔ ایک دن تمہیں بھی زیرِ زمین جانا ہے اور وقت آخر کب آجائے کسی کو اس کی خبر نہیں تو کامیابی یہی ہے کہ زندگی ختم ہو تو ہاتھ میں دامنِ محمد رسول اللہ ﷺ ہو۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم نے حضور اکرم ﷺ کی عظمت کو تسلیم کر لیا ہے۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ **وَاِنْ تَكْفُرُوْا** اور اگر تم کہو کہ میں تو اپنی مرضی سے جیوں گا، جو چاہوں گا کروں گا، تو پھر کر کے دیکھ لو۔ اگر کفر کرو گے تو پھر یہ جان لو **فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** یہ تمہاری دنیا نہیں ہے تم یہاں ایک تنکہ بھی خود اِدھر سے اُدھر نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ کی دی ہوئی اجازت ہے اور مہلت ہے کہ آج ہاتھ پاؤں استعمال کر رہے ہو۔ حقیقتاً زمینوں، آسمانوں کا سب کچھ اللہ کا ہے۔ آج اسکی عطا کردہ حکومت ہے کل وہ پوچھے گا میدان حشر میں جب اللہ کے برگزیدہ بندے موجود ہوں گے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر وہ آخری انسان موجود ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔ دنیا میں خود کو بڑے بڑے شہنشاہ منوانے والے دم سادھے کھڑے ہوں گے۔ اوّل و آخر ساری مخلوق کھڑی ہوگی اور ذات باری کا سوال ہوگا۔ **لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** آج کس کی حکومت ہے؟ آج کون بادشاہ ہے؟ اور خود ذات باری ارشاد فرمائے گی **لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ** (المومن 16) حکومت صرف اللہ کی ہے جو واحد ہے، سب پر غالب ہے، جس کی طاقت، جس کی قدرت اور جس کی حکومت کو زوال نہیں۔

لوگو! تمہیں چند روز کے لئے قوت و طاقت دی گئی ہے۔ تم ایک گلاس سے پانی پی سکتے ہو یہ اِس کی عطا کردہ اجازت ہے۔ اگر وہ چاہے تو لبوں پر آیا ہوا گھونٹ حلق سے اترنے نہ دے۔ پھر تم اسے از خود اتار نہیں سکتے۔ آج اس کی قدرت اور طاقت تمہیں مستعار ملی ہوئی ہے۔ کل جب تم یہاں سے رخصت ہو گے تو نہ تمہاری قیمتی گھڑی تمہارے پاس ہوگی نہ قیمتی انگوٹھی تمہاری انگلی میں ہوگی نہ تمہاری جاگیر ساتھ ہوگی نہ سرمایہ۔ اگر تم بہت خوش قسمت ٹھہرے تو دو کپڑے کفن کے اور دو گز زمین تمہیں نصیب ہو جائے گی۔ تمہارے گھر سے نکلنے کی دیر ہے تمہارے چھوڑے ہوئے مال و متاع پر وارث پہنچ جائیں گے۔ اور ایسا ہوتا رہے گا۔ یہ کارگاہِ

عالم تمہارے سامنے ہے لوگ چھوڑ چھاڑ کر چلے جا رہے ہیں۔

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے محفل کا ہے رنگ وہی
ساقی کی نوازش جاری ہے مہمان بدلتے رہتے ہیں

کرنے کا کام یہاں یہ ہے کہ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عالی ہو چکی۔ آج بھی نبوت انہی کی ہے۔ گزرے کل میں بھی نبوت انہی کی تھی جو کل آ رہا ہے اس میں بھی نبوت انہی کی ہوگی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ قیامت تک قائم رہے گی۔ تو اس سے بڑا بدنصیب کون ہوگا جو دنیا میں اتنا کھو گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچان سکے اور کیا بدنصیبی ہے کہ پھر بھی سب کچھ دنیا میں ہی چھوڑ کر چلا جائے گا کچھ بھی دنیا سے لے کر نہ جائے گا۔ **فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ارض و سما میں جو کچھ ہے صرف اللہ کا ہے **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا** اور یاد رکھو! اللہ کریم دانا تر ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے ہر شخص کو تھوڑی سی مہلت دے دی۔ کسی پر جبر نہیں فرمایا۔ ہر ایک کو اختیار دیا ہے اور پوری انسانیت کے سامنے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرما رہا ہے۔ قدم قدم پر رہنمائی فرما رہا ہے کہ دونوں جہانوں کی سلطنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ہے۔ اگر نہیں کرو گے تو اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا اپنے آپ کو تباہ کر لو گے اور دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقدر ہو جائے گی۔ اللہ کریم مسلمانانِ عالم کو کفر سے ظلم سے اور جہنم سے بچائے۔ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے کہ جس کی تعریف خود ذاتِ باری کرے اس کی عظمت سے ہم کیسے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ غالب نے کہا تھا۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ داں محمد صلی اللہ علیہ وسلم است

کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا کام اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ وہی ایک ذات ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کماحقہٗ کر سکتی ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

شرک کفر کی بدترین قسم ہے:

کفر کی بہت سی اقسام ہیں جن میں اشد ترین کفر ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی ذات اور صفات میں کسی

کوشریک کیا جائے۔ اس کفر کا فیصلہ اللہ کریم نے دنیا میں ہی سنا دیا ہے اور اسے یوم حشر پر موقوف نہیں رکھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء 48) کہ جس بندے نے شرک کیا پھر اس دنیا میں شرک سے تائب نہ ہوا اور اس کا خاتمہ شرک پر ہی ہوا اللہ کریم اسے معاف نہیں فرمائیں گے۔

شرک کا سبب بزرگوں کے مقام میں غلو کرنا ہے:

اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا کفر کی بدترین قسم ہے جو عموماً ایسے لوگوں سے صادر ہوتی ہے جو ایمان کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں اور یہ کتنی حسرتناک بات ہے کہ کسی کو ایمان نصیب ہو، وہ ایمان کا دعویٰ رکھتا ہو اور پھر وہ شرک میں بھی مبتلا ہو جائے۔ یہ بہت خوفناک انجام ہے۔ یہاں اس کی مثال عیسائیوں کے احوال سے دی گئی ہے۔ فرمایا: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ سے اہل کتاب! دین میں زیادتی اور غلومت کرو۔ اس میں کوئی بہتری نہیں کہ تم انبیاء کرامؑ کو ان کے صحابہؓ کو، اپنے بزرگوں کو یا اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو، اللہ کی ذات وصفات میں شریک کر لو اور اپنی طرف سے یہی سمجھو کہ بڑی نیکی کر رہے ہو۔ یہ نیکی نہیں ہے یہ بدترین کفر ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے۔ وہ خالق ہے باقی سب مخلوق ہیں۔ البتہ مخلوق میں اللہ نے خود مدارج رکھے ہیں۔ انبیاءؑ اعلیٰ ترین ہستیاں ہیں۔ انبیاءؑ میں بھی مدارج ہیں جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ 253) ہم نے رسولوں میں سے بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اللہ کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ کچھ دوسروں سے کم ہیں۔ بلکہ فرمایا بعض دوسروں میں فضیلت میں افضل ہیں یعنی سب اچھے ہیں اور ان میں سے بعض اور بھی اچھے ہیں۔

اہل اللہ کا صحیح مقام:

یہ انسانی کمزوری ہے کہ لوگ بزرگوں کو ان کے صحیح مقام پر نہیں رکھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بزرگوں میں اللہ کی صفات کو مانا جائے تو یہ ان بزرگوں کے لئے بڑی عظمت کی بات ہے اور یہی نہایت خطرناک رویّہ ہے جو بالآخر ایمان کو لے ڈوبتا ہے۔ پہلی امتیں اسی طرح گمراہ ہوئی تھیں اس لئے دین میں زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اہلِ اللہ کا صحیح مقام یہ ہے کہ ان پر تنقید نہ کی جائے اور ان کا احترام کیا جائے اور ان سے دین حاصل کیا جائے اس لئے کہ اہل اللہ تو انہیں کہا جاتا ہے جن کے پاس کیفیات قلبی ہوں۔ دین زبانی کلامی

باتوں کا نام نہیں۔ دین تو ان کیفیات کا نام ہے جو حضور اکرم ﷺ کی ذات پر ایمان لانے سے مومن کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ عظمت باری اور توحید باری دل میں راسخ ہو جاتی ہے۔ اہل اللہ اور بزرگ تو توحید باری کو دل میں بساتے ہیں وہ نہ تو اللہ کی ذات میں نہ اللہ کی صفات میں کسی کو شریک کرتے ہیں۔ یہ تو انسانوں کی کمزوری ہے کہ وہ بزرگوں میں اللہ کی صفات تسلیم کرنے لگتے ہیں۔ اسی بات سے روکا جا رہا ہے کہ دین میں اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو۔

دین میں زیادتی کرنا غلو کرنا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے:

دین اللہ کریم کا نازل کردہ ایک آئین و دستور ہے۔ اگر کوئی اپنی طرف سے بات گھڑ دے جو اللہ نے ارشاد نہیں فرمائی، اسے دین سمجھے اور اس کے دین ہونے کا اعلان کرے تو اس کا معنی ہے کہ وہ اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے۔ اللہ کے دین میں اپنے طور پر کوئی بات بنا کر یہ اعلان کر رہا ہے کہ اس پر عمل کرنا ثواب ہے، یہ نیکی ہے، یہ دین ہے تو یہ اتنی بڑی جرأت ہے کہ بندہ اللہ کریم کی طرف وہ بات منسوب کرے جو اللہ نے ارشاد نہیں فرمائی اور یہی اللہ کریم پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اسی بات سے منع فرماتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے **وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ** ؕ مت کہو اللہ کے بارے مگر صرف حق اور سچ۔

عہدِ صحابہؓ وہ زرین دور تھا کہ جس میں انسانیت کے صف اوّل کے لوگ جمع تھے۔ وہ جہاد میں بھی بہترین کارکردگی کے حامل تھے، کاروبار و تجارت میں بھی بہترین مثال تھے اور عبادات میں بھی ان کے ذوق کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک مرتبہ عیدگاہ میں لوگ جمع تھے ایک صحابیؓ نے اشراق کے نوافل ادا کرنے شروع کر دیئے۔ جب حضرت علیؓ عیدگاہ تشریف لائے انہوں نے ان صحابیؓ سے فرمایا کہ آپ کے یہ نوافل آپ کو دوزخ لے جانے کے لئے کافی ہیں اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے عید کے روز نہ اشراق کے نوافل پڑھے نہ پڑھنے کا حکم دیا۔ عید کے دن فجر کے بعد صرف عید کی نماز ہوتی ہے تو جس چیز کو حضور اکرم ﷺ نے نیکی نہیں فرمایا اسے آپؓ نے کیسے نیکی سمجھ لیا؟ ان صحابیؓ نے فوراً باقی نوافل چھوڑ دیئے اور تائب ہوئے۔ اس واقعے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی عمل کے نیکی یا بھلائی ہونے کی سند یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہو۔ یہ صرف اللہ کا اختیار ہے کہ وہ کیا حکم ارشاد فرماتا ہے اور کسے قبول فرماتا ہے۔ مرضیات باری بتانا منصب نبوت ہے۔ یہ کام صرف نبیؐ کا ہے تو پھر جو شخص کسی ایسی بات کو دین قرار دیتا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد نہیں فرمایا تو وہ اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اس نے اللہ پر جھوٹ بولا۔ سو فرمایا: تم نے یہ سمجھا کہ تم

بزرگوں کو بہت اونچا لے جاؤ گے تو شاید یہ نیکی ہوگی اور تم نے عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ یہ بہت بڑا جرم اور خلاف واقع بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ حضرت عیسیٰؑ جو حضرت مریم کے بیٹے ہیں۔ وہ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ وہ ایک ایسی ہستی ہیں جنہیں اللہ نے بغیر باپ کے، کلمہ حق سے، اپنے حکم سے پیدا فرمایا۔ اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا۔ لیکن وہ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں۔ اللہ کے رسولؑ ہیں۔ اَلْقٰہَاۤ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ ۫ اس کلمہ کو اللہ نے حضرت مریمؑ پر القاء کیا یعنی مریمؑ تک پہنچا دیا اور وہ اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں۔ ایک جان ہیں اور اللہ کے عظیم الشان رسولؑ ہیں۔ ان کی عظمت بہت بلند ہے لیکن وہ اللہ کا حصہ نہیں ہیں۔ اللہ کی اولاد نہیں ہیں۔ اولاد تو والد کے وجود کا حصہ ہوتی ہے۔ انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے۔ حیوان کی اولاد حیوان ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) اللہ کی اولاد ہوگی تو اس میں بھی اوصاف الوہیت ہوں گے۔ یعنی اللہ کا بیٹا بھی اللہ ہی ہوگا وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کے اوصاف بھی الوہیت کے ہوں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ ان چیزوں سے بالاتر ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کوئی اس جیسا ہو نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی اس جیسا ہے۔ لہٰذا یہ کوئی نیکی نہیں کہ آپ بزرگان دین کو اللہ کی ذات و صفات میں شریک کریں۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؑ پر۔

اپنی طرف سے باتیں گھڑنے کا نام دین نہیں:

دین نام ہے اللہ جل شانہٗ کی بات ماننے کا۔ دین اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی رضا مندی کا نام ہے۔ اللہ کی باتیں بتانا، اللہ کی پسند ناپسند بتانا، انبیاء کرامؑ کا منصب ہے اور انبیاءؑ و رسلؑ کی رفاقت اختیار کرنا انبیاءؑ کی تعلیمات کو قبول کرنا اور اس پر جم جانا دین ہے۔ انبیاءؑ کی باتوں کو ویسے قبول کرنا جیسا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا ہے اور اس کی غلط تاویلات نہ گھڑنا اور اپنی طرف سے دین ایجاد نہ کرنا دینداری ہے۔ لیکن ہماری بدنصیبی ہے کہ اب یہ مرض مسلمانوں میں بہت عام ہو گیا ہے۔ دو برائیاں بہت عام ہوگئی ہیں۔ ایک یہ کہ فرائض سے رسومات کو مقدم سمجھ لیا گیا ہے دوسری یہ کہ انبیاءؑ و رسلؑ کو بزرگان دین کو ان صفات کا حامل ماننا شروع کر رکھا ہے جو صرف اللہ کی صفات ہیں۔ ہمارے ہاں بے شمار لوگ ہیں جو فرائض پنجگانہ ادا نہیں کرتے، حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے، چھوٹے بڑے کی پرواہ نہیں کرتے لیکن رسومات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اہمیت کس کو حاصل ہے؟ ہم کس جیسا بننا چاہتے ہیں؟ ہمارے ہاں شادی پر ایسی بے شمار رسومات ہیں جن کا دین سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ شادی ہی نہیں موت پر ایسی بے شمار رسومات ہیں جن کی پابندی دینی امور کی طرح کی جاتی ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر نہ

کریں تو نک کٹی ہوگی۔ لوگ اچھا نہیں سمجھیں گے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ دین لوگوں کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے۔ دین اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کا نام ہے۔ اگر لوگ آپ سے خوش بھی ہوگئے اور اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ناراض ہوگیا تو لوگ آپ کا کیا سنوار لیں گے؟ اور ہم نے تو یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو مر جاتا ہے اسے دین کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ختم قرآن کرواؤ اور جو زندہ ہیں کیا انہیں قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا وہ بھی جب مریں گے تب ہی دیکھا جائے گا کہ انہیں دین کی ضرورت ہے؟ زندگی میں ہوش وحواس کے ساتھ عظمت الٰہی اور صداقت پیغمبر ﷺ کو قبول کرنے کا نام دین ہے۔ مومن کو اتباع رسالت ﷺ میں پورے خلوص کے ساتھ پوری محنت کرنی چاہیے۔ پھر بتقاضائے شریعت غلطی ہو جاتی ہے، کمی رہ جاتی ہے یا کیفیات قلبی کم ہو جاتی ہیں تو یہ انسانی کمزوریاں ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی رحمت و بخشش کافی ہے وہ کریم ہے، غفورٌ رحیم ہے اور بہت معاف کرنے والا ہے۔ لیکن اگر ارادے ہی بدل جائیں، مطمع نظر ہی کچھ اور ہو جائے تو بندہ رسومات کو دین پر مقدم رکھتا ہے۔ بزرگوں میں خدائی صفات مانتا ہے۔

اللہ کی ذات اتنی کریم ہے کہ اس نے اپنی بارگاہ کا دروازہ ہر لحہ کھلا رکھا ہوا ہے اور ہر شخص کے لئے کھلا ہے بلکہ اس کے در کے خادم دن میں پانچ مرتبہ بلاتے ہیں۔ ہر کس و ناکس کو، امیر و غریب کو، فقیر و شاہ کو، جس کے بھی دل میں ایمان ہے اس کو دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ اللہ کی بارگاہ میں اپنے مسائل لے آؤ۔ اپنی ضرورتیں پیش کرو۔ اپنے مصائب بیان کرو۔ اللہ سے مدد مانگو۔ شفا مانگو۔ حاجت براری کی درخواست کرو۔ اس کی بارگاہ کھلی ہے اس سے خود بات کرو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نمازی کے آگے سے مت گزرو۔ **فَانَّهٗ یُنَادِی رَبَّهٗ** (صحیح بخاری) وہ اپنے پروردگار سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ اس ارشاد پاک کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے مت گزرو اس وقت وہ اپنے رب العالمین سے اپنا دکھ سکھ بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اپنی گزارشات پیش کر رہا ہوتا ہے۔

قبولیت دعا کی ایک چھوٹی سی شرط:

اپنی پوری کوشش اللہ کے حکم کی بجا آوری پر صرف کر دینے سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ جب بندہ اللہ کی اطاعت میں مصروف ہو تو رب مانگنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ** میرے حبیب ﷺ! جب میرے

بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو انہیں بتا دیجئے کہ تمہارے سب سے زیادہ قریب میں ہوں۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جو دعا مانگتا ہے میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں لیکن ایک چھوٹی سی شرط ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرہ 186) تم بھی تو میری بات مانو۔ تم مخلوق ہو کر اپنی منواتے ہو۔ تم مخلوق ہو، میں خالق ہوں۔ تم ہر لحہ میری نعمتیں استعمال کر رہے ہو۔ ایک ایک سانس میرا عطا کردہ ہے۔ تمہارا وجود، تمہاری روح، تمہاری جان، تمہارا مال، اولاد، عزت و آبرو، جن چیزوں پر تم فخر کرتے ہو یہ سب میری عطا کردہ ہیں اور تم میری بات سننے کو تیار نہیں ہو۔ اپنی منوانا چاہتے ہو!

بندہ کب اپنی منوانا چاہتا ہے؟ جب وہ اللہ سے دور ہو۔ لیکن اللہ تو دور نہیں ہے۔ تو پھر بندے کو دور کیوں محسوس ہوتا ہے؟ اس لئے کہ اس کے اور ہمارے درمیان ہماری ذات آڑ بن جاتی ہے۔ ہمارے ایک ساتھی تھے۔ سیالکوٹ کے تھے۔ اچھے قابل ڈاکٹر تھے۔ بہت اچھے نیک آدمی تھے۔ شام کو مطب میں بیٹھتے تھے۔ ان کے کلینک کے پاس مسجد تھی۔ میں نے وہ واحد شخص دیکھا کہ جیسے ہی موذن کی آواز آتی وہ اسی لمحے اپنا قلم نسخے پر چھوڑ دیتے اور مسجد روانہ ہو جاتے۔ مریض کہتے کہ نسخہ تو مکمل کرتے جائیں تو وہ کہتے تھے کہ میری یہ جرأت نہیں کہ اللہ کا قاصد کہے کہ آؤ اللہ کی بارگاہ میں اور میں کہوں کہ میں نسخہ لکھ کر آتا ہوں۔ ایک دن میرے ساتھ سحری کا ذکر کر کے گھر چلے گئے لیکن جلد ہی واپس آ گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے اور ذات باری کے درمیان کیا حجاب ہے کہ ہمیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کو تلاش کرو۔ میں نے کہا اللہ نے کوئی پردہ یا حجاب نہیں رکھا وہ تو کہتا ہے کہ وہ اپنے بندے کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ انسانی وجود ذرات سے مل کر بنا ہے۔ ان ذرات میں سے کتنوں کو وہ موت دے دیتا ہے۔ کتنوں کو زندگی بخشتا ہے کتنے نئے پیدا کرتا ہے۔ ان سب پر اس اکیلے کا تصرف ہے۔ وہ تو انسان کے وجود کے ایک ایک ذرے کے ساتھ موجود ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ہم خود حجاب ہیں۔ ہم اپنی اَنا میں گرفتار ہیں۔ اپنے آپ میں کھوئے ہوئے ہیں۔ کوئی کام سنور جائے تو ہم اسے اپنی عقلمندی کہتے ہیں۔ اور کچھ بگڑ جائے تو اسے اللہ کے ذمے لگا دیتے ہیں۔

کام بن جائے تو یہ شان تدبیر کی ہے
اور بدل جائے تو خطا کاتب تقدیر کی ہے

جس طرح کسی بگاڑ پر کہا جاتا ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی تھا اسی طرح کسی کمال پر بھی کہو کہ یہ میرا کمال نہیں ہے یہ اللہ نے کیا ہے۔ اس میں کو درمیان میں سے ہٹا دیں تو باقی کیا بچے گا؟ ہر کام میں سے اس میں کو ہٹا دیں تو پھر ہر کام پر منہ سے نکلے گا کہ اللہ نے کیا ہے۔ وہی کارساز ہے۔ کائنات اسی کی ہے۔ وہی سب کچھ کرتا ہے۔ اس نے خود ہی استعداد بانٹی ہے۔ وہی کام کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ دنیا میں ہر کام وہی کرتا ہے کسی نہ کسی کو سبب بنا دیتا ہے۔ فاعل حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے۔

یہ ایمان ویقین انبیاءؑ کے پیچھے پیچھے چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔ دین میں اپنی مرضیات داخل کرنے سے نہیں مل سکتا۔ انبیاء کرامؑ کی عزت عظمت کا احساس کرنا۔ اطاعت واتباع کرنا دین ہے۔ اللہ کو پانے کا واحد ذریعہ اتباع پیغمبر ﷺ ہے۔ اتباع پیغمبر ﷺ کے لئے ماننے والے کے دل میں مقام نبی ﷺ کا ادراک لازم ہے۔ بارگاہ نبوت نازک مقام ہے۔

انبیاءؑ کی عزت وعظمت ایمان کا حصہ ہے:

بارگاہ نبوت اتنا نازک مقام ہے کہ علماء کا فیصلہ ہے کوئی نبیؑ کے بارے میں کوئی ایسا ذومعنی جملہ کہہ دے کہ جس میں یہ احتمال ہو کہ سننے والے نے یہ سمجھا کہ اس میں توہین کا پہلو اُجاگر ہوا ہے۔ تو جملہ کہنے والے کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں موجود ہے۔ فرمایا: **لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا** (البقرہ آیت 104) بارگاہ نبوت میں کبھی راعنامت کہو بلکہ کہو کہ ہماری طرف نظر کرم فرمائیے۔ توجہ فرمائیے۔ اس آیت میں یہ سبق ہے کہ یہود نے نبی کریم ﷺ کی دشمنی میں لفظ راعنا کو کھینچ کر پڑھا جس کا معنی چرواہا بنتا تھا۔ گویا وہ اس لفظ کو بگاڑ کر بولنے سے نبی کریم ﷺ پر طنز کرتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں بلکہ آپ تو ایک چرواہے ہیں۔ اس پر اللہ کریم نے آپ ﷺ کے لئے اس لفظ کا استعمال ممنوع قرار دے دیا۔ مسلمان تو اس لفظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرتے تھے اور ان کی اس لفظ سے مراد بھی صحیح تھی۔ لیکن اللہ پاک نے ایسے ذومعنی لفظ کا استعمال ہی ختم کروا دیا کہ ایسا لفظ ہی آپ ﷺ کے لئے استعمال نہ کیا جائے جس کے کسی معنی سے توہین رسالت کا پہلو نکلتا ہو۔ تو انبیاءؑ کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی ایسا جملہ بھی استعمال نہ کیا جائے جس سے سمجھنے والا توہین کا پہلو سمجھے۔ اگر زبان وبیان میں اس قدر نزاکت ہے، اتنی احتیاط کی ضرورت ہے تو پھر اللہ کے نبیؑ کے لائے ہوئے دین میں اپنی مرضی داخل کرنا کیا معنی؟ نبیؑ کی پیروی کرنا اور خلوص دل سے اتباع کرنا ہی دین ہے اور اسی میں خرابی آجائے تو دین نہیں رہتا تو عظمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ کسی نبیؑ ورسولؑ کو

بھی اس کی ذات وصفات میں شریک نہ کیا جائے۔ نبیؑ عظیم ہستی ہے۔ اس کی اپنی عظمت ہے وہ اللہ کا محبوب ہے لیکن اس کا بندہ ہے اور مخلوق ہے۔ اللہ خالق ہے وحدہٗ لاشریک ہے۔

اپنی طرف سے عقائد ونظریات ایجاد کرنا دین میں زیادتی ہے:

فرمایا: ان بدبختوں نے یہ سمجھا کہ نبیؑ کو اللہ کا بیٹا کہیں تو تو یہ بڑی نیکی ہوگی اور نبیؑ کی عظمت ہوگی اور اللہ اس پر راضی ہوگا۔ یہود نے بھی یہی کہا **عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ** (التوبہ آیت 30) حضرت عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس آیت میں ان عقائد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: **لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ** دین میں زیادتی نہ کرو۔ یقیناً حضرت عیسیٰؑ اللہ کے رسول ؑ اور حضرت مریمؑ کے بیٹے تھے۔ اللہ کا وہ کلمہ تھے جو اللہ نے مریمؑ پر القاء فرمایا۔ لہٰذا **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ یعنی اپنی طرف سے کوئی بات دین میں داخل نہ کرو جو اللہ نے فرمایا اور اللہ کے رسولوں نے بتایا اسے قبول کرو **وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ** اور تین خداؤں والی بات چھوڑ دو۔ **اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ** توبہ کرلو، باز آجاؤ، وہ بڑا کریم ہے۔ کوئی کتنا ہی گناہگار رہو، گمراہ ہو، کافر ومشرک ہو یا بے دین ہو۔ کسی وقت خلوص دل سے توبہ کرلے تو اس کا توبہ کرنے کا عمل اس کے تمام گزشتہ گناہوں کو معاف کردینے کے لئے کافی ہے۔ اس کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن اگر وہ اپنے گناہوں پر مصر رہا اور اسی پر اسے موت آگئی تو پھر اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ **اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** وہ وحدہٗ لاشریک معبود برحق ہے۔ کوئی دوسرا اس کے علاوہ عبادت کا مستحق نہیں۔ **سُبْحٰنَهٗٓ** اور وہ پاک ہے۔ تمام انسانی تخیلات، انسانی رشتے جو تم نے بنا رکھے ہیں وہ تمہارے اپنے ذہن کی ایجاد ہیں۔ اللہ کی ذات ان تمام باتوں سے بہت بلند ہے **اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ** وہ اس بات سے بہت بلند ہے کہ کسی کو اس کی اولاد مانا جائے۔ **لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ سب اس کی مخلوق اور اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾** اور وہ اکیلا کارساز کافی ہے۔ تمام امور کو انجام دینے کے لئے وہ اکیلا ہی کافی ہے۔ سارا نظام وہ اکیلا چلا رہا ہے۔ ہر ذرے پر اس کی اپنی گرفت ہے اور سارے نظام کو وہ اپنی قدرت کاملہ سے اکیلا چلا رہا ہے۔

سورہ النساء رکوع 24 آیات 172 تا 176

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ
الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ
فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا
يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ
وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ
وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا
وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا
اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

مسیح ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے۔ ﴿۱۷۲﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں

نے اچھے کام کیے ہوں گے تو اُن کو ان کا پورا ثواب دیں گے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے اور جن لوگوں نے عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا تو ان کو سخت سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پائیں گے ﴿۱۷۳﴾ اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے ﴿۱۷۴﴾ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کو مضبوط پکڑا۔ سو ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کریں گے اور اپنے فضل میں اور اپنے تک ان کو سیدھا راستہ بتا دیں گے۔ ﴿۱۷۵﴾ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مر جاوے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے ایک (عینی یا علاتی) بہن ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اُس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اگر وہ بہن مر جاوے اور اس کے اولاد نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں اور اگر بہنیں دو ہوں یا زیادہ تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر وارث بھائی، بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر، اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لیے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ ﴿۱۷۶﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

مقربین بارگاہ کو اللہ کا بندہ ہونے پر عار نہیں فخر ہوتا ہے:

اللہ کے مقرب بندے اللہ کی عظمت کا اقرار کرنے اور اس کی عبادت کرنے کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ میں یہی ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ جہاں تک عیسیٰؑ کی بات ہے تو عیسیٰؑ کو اللہ کا بندہ اور اس کا عبادت گزار ہونے پر عار نہیں فخر ہوگا۔ وہ اللہ کے نبی اور رسولؑ ہیں۔ انہیں اللہ کی عظمت کے اقرار پر فخر ہے۔ لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَلَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ اور

ملائکہ مقربین بھی اللہ کی عبادت کو اپنے لئے عار نہیں سمجھتے بلکہ عبادت پر فخر کرتے ہیں وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾ کوئی عبادت کرنے کو عار سمجھتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس میں اپنی انا بھر گئی ہے۔ اس میں کفر بھر گیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ خود کو بہت بڑا سمجھتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کو ہم ایک جگہ جمع فرمائیں گے پھر پتہ چل جائے گا کہ اللہ کی عبادت اور انبیاءؑ کے اتباع کا انعام کیا ہے؟ اور اپنی ذاتی رائے پر عمل کرنا، خود کو بہت بڑا سمجھنا، احکام الٰہی پر اپنی رائے کو فوقیت دینا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کفر کرنا اور نافرمانی کرنا، اس سب کا انجام کیا ہے۔ اسی میدان میں جہاں سب کو جمع کیا جائے گا وہاں یہ انجام سب کے سامنے آجائے گا۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ آدمؑ سے لے کر ان آخری افراد تک جن پر قیامت قائم ہوگی، ساری انسانیت کو ہم ایک میدان میں جمع کریں گے۔ وہاں لوگوں کے صرف دو طبقے ہوں گے۔ اطاعت گزار یا نافرمان۔ مومن یا کافر۔ آج بھی دنیا میں دو ہی قومیں ہیں۔ مومن یا کافر۔ کفر کی کئی اقسام ہیں۔ کوئی مشرک ہے کوئی منافق ہے اور کوئی کافر۔ ایمان میں اقسام نہیں ہیں۔ مومن ماننے والے ہیں اور بس۔ اسلام میں جو فرقے بنائے گئے ہیں وہ لوگوں کو تقسیم کر کے اپنے لئے ذریعہ معاش کا طریقہ نکالا گیا ہے۔ یہ بڑی بدبختی ہے کہ مذہبی قیادت نے لوگوں کو آپس میں لڑا کر اپنے اپنے گروپ بنالئے ہیں۔ بجائے مذہب کی تبلیغ کے اپنی بڑائی کا پرچار کیا جاتا ہے۔ مومن سارے مومن ہیں اور جو مومن نہیں ہیں وہ لوگ کافر ہیں۔ درمیان میں ایک قسم ہے جسے منافق کہتے ہیں۔ منافق وہ ہے جس کا دعویٰ ایمان کا ہو۔ لیکن کردار کافر کا ہو حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی کو جن باتوں پر یقین ہو ان پر وہ عمل کرتا ہے اور آدمی کا کردار ہی ثابت کرتا ہے کہ اسے اپنے دعوے پر اعتبار ہے یا نہیں۔ اسلئے جہاں بھی ایمان کی بات آتی ہے وہاں عملِ صالح کی شرط بھی ملتی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی جو ایمان لاتے ہیں وہ اس ایمان کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔

عمل کی صلاحیت کا معیار کیا ہے؟

عمل کی صلاحیت کا معیار محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ جس چیز کو آپ ﷺ نے اچھا کہا وہ اچھی ہے۔ جس کام کو آپ ﷺ نے اچھا کہا وہ اچھا ہے۔ جس کام کو حضور اکرم ﷺ نے بہتر کہا وہ بہتر ہے۔ جسے حضور اکرم ﷺ نے ردّ فرمادیا، وہ مردود ہے۔ کون سا عمل صالح ہے اور کون سا غیر صالح ہے؟ یہ متعین کرنا نبی کریم ﷺ کا کام ہے۔ جو کام حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق ہے وہ صالح ہے اور جو حضور

اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف ہے وہ غیر صالح ہے۔

فرمایا: جن لوگوں کو نورِ ایمان نصیب ہوا اور جنہیں اپنے ایمان کے مطابق عمل کی توفیق بھی نصیب ہوئی فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ اللہ انہیں اس نیک عمل کا بدلہ تو دے گا ہی وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ اپنی مہربانی سے اس پر زیادہ عطا کرے گا۔ اور کتنا بڑھا کر عطا کرے گا اس میں کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ اسے اپنی عظمت پر چھوڑ دیا ہے۔ یہ اسکی اپنی عظمت ہے اور اس کا اپنا فیصلہ ہے کہ کتنا مزید دیتا ہے اور کتنا وافر انعام کرتا ہے۔ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا اور جس نے عار سمجھا اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول ﷺ کو وہ اپنی اَنا میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے تکبر کیا کہ زندگی تو میری اپنی ہے اپنی مرضی سے گزاروں گا کسی کے پیچھے چلنا گوارا نہیں اور اس نے اتباعِ نبیؐ کو عار سمجھا کہ اس طرح تو ہماری بدنامی ہوگی تو ایسے لوگوں کو اللہ دردناک عذاب دے گا۔ عذاب تو ویسے ہی تکلیف دہ ہے پھر اس پر دردناک کہہ کر اس کی تکلیف کو کس قدر بڑھا دیا گیا۔ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا اور کوئی ان کی مدد کرنے والا، پوچھنے والا بھی نہیں ہوگا۔ کوئی ان کا دکھ محسوس کرنے والا یا دعا کرنے والا یا ہمدردی کرنے والا نہیں ہوگا۔ ان کی کتنی بدنصیبی ہوگی کہ کوئی ان کا حال جاننے کی کوشش کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا دین نام ہے اللہ کی اطاعت، اللہ کی عظمت کا اقرار زبان سے، دل سے اور کردار سے اور اتباعِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔ اور اگر کسی کا کردار اس کی صداقت پر گواہی نہیں دیتا تو آئمہ اربعہ میں سے تین کا فرمان ہے کہ اگر وہ اسی حالت میں مر جائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ صرف امام ابوحنیفہ اتنی رعایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی زبان سے دعویٰ اسلام کرتا ہے اور اس کے عمل میں بہت کوتاہیاں ہیں تو وہ پھر بھی مسلمان ہے اس لئے کہ اسلام کا دعویٰ کرنا بھی ایک عمل ہی ہے۔ لہٰذا اسے عمل شمار کر لیا جائے۔ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔

آج تو نرا دعویٰ اسلام رہ گیا ہے۔ لوگ ساری زندگی دین کی پرواہ نہیں کرتے۔ حرام و حلال کی پرواہ نہیں ہوتی بلکہ اب تو نئی بات یہ آگئی ہے کہ سود کو سود نہ کہا جائے بلکہ منافع یا مارک اپ کہا جائے۔ اس منطق سے تو سب حرام چیزیں حلال ہو جائیں گی۔ خنزیر کا نام بکرا رکھ دیا جائے تو خنزیر حلال نہیں ہو جائے گا۔ نام بدلنے سے اگر حیثیت بدل جاتی تو پھر کسی چیز میں حُرمت کی کوئی قید نہ رہے۔ آج دین میں تبدیلی کرنے کی یہ بہت بڑی جرأت ہے۔ شریعت کا اصول تو یہ ہے کہ حرام کو حرام سمجھ کر کھانا گناہ ہے، فسق ہے اور حرام کو حلال سمجھ کر کھانا کفر ہے۔ اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کہنا کفر ہے۔ کسی حرام کو حرام سمجھ کر کھانا گناہ ہے۔ کھانے

والا گناہگار رہے کافر نہیں۔ گناہ کا احساس رہے تو کوشش کرنے سے کوتاہی دور کرنے سے اللہ کریم بخشش کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اس کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن زندگی بھر پرواہ ہی نہ کرنا یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ہمیں عملی زندگی میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہمارا اللہ پر اعتماد ہے اللہ پر ایمان ہے۔ ایمان تو نام ہی محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتماد و اعتبار کا ہے کہ جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہی سچ ہے وہی ٹھیک ہے وہی بہترین ہے میری سمجھ میں آیا یا نہیں آیا۔ لوگ کیا کہتے ہیں؟ یہ لوگوں کی رائے ہے لیکن میں نے حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرلیا اب میں وہی کروں گا جو آپ ﷺ فرمائیں گے۔ پھر اگر عملی زندگی میں کوتاہی ہو جائے تو اللہ بخشش عطا فرمانے والا ہے اور اصلاح کی توفیق دینے والا ہے۔

ہم کیسے لوگ ہیں ایک ایک پیسے کے لئے دن بھر مشقت کرتے ہیں۔ دو وقت کی روٹی کے لئے ساری رات چوکیداری کرتے ہیں۔ لیکن دین سمجھنے کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں۔ ہمیں کوئی احساس نہیں کہ دینی امور، احکام شریعت، فرائض، واجبات اور سنن کی حفاظت کے لئے بھی ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔ اس دنیا کی زندگی بالکل وقتی اور لمحاتی ہے۔ ہمارے پاس کوئی ضمانت نہیں کہ جو جملہ ہم ادا کر رہے ہیں وہ مکمل بھی کر پائیں گے یا موت آجائے گی۔ لمحوں میں دنیا بدل جائے گی، موت آجائے گی تو لوگ لباس اتارلیں گے۔ گھڑی، انگوٹھی اتارلیں گے۔ گاڑیاں اور گھر تقسیم ہو جائیں گے۔ دو ان سلی چادریں ہوں گی اور منوں مٹی کے نیچے دفن ہوں گے تو جس چیز کو یوں لمحوں میں چھوڑ کر چلے جانا ہے اس کے لئے کتنی مشقت ہوتی ہے اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے اسکے لئے فرصت ہی نہیں تو یہ کتنی بدنصیبی کی بات ہے۔

اسلام کسی کی جاگیر نہیں ہے۔ ہر آدمی کے لئے دعوت دین عام ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات رحمۃ للعالمین ہے۔ جو بھی خلوصِ دل سے توبہ کرے اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ سنت کرے وہی کامیاب ہے اور جس نے تکبر کیا، اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت سے عار کی، اس کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ مددگار وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ پس منظر یہ تھا کہ مشرکین عرب، کفار اور منافقین کہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کا دعویٰ نبوت بالکل نئی بات ہے۔ مرور زمانہ سے بہت سی باتیں از خود ختم ہو جاتی ہیں۔ آخر یہ دین بھی ختم ہو جائے گا۔ اس پر اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! یہاں صرف اس وقت کے کفار و مشرکین کو ہی خطاب نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد قرآن کا حصہ ہے جو تمام زمانوں کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ اس آیت میں روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کو جو بعثتِ عالی سے لے کر آج تک آئے اور گزر گئے اور قیامت تک آنے والے تمام افراد انسانیت کو خطاب

ہوا ہے۔سب کو پکار کر کہا گیا ہے کہ اے اولا د آدمؑ ! **قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے پاس رب العالمین کی طرف سے بہت واضح دلیل آچکی ہے۔ **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا** اور ہم نے تم پر روشنیاں بکھیرنے والا نور نازل فرما دیا ہے۔ ایسا نور جو بالکل واضح ہے اور جس کے سمجھنے اور ماننے میں کوئی عقلی یا نقلی دلیل حائل نہیں ہے سوائے انسان کی بدبختی یا بدقسمتی کے۔

عظمتِ الٰہی کی سب سے بڑی دلیل محمد رسول اللہ ﷺ ہیں:

اللہ کی عظمت کی، اللہ کی خالقیت کی، اس کے مالک و مختار ہونے کی اس کے معبود برحق ہونے کی، آخری و پہلی اور سب سے بڑی دلیل ہے آقائے نامدار ﷺ کا بتا دینا۔ بعثتِ آقائے نامدار ﷺ کے بعد کوئی دوسرا دین، دین نہیں ہے۔ صرف نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان اور اتباع کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ کفر ہے۔ اسلام نہیں۔ اسلام قبول کرنے کی مکلف ساری انسانیت ہے۔ روئے زمین پر سانس لینے والا ہر شخص اور قیامت تک آنے والا ہر بندہ قیامت تک اس بات کا مکلف ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی دعوت کو خلوصِ دل سے قبول کرے اور اتباعِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی پوری ہمت لگا دے۔

انسان درجہ بدرجہ کمال کی طرف بڑھتا ہے۔ ہر درجے کے اپنے تقاضے ہیں۔ جب وہ مادی دنیا میں آتا ہے تو اس کا وجود مادی ہے اور مکلف بالذات براہِ راست بدن ہے۔ روح اس کے اندر ہے تو وہ بدن کی ضروریات کو تو فوراً محسوس کرتا ہے لیکن جب تک وہ بالغ نہیں ہوتا، اس کی عقل سلامت نہیں ہوتی تب تک اسے روح کے تقاضوں کی سمجھ نہیں آتی۔ اسی لئے نابالغ بچے شریعت کے پابند نہیں ہوتے۔ مادی تقاضے کا مطالبہ تو بچہ پیدا ہونے کے بعد ہی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ دودھ کے لئے شور کرتا ہے، بیمار ہو تو روتا، چلاّتا ہے لیکن روحانی تقاضوں کی اسے سمجھ نہیں آتی۔ جیسے ہی بچہ بلوغت میں قدم رکھتا ہے اس کی عقل میں پختگی آجاتی ہے تو اسے یہ شعور وادراک بھی نصیب ہو جاتا ہے کہ صرف بدن ہی نہیں اس کے ساتھ اس کی روح بھی ہے۔ بدن کو صاف ستھرا، صحت مند اور سلامت رکھنا لازمی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ روح کی سلامتی اور صحت مندی بھی ضروری ہے۔ اگر مادی وجود کی خواہشات پر ہی فریفتہ ہو گئے تو پھر زندگی یہی دنیا کی ہے۔ لیکن جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں تو پھر پتہ چلتا ہے کہ حقیقی زندگی اس مادی دنیا کی زندگی نہیں بلکہ یہ تو ایک عرصہ امتحان ہے، آزمائش کا وہ دور ہے جس میں بندہ اپنی ابدی اور دائمی زندگی کی تعمیر کرتا ہے۔ اپنے لئے گھر بناتا ہے، سامان جمع کرتا ہے، آرام کے وسائل جمع کرتا ہے اور یہ سارا کچھ اسی دارِ دنیا میں کرتا ہے تاکہ اس کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کے کام آئے۔ فرمایا اب کسی آنے والے کا انتظار نہ کرو۔ آنے والا آچکا،

تشریف لانے والا تشریف لا چکا ہے جو عظمتِ الٰہی کی سب سے بڑی دلیل ہے، محمد رسول اللہ ﷺ۔

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے زمانے میں ایک منطق کے ماہر تھے۔ بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ وہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں ذکر اذکار اور اللہ اللہ سیکھنے گئے۔ انہوں نے فرمایا منطق چھوڑ دو تو میں تمہیں اللہ اللہ سکھا دوں گا کہ منطقی دلائل سے تصوف کی سمجھ نہیں آتی یہ تو کرنے کا کام ہے۔ بہر حال ان کا وقت آخر آ گیا۔ شیطان نے منطقی مناظرہ شروع کر دیا۔ وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لئے جو دلیل دیتے شیطان اس سے زیادہ وزنی دلائل سے اِسے ردّ کر دیتا تھا۔ آخر شیخ جیلانیؒ نے فرمایا کہ تم کس مخمصے میں مبتلا ہو۔ سادہ سی بات کیوں نہیں کہتے کہ مجھے محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اس ایک دلیل سے شیطان مردود بھاگ گیا تو دین میں سب سے پہلی اور آخری دلیل حضور اکرم ﷺ کا فرما دینا ہے۔

ایک ہستی کو ماننا عقل کی مجبوری ہے:

ادیانِ باطلہ میں بھی عقلاً ایک ایسی ہستی کو آخر کار ماننا پڑتا ہے جو سب پر غالب ہے۔ اگر کسی کو اولاد دینے والا مانتے ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ اسے کس نے پیدا؟ کیا پھر اس کا پیدا کرنے والا ماننا پڑتا ہے۔ اسی طرح اس نے اس کو اور اس کو کسی اور نے پیدا کیا۔ آخر میں ایک ہستی ماننا پڑتی ہے جسے کوئی پیدا نہیں کرتا اور وہ سب کو پیدا کرتا ہے۔ اس طرح آخری ہستی کو ماننا عقل کی مجبوری ہے۔ علامہ اقبال نے یہی کہا تھا کہ

"خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ الا اللہ تو کیا حاصل"

عقل تو تھک ہار کر کہے گی کہ اللہ ایک ہے۔ آخری ہستی وہی ہے۔ لیکن اس ماننے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

"دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں"

دلی تصدیق شرط ایمان ہے' دل کیسے مانتا ہے؟

جب تک دل نہ مانے ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ دل مانتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے بتانے اور منوانے سے۔ زبان سے ماننا اور دل سے ماننا یہ صرف حضور اکرم ﷺ کے منوانے سے ممکن ہوتا ہے۔ برکاتِ نبوت کے دل میں در آنے سے دل مانتا ہے اور یہی فرق ہے نبیؐ کی تعلیم میں اور غیر نبی کی تعلیم میں، کوئی استاد، علم لکھنا، پڑھنا سکھا سکتا ہے۔ تاریخ، جغرافیہ، حساب، سائنس پڑھا سکتا ہے۔ لیکن یہ سب کیا ہیں؟ معلومات ہیں۔ معلومات سکھائی، پڑھائی جاتی ہیں۔ لیکن اللہ کا رسولؐ جب کوئی ایک لفظ بھی ارشاد فرماتا ہے تو اس کی کیفیت بھی دل میں اُتر جاتی ہے۔ بندہ اس بات کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔ جب عقل اللہ کو مانتی ہے تو تھک ہار کر مانتی ہے۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں تو دل میں توحید باری کی

ایک کیفیت آ جاتی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ جب کسی بات کو کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اس کے کرنے کی ایک لذت دل میں محسوس ہوتی ہے اور بندہ ارشاد کی تعمیل میں یوں سرگرم ہو جاتا ہے کہ خواہ دنیاوی طور پر جان چلی جائے اسے تعمیل ارشاد میں ہی لذت محسوس ہوتی ہے صحابہ کرامؓ اس کی خوبصورت مثالیں ہیں ایک مرتبہ آپ ﷺ نے چند صحابہ کرامؓ کو تبلیغ کے لئے بھیجا۔ جو لوگ صحابہ کرامؓ کو لینے آئے وہ منافق تھے۔ دھوکے سے لے گئے اور راستے میں شہید کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کو بہت دکھ ہوا۔ انہی شہداء میں ایک صحابیؓ تھے جنہیں دشمن نے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ ان کے سینے سے پار ہو گیا اور وہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ ان کے لبوں سے جو آخری الفاظ ادا ہوئے وہ یہ تھے ''فزت ورب الکعبہ'' رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ قاتل اس جملے سے پریشان ہو گیا اس لئے کہ عہد جاہلیت میں بھی لوگ رب کعبہ کی جھوٹی قسم نہیں کھاتے تھے۔ اس جملے نے اسے سخت پریشان کر دیا اس نے بہت سوچا اسے اپنے سوال کا جواب نہ ملا۔ پھر اس نے اس اذیت سے نجات پانے کے لئے مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ مدینہ منورہ میں فضاء مغموم تھی۔ آپ ﷺ کو صحابہؓ کی شہادت کا صدمہ تھا اور صحابہؓ جلال سے پُر تھے کہ اسی اثنا میں یہ خبر پہنچ گئی کہ صحابہؓ کے قتل میں ملوث شخص مدینہ کی جانب آ رہا ہے۔ صحابہؓ نے اجازت چاہی کہ اسے مدینہ سے باہر ہی قتل کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ آ رہا ہے تو اسے میرے تک پہنچنے دو۔ وہ حاضر ہوا تو پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا کہ اس سوال کا جواب پوچھنے آیا ہوں کہ میرے ہاتھوں قتل ہونے والا جاتے ہوئے یہ کہہ گیا کہ وہ جیت گیا تو یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ بات تم تب سمجھ سکو گے جب تمہیں نورِ ایمان نصیب ہوگا۔ بحالتِ کفر اس لذت کی سمجھ نہیں آتی کہ جب دل اللہ کو مانتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ کے کہنے پر مانتا ہے تو اللہ کا جمال دل میں آ جاتا ہے۔ جب تم نے اس بندہ مومن کو قتل کیا تو وہ یوں جیت گیا کہ اس کی زندگی بھر کی خطائیں معاف ہو گئیں اور شہادت کے باعث اپنی تمام نیکیوں کا کئی کروڑ گناہ اجر مزید پا گیا۔ اللہ کی بارگاہ میں کامیاب ہو گیا۔ واصل باللہ ہو گیا ظاہری موت نے اسے زندہ جاوید کر دیا۔ یہی اس کی جیت ہے۔ یہ سن کر اس شخص کے دل کی حالت بدل گئی۔ اسے بھی نورِ ایمان نصیب ہو گیا۔ اسے بھی سمجھ آ گئی کہ حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ فرمایا: اب وقت کے گزرنے کا انتظار نہ کرو۔ یہ دین ہمیشہ کے لئے آیا ہے۔ اللہ کا نبی ﷺ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ جسے تشریف لانا تھا وہ آ چکا ہے اس کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ کوئی نئی نبوت نہیں آئے گی۔ کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی۔ کوئی نئی دعوت الی اللہ نہیں آئے گی۔ کسی پر نئی وحی نازل نہیں

ہوگی۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور یہ ہستی رب العالمین کی طرف سے مبعوث ہوئی ہے۔ رب وہ ہستی ہے جو پالن ہار ہے۔ جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر جگہ پوری فرمانے والا ہے۔ انسان کی ضروریات میں سے سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ اس عالم آب و گل میں کوئی اسے روح اور روحانی ضروریات، ایمان اور اس کے تقاضے، بتائے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت عطا کرے۔ اس ضرورت کو پورا کرنا اس کی ربوبیت کا تقاضا تھا۔ لہٰذا اس نے آقائے نامدار ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ نے کتنی عظیم الشان ہستی کو مبعوث فرمایا کہ جب تک دنیا قائم ہے ہر آنے والے کی رہنمائی کے لئے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ عالی موجود ہے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ آپ ﷺ کی برکات اور آپ ﷺ کی تعلیمات موجود ہیں۔

اللہ کی کتاب اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ رہنمائی کے لئے موجود ہے:

اللہ نے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو نور بانٹنے والا روشنیاں تقسیم کرنے والا بنایا اور آپ ﷺ پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ قرآن حکیم نازل فرمایا جو قیامت تک کے لئے ضوفشانی کرتا رہے گا۔ آپ ﷺ کی ذات سے اور کتاب الٰہی سے قیام قیامت تک ہدایت کی شمعیں جگمگاتی رہیں گی۔ نور تقسیم ہوتا رہے گا۔ انوارات برستے رہیں گے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

عام مشاہدہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کے نہایت ذہین اور تجربہ کار افراد جمع ہو کر نہایت عرق ریزی سے ملک کیلئے آئین و دستور بناتے ہیں لیکن جب اسے نافذ کرتے ہیں تو وہ کئی جگہ سے قابل عمل دکھائی نہیں دیتا پھر اس میں اصلاحات کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ انسانوں کے ذہن و تجربے کی تخلیق ہے اس میں تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے لیکن جزیرہ نمائے عرب میں بیٹھ کر جو قانون نبی کریم ﷺ نے عطا فرمایا وہ قرآن حکیم ہے جو کلام الٰہی ہے جس میں اپنے نزول سے قیامت تک کی ساری انسانیت کے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ معیشت و معاشرت، قانون اور تعلیم تو آپ ﷺ کے دین کے مخالف ہو اور بندہ پھر مسلمان بھی رہے اور اسلام مخالف حالت میں مرجائے تو شہید بھی کہلائے؟

بندے کے پاس فلاح و کامیابی کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ صدق دل سے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور پورے خلوص سے زندگی بھر آپ ﷺ کی اطاعت کرے اور تادم واپسیں کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ (سورۃ الحجر) آخری سانس تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ عبادت کیا ہے؟ صرف صلوٰۃ و صوم، حج و زکوٰۃ ہی عبادت نہیں ہے بلکہ زندگی کا ہر کام

عبادت ہے اگر اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے اور سنت مطہرہ کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے۔ آقائے نامدار ﷺ واحد ہستی ہیں جن کا اتباع کیا جائے۔ باقی ساری دنیا میں سب لوگ حضور اکرم ﷺ کے متبعین ہوں گے۔ آپ ﷺ کے اطاعت شعار ہوں گے۔ آپ ﷺ کی بات مان کر چلنے والے ہوں گے۔ کوئی ایسی ہستی نہیں آئے گی جو اس کے علاوہ کوئی راستہ بتائے۔

نبی کریم ﷺ کی ہر صفت آپ ﷺ کی شان کے مطابق ہے:

حضور اکرم ﷺ کی ذات واضح نور ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت، نور نبوت سے سرفراز ہے اور آپ ﷺ کی بشریت بھی نور ہے۔ اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں۔ لیکن یار! لوگوں نے یہاں بھی جھگڑے کی راہ نکال لی ہے کہ اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو نور فرمایا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ بشر نہیں ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ سب ہی حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ سارے عالم بشریت میں سے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کی بشریت اور غیر نبیؑ کی بشریت میں بڑا فاصلہ ہے۔ نبیؑ کی بشریت اتنی پاکیزہ، اتنی لطیف، اتنی روشن ہوتی ہے کہ نبیؑ کی بشریت بھی نور ہوتی ہے۔ نبیؑ کی بشریت کی لطافت اور نورانیت کا اندازہ لگایئے کہ فرشتے نوری مخلوق ہیں نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور فرشتوں کے سردار جبرئیل امین ہیں جو شبِ معراج حضور اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک پھر آسمان اول سے ساتویں آسمان تک پھر اس سے اوپر سدرۃ المنتہٰی تک حضرت جبرئیل امین آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ لیکن سدرۃ المنتہٰی پر پہنچ کر بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ اس سے آگے جانے کی مجھ میں تاب نہیں۔ یہاں سے اگر سرِ مُو میں قدم بڑھاؤں تو تجلیات باری مجھے جلا کر راکھ کر دیں گی۔ کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بشریت کی کیا شان تھی کہ آپ ﷺ وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔ جہاں تک اللہ نے چاہا تشریف لے گئے تو جو لوگ آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے وہ خود بشر ہیں ویسے ہی شاید نبی ﷺ بشر ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

نبیؑ کی نبوت بھی نورِ نبوت سے سرفراز ہوتی ہے اور بشریت بھی بے مثل و بے مثال ہوتی ہے۔ نبیؑ کا تو ہر کام نبیؑ کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ نبیؑ کی ہر صفت نبیؑ کی ذات کے شایانِ شان ہوتی ہے۔ نبیؑ جو لباس استعمال فرماتے ہیں وہ منور ہو جاتا ہے جو جوتا پہنتے ہیں وہ منور ہو جاتا ہے۔ جس زمین پر نبیؑ کا قدم پڑتا ہے وہ جگہ روشن ہو جاتی ہے۔ اللہ دل کی آنکھ دے تو آج جزیرہ نمائے عرب میں آسمان پر چاند اتنا روشن نہیں ہوتا جتنے زمین پر محمد رسول اللہ ﷺ کے قدوم مبارک کے نشان ہوتے ہیں۔ اس سب کے باوجود نبیؑ

انسان ہوتے ہیں۔ بشر ہوتے ہیں۔ کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی زندگی کے تمام لوازمات ہوتے ہیں۔ زمین پر چونکہ انسان بستے ہیں اور نبیؐ انسانوں میں سے ہی منتخب ہوتے ہیں۔ انسانوں کے لئے مبعوث ہوتے ہیں لیکن یہ ان کا کمال ہوتا ہے کہ بشر ہو کر وہ نوری مخلوق سے افضل ہوتے ہیں۔

حاصل کلام:

یہ ہے کہ روئے زمین پر قیام قیامت تک کے لئے بارگاہ الوہیت تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ اتباع محمد رسول اللہ ﷺ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبیؑ بارگاہ الوہیت کا ایک دروازہ ہے جو اپنے زمانے کے نبیؑ پر ایمان لایا وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا لیکن ایک ایک کر کے سارے دروازے بند ہوتے چلے گئے۔ اور پھر تمام دروازے بند ہو گئے۔ اب صرف ایک دروازہ ہے جو قیامت تک کھلا ہے۔ وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ کی اطاعت کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں جس سے اللہ راضی ہو یا جس سے آخرت کی تعمیر ہو سکے۔ آخرت کی تعمیر کا اندازہ کرنا ہو تو یہ جاننا چاہیے کہ جس بندے کی آخرت تباہ ہوتی ہے اس کو دنیوی پریشانیاں بھی گھیر لیتی ہیں۔ اس لئے کہ آخرت حقیقت ہے اور دنیا اس کا سایہ ہے۔ جس کی اُخروی زندگی آرام دہ ہوتی ہے اللہ کو مقبول ہوتی ہے۔ اسے دنیا میں بھی سکون اور لطف محسوس ہوتا ہے۔ اگر وہ غریب بھی ہو تو وہ اس غریبی میں بھی پر سکون اور مطمئن ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اللہ کا نافرمان ہو تو خواہ وہ بادشاہ بھی ہو وہ خوفزدہ رہتا ہے اس کا سکون چھن جاتا ہے اور وہ پریشان رہتا ہے۔ آخرت کا عکس دنیاوی زندگی پر پڑتا رہتا ہے لہٰذا اگر کسی کو دنیا میں آبرو چاہیے، انعام چاہیے، سکون چاہیے تو وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ملے گا اور آخرت کی عزت اور وہاں کا سکھ بھی حضور اکرم ﷺ کے اتباع اور غلامی میں ملے گا۔

فرمایا: لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے مستقل اور آخری دلیل آ چکی۔ ذات محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں اللہ نے ایک واضح اور روشن شمع جلا دی ہے جن پر قرآن حکیم جیسی کتاب ہدایت، نور ہدایت نازل فرما دیا جو ہر انسان کو ہر وقت، ہر جگہ، ہر ملک میں زندگی کے ہر پہلو پر رہنمائی دینے کے لئے کافی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں جس پر چل کر مسلمانوں کو بہتری نصیب ہو سکے۔

اللہ پر ایمان اور اس کے ساتھ وابستگی:

پچھلی آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی شان ربوبیت کے مطابق انسانوں کی ہدایت

کا سامان کر دیا۔ اپنا نبی ﷺ روشن دلیل بنا کر مبعوث فرما دیا۔ کتاب الٰہی کو نور ہدایت بنا کر اپنے نبی ﷺ پر نازل فرما دیا۔ اس کے بعد اب بندوں کی ذمہ داری ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ ایمان کے تقاضے بھی پورے کریں۔ فرمایا: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ ایمان لانا صرف یہی نہیں کہ کوئی یہ کہہ دے کہ وہ ایمان لے آیا یا کلمہ طیبہ پڑھ لے بلکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ پھر اس سے وابستہ ہو جائے اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ مانے۔ اپنی ساری امیدیں اس وحدہٗ لاشریک ذات سے وابستہ کرلے۔ پھر یہ امید نہ رکھے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا بھی اس کا سہارا بن سکتا ہے۔ انسان میں یہ بات تخلیقاً موجود ہے کہ وہ اس کی بات مانتا ہے جس سے نفع کی امید ہو اس لئے اگر اس کی یہ امید کسی اور سے وابستہ ہو جائے تو وہ اللہ کریم کو چھوڑ کر اس کی مرضی پر چلنے لگ جاتا ہے۔ اس انتہائی غلط روش سے بچانے کے لئے اللہ پاک حکم فرما رہے ہیں وَاعْتَصَمُوْا مضبوطی کے ساتھ اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ تقاضا ایمان یہ ہے کہ اول و آخر، جینا مرنا، دوستی دشمنی، کاروبار، تجارت، زندگی کے تمام امور اللہ کی رضا کے لئے ہوں۔ بتقاضائے بشریت انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ سہو ہو جاتا ہے، بھول چوک ہو سکتی ہے۔ ان سب صورتوں میں اس کی رحمت یاوری کرتی ہے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جب بندہ خلوصِ دل سے اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اپنی بہترین کوشش حصول رضائے الٰہی میں صرف کرتا ہے پھر بھی بتقاضائے بشریت کوئی خطا سرزد ہو جاتی ہے تو پھر اللہ کی مغفرت اس کے لئے کافی ہے لیکن ارادتاً اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے امیدیں وابستہ کر لینا، کسی کے پیچھے چل پڑنا، کسی کی خوشنودی کا طلبگار ہو جانا، اس بات کو غیرتِ الٰہی گوارا نہیں کرتی۔ اس لئے ایمان کیلئے اعتصام کا لفظ استعمال فرمایا۔ اعتصام کے معنی ہیں چپک جانا، مضبوطی سے تھام لینا، اس طرح مضبوطی سے پکڑنا کہ کوئی کسر باقی نہ رہنے پائے۔ فرمایا: جن لوگوں کو ایمان نصیب ہوا پھر وہ اللہ کریم ہی کی ذات سے وابستہ ہو گئے۔ ان کا مرنا، جینا، اٹھنا، بیٹھنا ہر کام میں انہوں نے کوشش کی کہ اللہ کی اطاعت میں آ جائیں اللہ انہیں اپنی رحمتِ خاصہ میں داخل فرمائے گا۔ اللہ کی اطاعت کا صرف ایک راستہ ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء 80) اگر ایمان باللہ کی بات کریں، اتباعِ رسول اللہ ﷺ کی بات کریں، عشقِ الٰہی اور محبت رسول اللہ ﷺ کی بات کریں تو دنیا میں معلوم تاریخ انسانی میں جو محبت صحابہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے کی ہے وہی محبت کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کے مقابلے میں سب محبتیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ حج کے سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں اونٹ کو ہانکنے کی چابک نیچے گر گئی انہوں نے اونٹ کو روکا، بٹھایا، نیچے اتر

کر چابک اٹھایا پھر اونٹ پر بیٹھے اور چل دیئے۔ جو احباب ساتھ جا رہے تھے انہوں نے کہا ہم تو آپ کے ہم رکاب تھے ہم اٹھا کر آپ کو پکڑا دیتے۔ آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا؟ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک مرتبہ عرض کی تھی کہ میری تمنا ہے کہ آخرت میں بھی مجھے اسی طرح آپ کی معیت حاصل ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ کے سوا دنیا میں کبھی کسی سے کچھ نہ مانگنا تو مجھے حیا آئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کر لیا تھا کہ کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا تو آج تمہیں کیسے کہوں کہ یہ چابک نیچے سے اٹھا کر مجھے پکڑا دو۔

ہم سے سمجھتے ہیں کہ بڑی بڑی باتوں میں تو اطاعت ہو جائے، چھوٹی چھوٹی باتوں کی خیر ہے۔ حالانکہ اس میں خیر نہیں ہے۔ اسلئے کہ جہاں بھی کوئی کام خلافِ سنت ہوگا وہاں کوئی رواج آئے گا اور جہاں رواج کی اہمیت ہوگی وہاں دین کی اہمیت ختم ہوگی۔ جس طرح بڑی بڑی مشینیں مختلف پُرزوں کے ذریعے کام کرتی ہیں اور اگر ایک چھوٹا سا پُرزہ خراب ہو گیا تو پوری مشینری کو متاثر کرتا ہے اسی طرح اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں بال برابر بھی فرق آیا تو کوئی نقصان ہوگا۔ زندگی کی تمام لذتیں عارضی ہیں اور زندگی کا حاصل ہے اطاعت پیغمبر ﷺ۔ زندگی میں کسی کو دولت ملے یا اقتدار وہ ان سب کو یہیں چھوڑ کر جائے گا یہ سب وقتی اور لمحاتی باتیں ہیں۔ اور یہ دنیا میں بندے کی آزمائش ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم کا ارشاد ہے فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ (الفجر 15) اللہ کریم کی طرف سے یہ سب آزمائش کی صورتیں ہیں۔ کسی کو اقتدار دے دیتا ہے عہدہ اور دولت دے دیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ دولت پا کر، اختیار و اقتدار پا کر وہ خود خدا بن بیٹھا ہے۔ خود اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے یا میرے فیصلوں پر عمل درآمد کرتا ہے۔ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ (الفجر 16) کسی کی آزمائش اس طرح کرتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے، امراض اور افلاس بھیج دیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس حال میں وہ سنت مطہرہ پر عمل کرتے ہوئے اطاعت الٰہی کی غرض سے جائز وسائل اختیار کرتا ہے یا میرا دروازہ چھوڑ کر بے قرار ہو کر کسی اور کے در پر لپکتا ہے۔ دولت حاصل کرنا اور اقتدار حاصل کرنا کسی کی ذاتی قابلیت نہیں ہے یہ اس کی اپنی تقسیم ہے۔ ہر فرد و بشر زندگی کے تمام ادوار میں کسی نہ کسی آزمائش میں ہے۔ کوئی کسی انداز سے اور کوئی کسی انداز سے۔ سو تقاضائے ایمان یہ ہے کہ جہاں تک بس چلے اتباع رسالت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٥﴾ جو کلی طور پر اتباع پیغمبر ﷺ سے وابستہ ہو جائیں گے عقلاً، ذہناً اور قلبی طور پر اور اعمال و کردار کے اعتبار سے بھی تو اللہ انہیں اپنی رحمتِ خاصہ میں داخل فرمائے گا۔ مہربانی اور فراخی عطا فرمائے گا۔

اور انہیں اپنے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق ارزاں کر دے گا۔ یاد رکھیں! جو شخص بھی مقبول بارگاہ الٰہی ہوتا ہے اس کی عملی زندگی اتباع سنت میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ نشانی ہے کہ اس کی آخرت کامیاب ہوگی اور اگر کسی کو عملی زندگی میں توفیق عمل نہیں ہے تو اس کی آخرت کی کامیابی کی یہ دلیل نہیں ہے۔ اور انسان کا یہ حال کتنا عجیب ہے کہ بندہ مطمئن ہے لیکن جس روش پر وہ چل رہا ہے اس کا انجام صحیح نہیں ہے۔ اللہ تو ایسا کریم ہے کہ دنیا میں ہی انسان کو غفلت سے بچانے کے لئے تمام باتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ اس نے ہر بات کا فیصلہ فرما دیا ہے کہ انسان کے ہر عمل میں اللہ کریم کی اطاعت ہی اس کی کامیابی کی دلیل ہے۔ جو اللہ کے رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے گا اللہ کریم اسے اپنی طرف پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھا دے گا۔

صحابہ کرامؓ وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کی اطاعت مثالی ہے۔ انہوں نے کوئی کام اپنی مرضی سے کرنے کا سوچا ہی نہیں۔ ہر کام میں آپ ﷺ سے رہنمائی لیتے۔ یہ اتنے خوش نصیب لوگ تھے کہ بارگاہ رسالت ﷺ میں گزارش پیش کرتے اور جواب ذات باری تعالیٰ کی طرف سے آتا۔

وراثت کی تقسیم کا اہم مسئلہ:

یہ آیت مبارکہ صحابہ کرامؓ کی مثالی اطاعت کی مظہر ہے اور اس میں وراثت کے ایک اہم مسئلے کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: **یَسْتَفْتُوْنَکَ** اے پیغمبر ﷺ یہ آپ سے فیصلہ دریافت کرتے ہیں۔ **قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ** آپ ﷺ فرما دیجئے کہ کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو صاحب ثروت ہے۔ زمین، جائیداد رکھتا ہے لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں **اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ** (اور نہ ہی اس کے والدین ہیں) **وَّلَہٗٓ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ** اس کی کوئی بہن زندہ ہو تو اس کے ترکے کا آدھا مال اس کی بہن کا ہوگا اور باقی آدھا دوسرے غرباء کا۔ **وَھُوَ یَرِثُھَآ** اور اگر بہن فوت ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے سارے مال کا وارث اس کا بھائی ہوگا۔ **اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ** اگر کلالہ کی دو بہنیں (یا دو سے زیادہ ہوں) تو پھر جو کچھ اس نے چھوڑا اس میں سے دو تہائی ان سب کو ملے گا۔ ان سب پر برابر تقسیم ہو جائے گا۔ **وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ** اور اگر اس شخص کے بہن اور بھائی ہیں یعنی کچھ مرد اور کچھ خواتین ہیں تو پھر اس طرح سے مال تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا یعنی بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔

صحابہؓ وصحابیاتؓ کے مناقب وفضائل:

صحابہ کرامؓ کی یہ بہت بڑی سعادت تھی کہ انہیں اپنے سوالوں کا جواب اللہ کی طرف سے نصیب ہوجاتا تھا۔حضرت اُمّ ایمن حضور اکرم ﷺ کی خادمہ تھیں۔کثرت سے روزے رکھتی تھیں۔ان کی ہجرت کا واقعہ اپنی مثال آپ ہے۔سفر ہجرت بھی اس حال میں رواں دواں تھیں کہ سورج کی تمازت نے روزے میں پیاس کی شدت میں اضافہ کردیا تھا۔افطار کا وقت قریب آیا تو کچھ پاس نہ تھا اسی حال میں آسمان سے ایک برتن نیچے اترنا شروع ہوا اوران کے پاس آکررک گیا وہ میٹھے ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا تھا۔افطار کیا۔خوب سیر ہوکر پیا۔فرمایا کرتی تھیں کہ اس شیریں اور ٹھنڈے پانی کی لذت سے وہ عمر بھر سرشار رہیں پھر عمر بھرانہیں پیاس نے کبھی نہ ستایا۔سخت دھوپ میں طواف کرتیں اور پیاس محسوس نہ ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ ان پر خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے جب کافی ضعیف ہوگئیں تو آپ ﷺ ان کا حال دریافت کرنے ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔وصالِ نبوی ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی آپ ﷺ کی پیروی میں حضرت اُمّ ایمنؓ کے ہاں تشریف لے جاتے۔اسی طرح کی ایک ملاقات میں حضرت اُمّ ایمن پر شدید گریہ طاری ہوگیا۔صحابہ کرامؓ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ ہم سے اتنی دورتو تشریف نہیں لے گئے آپ اس قدر کیوں رو رہی ہیں؟ انؓ کا جواب صحابہؓ کی اس سعادت کو ظاہر کرتا ہے جوانہیؓ کا حصہ ہے۔انہوںؓ نے فرمایا میں اس بات پر رو رہی ہوں کہ وہ زمانہ بیت گیا جب ہم سوال کرتے تھے اور بارگاہِ الٰہی سے جواب آیا کرتا تھا۔اب حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد وحی منقطع ہوگئی۔میں تواس نعمت کے ختم ہوجانے پر رو رہی ہوں۔اس پر دونوں عظیم المرتبت صحابہؓ پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی روئے اور فاروق اعظمؓ بھی روئے۔یہی وہ کھرے اور مخلص لوگ تھے کہ سوال کرتے بارگاہ رسالت میں اور جواب آتا بارگاہ الوہیت سے۔

احکام وراثت اور آج کے مسلمانوں کا طرز عمل:

اللہ کریم نے تو اپنے احکام واضح کر کے بیان کردیئے تاکہ ان پر عمل پیرا ہوکر پُرسکون زندگی گزاری جائے۔لیکن انسانوں نے من مانی کرنے کی روش اپنا کر معاشرے کوامن وسکون سے محروم کردیا۔کلالہ کی وراثت کے حکم کی وضاحت کے بعد ارشاد فرمایا: **یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا** ط اللہ تمہارے لئے احکام کو واضح کرکے بیان کرتے ہیں تاکہ بھٹک نہ جاؤ۔یادرکھنا! خبردار رہنا اس کے بعد گمراہ نہ ہوجانا۔اللہ کی نعمت

کے جواب میں آج کے مسلمان کا رویہ کیا ہے۔ وہ بیٹیوں کو وراثت دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ برصغیر پر انگریز نے قابض ہو کر ہندوؤں کے لئے ہندوانہ قانون بنائے لیکن مسلمانوں کے لئے محمدن لاء کے نام سے مسلمانوں کے لئے الگ قانون بنائے لیکن جو قانون بنائے ان میں اسلامی قوانین کو مسخ کر دیا۔ انہی میں سے ایک مسخ شدہ قانون وراثت ہے۔ انگریز نے تو جو کیا اسلام دشمنی کے باعث کیا لیکن مسلمانوں میں وہ اس طرح رچ بس گیا کہ آج تک اکثریت بہنوں، بیٹیوں، بیویوں کو وراثت سے محروم کرتی چلی آرہی ہے۔ زمیندار اور کاشتکار پیشہ افراد نے فی الوقت رائج شرعی قانون کا توڑ یہ نکال لیا ہے کہ مرنے سے پہلے زمین بیٹوں کے نام منتقل کرا دیتے ہیں۔ نہ ترکہ ہوتا ہے نہ بیٹیوں کو وراثت ملتی ہے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ جو چیز تمہارے پاس نہیں رہی وہ تمہارے بچوں کے پاس ہمیشہ رہے گی یہ دنیا تو کسی کے ساتھ بھی نہیں جائے گی۔ یہ تو اللہ کی مہمان سرائے ہے۔ جب تک کوئی یہاں رہے گا وہ کھائے پئے گا۔ دنیاوی نعمتیں استعمال کرے گا۔ پھر سب کچھ یہیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اس وضاحت کے بعد لوگ اپنی عاقبت کیوں خراب کرتے ہیں؟ کیوں شریعت کا اتباع نہیں کرتے؟ یہ محض ہماری کم فہمی اور کم فکری ہے کہ ہم اللہ کریم کو چھوڑ کر غیر اللہ میں پناہ تلاش کرتے ہیں۔

اس رویے کا سبب کیا ہے؟

اللہ کریم سے وابستہ نہ ہونا اس کی حقیقی وجہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنی امیدیں اللہ کریم سے وابستہ رکھو تو جب وہاں سے امیدیں ٹوٹتی ہیں تو پھر ہم اپنی ساری امیدیں جائیداد سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ دولت اور زمینوں سے وابستہ کر لیتے ہیں حالانکہ زمین، جائیداد، گھر اور گاڑیاں ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ ایک وقت تک کے لئے دی گئی ہیں۔ جب دم رخصت ہو گا تو یہی سب چیزیں دوسروں کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ انہی زمینوں پر کوئی اور قابض ہو جائے گا۔ سوچنا چاہیے کہ جب سے زمین بنی ہے کیا ہم ہی اس پر قابض چلے آرہے ہیں؟ نہیں! ہم سے پہلے پتہ نہیں کس کس کے پاس تھی ہم تو ان کو جانتے بھی نہیں۔ ہمارے بعد لوگ بھی ہمیں اسی طرح بھول جائیں گے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ بات صرف اللہ کی بات پر ایمان ویقین کی ہے۔ عظمت الٰہی پر جتنا یقین واعتماد ہو بندہ اتنا اطاعت شعار ہوتا چلا جاتا ہے۔

فرمایا: اگر ان احکام الٰہی کو چھوڑو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اللہ تمہارے لئے یہ نتائج اس لئے وضاحت سے بیان فرما رہا ہے تا کہ گمراہ نہ ہو جاؤ۔ فرمایا یہ یاد رکھو **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾** اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے تم کسی حیلے حوالے سے بیٹیوں، بہنوں کو محروم تو کر دو گے لیکن وہ محض دنیوی حیلہ ہو گا۔ اللہ سے وہ

بات چھپ نہ سکے گی۔ تمہارا جرم اس کے سامنے ہوگا۔ وہ ہر شئے کو جانتا ہے۔ تمہارے ہر ارادے سے واقف ہے۔ اتنے علیم وخبیر رب کے سامنے اس کی نافرمانی کیسی؟ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ زندگی بھر کی عبادات اور مجاہدے بھی ہمیں اس یقین سے عاری رکھتے ہیں۔ شاید ہم عادتاً نماز پڑھتے ہیں۔ رسماً روزے رکھتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں کہ اس نے روزہ نہیں رکھا۔ ایسی عبادات یقین پیدا نہیں کرتیں ورنہ عبادت کا تو حاصل یہ ہے کہ اللہ کی توفیق ارزاں ہو اور زندگی سنت مطہرہ کے مطابق ہوتی چلی جائے لیکن ہمارے ہاں عبادت پر ثواب کا غلط تصور رواج پا گیا ہے۔ جس نے ثواب کو صرف آخرت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ یہ تصور اسلام سے ثابت نہیں۔

ثواب کیا ہے؟

قرآن حکیم میں ثواب کا معنی ''بدلہ'' ہے۔ جیسا (سورۃ المطففین) میں ہے هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ (آیت 36) کافروں کو بھلا کیا ثواب ملے گا؟ وہی جو ان کا کردار ہوگا یعنی برائی کا جو بدلہ غضب الٰہی کی صورت میں ملتا ہے اسے بھی ثواب کہہ دیا گیا ہے۔ اس لئے ثواب کا معنی ہے بدلہ۔ اسی طرح نیکی کا جو بدلہ ملتا ہے اسے بھی ثواب کہا گیا ہے۔ بدلہ تو ادھار پر نہیں رکھا جاتا۔ نہ معلوم کس نے عبادت کو ادھاری مزدوری قرار دے کر اس کا بدلہ صرف آخرت کے لئے مخصوص کر دیا۔ اور پھر یہی معنی عوام میں رائج ہو گیا۔ حالانکہ اس میں ادھار کی بات نہیں ہے بلکہ قرآن حکیم میں عبادت کا ثواب اس کا وہ نتیجہ بتایا گیا ہے جو عبادت کرنے والے کو دنیا ہی میں ملنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کا حتمی بدلہ آخرت میں ملے گا۔ فرمایا إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ (العنکبوت 45) اللہ کی عبادت برائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے۔ یہ اس کا ثواب ہے جو بندے کو دنیا میں ہی مل جاتا ہے پھر کردار میں مثبت تبدیلی آنے سے اللہ کی رضا نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں انعامات عطا ہوتے ہیں۔

جب بھی اللہ کی عبادت خلوص نیت سے کی جائے سنت پیغمبر ﷺ کے مطابق کی جائے تو وہ بندے کو برائی اور بے حیائی سے بچانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اور گناہوں سے بچ جانا اس عبادت کا ثواب ہے جو نقد مل جاتا ہے اور اگر عبادت بھی کی جائے، وظیفے بھی پڑھے جائیں، تبلیغ کے لئے مجاہدہ بھی کیا جائے لیکن کردار میں کوئی مثبت تبدیلی نہ آئے اور بندہ عملاً ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بُرا ہو جائے تو اس کا مطلب ہے یا تو کرنے والے کی نیت میں اخلاص نہیں یا وہ عمل سنت کے مطابق نہیں۔ جس عبادت پر اجر نہیں ملتا اس میں یہی دو نقص ہوتے ہیں۔ اگر عبادات کے باوجود کردار میں تبدیلی نہ آئے تو ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ جو عبادت میں کر رہا ہوں کیا ایسا ہی کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے؟ کیا یہ عمل

میں اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں یا محض لوگوں کو دکھانے کے لئے کر رہا ہوں؟ اپنا محاسبہ کیا جائے تو چھوٹی چھوٹی باتوں سے اپنے اندرونی خلوص کی خبر ہو جاتی ہے۔ کئی بار دیکھا ہے کہ ایک شخص اپنی انفرادی نماز پڑھتا ہے تو آرام سے اور مختصر پڑھتا ہے۔ وہی شخص جب امامت کرواتا ہے تو رکوع وسجود میں پانچ، سات یا گیارہ بار تسبیحات پڑھتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دوسروں پر اپنا تقدس جمانے کے لئے۔ اگر عبادت میں لوگوں کی خوشنودی مقصد بن گئی تو وہ اللہ کی عبادت کیسے ہوگی؟ یہ جملہ اکثر سنتے ہیں کہ خیر ہے چھوٹے موٹے گناہ تو ہو ہی جاتے ہیں۔ یعنی خیر ہے کوئی بڑا گناہ تو نہیں کیا۔ یہ تو چھوٹا گناہ ہے۔ یہ جملہ بھی انسان کی اندرونی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو چھوٹے گناہ سے نہیں بچ سکتا اس سے یہ امید رکھی جائے کہ وہ بڑے گناہ سے بچ جائے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ چھوٹی باتیں اس لئے چھوٹی نہیں ہوتیں جب انہیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت ہو جاتی ہے۔ اس نسبت کے باعث یہ بہت بڑی باتیں ہو جاتی ہیں۔ ہر بدعت کسی نہ کسی سنت کو مٹا کر اس کی جگہ لیتی ہے۔ تمام غیر شرعی رسومات اور رواجات کام کرنے کے مسنون طریقے کے مخالف ہوتے ہیں اور سنت کو ترک کر کے اختیار کئے جاتے ہیں اس لئے بدعت کہلاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے كُلّ بدْعَةٍ ضلالةٌ وكُلُّ ضلالةٍ فى النّار (مشکوٰۃ) بدعت گمراہی ہے اور گمراہی انجام کار دوزخ میں لے جاتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے احکام شریعت بڑے واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں اور اس لئے کئے ہیں أَنْ تَضِلُّوا خبردار گمراہ نہ ہو جانا۔ اگر شریعت مطہرہ کو چھوڑو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اگر اس میں کمی کرو گے یا زیادتی کرو گے تو بھی گمراہ ہو جاؤ گے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تمہارے ہر حال سے، ہر لمحے، ہر وقت سے باخبر ہے۔ نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے اور سوچ وفکر کو بھی۔ اس لئے ہمیں ان فکروں سے خود کو آزاد کر لینا ضروری ہے کہ اگر یوں طرح کروں گا تو لوگ اچھا کہیں گے۔ اور اس طرح کروں گا تو کیا کہیں گے؟ اگر اس بات کو چھوڑ دیا جائے اور صرف اتنی سی تبدیلی کر دی جائے کہ جو کرنے جا رہا ہوں، کہنے جا رہا ہوں یا سوچ رہا ہوں، اس پر اللہ کریم راضی ہوں گے یا ناراض ہوں گے۔ یہ چھوٹی سی تبدیلی پورے کردار کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اس تبدیلی کا اصول یہ ہے کہ اپنی امیدوں کا مرکز اللہ کریم کو رکھو۔ لوگوں کو نہیں۔ حق کے ساتھ رہنا شرط ہے۔ لوگوں کی اکثریت کے ساتھ رہنا شرط نہیں۔ اللہ کے کئی ایسے نبیؑ ہو گزرے ہیں جنہیں لوگوں نے ماننا تو در کنار ظلماً شہید کرنے کو شعار بنایا۔ کسی نے ان کی بات نہیں مانی تو انبیاءؑ کی شان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ انبیاءؑ نے اعلائے کلمۃ الحق کیا اور برسر عام کیا۔ علی الاعلان لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ لہٰذا اللہ کو علیم وخبیر جانو وہ ہر حال میں اپنے بندوں کے تمام احوال سے باخبر ہے۔

سورہ المائدہ رکوع 1 آیات 1 تا 5

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ١ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا
الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْىَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى
الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ٢
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ
اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ
السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا
بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ
دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ
دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۳ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ‌ ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَـكُمُ
الطَّيِّبٰتُ‌ ۙ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَـوَارِحِ مُكَلِّبِيۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ مِمَّا
عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ‌ ۙ فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ
عَلَيۡهِ‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۴ اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ لَـكُمُ
الطَّيِّبٰتُ‌ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ لَّـكُمۡ ۚ
وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ‌ ۙ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ
مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ
مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ
بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۙ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۵

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ
انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں۔ مگر جن کا ذکر آگے
آتا ہے، لیکن شکار کو حلال مت سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو۔ بے شک
اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں ﴿۱﴾ اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو اللہ تعالیٰ کی
نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور
نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ
بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب
ہوں اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو۔ اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم
سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ
تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور نیکی اور تقویٰ

میں ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور اللہ سے ڈرا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ﴿۲﴾ تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نام ذبح کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے۔ اور جو کسی ضرب سے مرجائے۔ اور جو گر کر مرجائے۔ اور جو کسی کی ٹکر سے مرجائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں۔ آج کے دن ناامید ہوگئے۔ کافر لوگ تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔ ﴿۳﴾ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کیے گئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں، اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔ ﴿۴﴾ آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال کی گئیں اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو۔ اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔ اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس شخص کا عمل

غارت ہو جائے گا اور وہ آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا۔ ﴿۵﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي
الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ
الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا
حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا
عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

سورہ مائدہ کا شمار مدنی سورتوں میں ہوتا ہے۔ مکی سورتوں میں زیادہ زور توحید باری اوصاف باری اور عقائد کی پختگی پر ہے اور مدنی سورتوں میں احکام کی وضاحت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اسلئے کہ مدینہ منورہ اسلامی ریاست بن چکی تھی اس میں نظام حیات کا نفاذ ہو رہا تھا اس لئے معاملات دنیوی کے احکام پر زور دیا جا رہا تھا اس سورہ کی پہلی آیت مبارکہ ایک حکم سے شروع ہو رہی ہے وہ ہے عہد کی پابندی۔ فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ کہ جن لوگوں کو نور ایمان نصیب ہوا ہے اور جو اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے وعدے ایفاء کریں۔

عہد کا پورا کرنا فرض عین ہے:

یہ اصول ہے کہ جو حکم براہِ راست قرآنِ حکیم سے ثابت ہوتا ہے وہ فرض عین ہے۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ وعدہ خلافی کرے۔ کیونکہ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وعدہ پورا کرو۔

عقود یعنی وعدے کیا ہیں؟ ان کی صورتیں کیا ہیں؟

پہلی صورت مسلمان اللہ کے روبرو ہونے کا احساس رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری پر وعدہ کرتا ہے کہ وہ اسے پوری دیانتداری سے پورا کرے گا۔ مسلمان کا سب سے پہلا وعدہ کلمہ طیبہ کا اقرار ہے۔ **لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کو زبان سے قبول کر کے دلی رضامندی اور تصدیق کے ساتھ وہ جو عہد کرتا ہے اس کی عملی زندگی اس پر شہادت دیتی ہے کہ اگر وہ دنیا کے لالچ میں اللہ کے حکم کے خلاف کسی دوسرے کی اطاعت

کرتا ہے تو گویا اس نے اللہ کی الوہیت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا یا کسی سے ڈر کر خلافِ شریعت عمل کرتا ہے تو بھی وعدہ خلافی کرتا ہے۔ اطاعت کی دو صورتیں ہیں۔ امید منفعت اور خطرہ مضرت۔ اگر نفع کی امید اور نقصان کا خوف اللہ کے سوا کسی دوسرے سے وابستہ کرلیں اور اللہ کی نافرمانی کریں تو یہ شرک ہے اور یہ صورت کسی دوسرے کے علاوہ اپنی خواہشاتِ ذات، خواہشاتِ نفس کی پیروی میں بھی ہے۔ اللہ پاک سورۃ الفرقان (آیت 43) میں فرماتے ہیں **اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ** آپ نے اس شخص کی حالت دیکھی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا اِلٰہ یعنی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

خواہشِ نفس کی عبادت سے کیا مراد ہے؟

ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص خواہشِ نفس کو مجسم کر کے سامنے رکھ کر سجدے تو نہیں کرتا۔ اس کے دل میں خواہش اٹھتی ہے اگر وہ غلط ہے تو اللہ کریم کی نافرمانی کا کام ہے۔ بندہ اللہ کریم کے روکنے سے جب نہیں رکتا تب یہ خواہش نفس کی عبادت کہلاتی ہے۔ اسی طرح کسی دوسرے کو اپنا رب مانتا ہے۔ اسے حاجت روا سمجھتا ہے اور اس لئے اسے ناراض نہیں کرتا۔ اللہ کی نافرمانی کر لیتا ہے تو یہ بھی شرک کی صورت ہے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالے خدام الدین میں فرماتے ہیں کہ جب اذان ہوتی ہے اور بندہ اپنی دکان نہیں چھوڑتا کاروبار کرتا رہتا ہے تو اس کے ذہن میں کاروبار کی اہمیت نماز سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کہتا ہے ابھی نماز میں بڑا وقت ہے، پڑھ لیں گے لیکن اٹھتا نہیں کہ اٹھ جاؤں گا تو میری روزی کم ہو جائے گی لوگ دوسری دکانوں پر چلے جائیں گے تو فرماتے ہیں کہ ایسا شخص اللہ کی ربوبیت کا قائل نہیں۔ اس نے دکان کو ہی اپنا رب سمجھ رکھا ہے۔

دوسری صورت: وعدے کی بے شمار صورتیں ہیں لیکن دوسری اہم صورت نکاح ہے کہ اللہ کے نام پر مل کر عمر گزارنے اور معاشرے کو بہترین افراد مہیا کرنے کا جو عہد اللہ کے روبرو کیا جاتا ہے وہ نکاح ہے۔ نکاح اس لئے نہیں ہوتا کہ میاں ساری عمر بیوی کو نیچا دکھاتا رہے اور بیوی میاں کو نیچا دکھاتی رہے۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ شادی ہوتے ہی دیکھا جانے لگتا ہے کہ غلبہ میاں کا ہے یا بیوی کا وہ اپنی بات منواتا ہے یا یہ اپنی بات منواتی ہے؟ حالانکہ یہ دو بندے اللہ کے نام پر ایک دوسرے پر حلال ہوتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ مل کر ایک دوسرے سے تعاون کر کے اپنی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں گزاریں گے اور آنے والی نسلوں کو نیک، صالح، دیندار، شریف بنائیں گے۔

وعدے کی ایک اور صورت:

حکمرانوں کا حکومت میں آنے کے لئے ووٹ لیتے وقت وعدہ کرنا ہے۔ الیکشن سے پہلے بہت خوبصورت وعدے ہوتے ہیں جب الیکشن کے نتیجے میں اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو کہتے ہیں یہ عہد پورے کرنا بہت مشکل کام ہے یہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً صدر ضیاء الحق مرحوم نے ایک ریفرنڈم کروایا کہ اگر آپ کو اسلام کا نفاذ منظور ہے تو اس کا مطلب ہے کہ میں مزید پانچ سال صدر ہوں گا اور اسلام نافذ کروں گا اور اگر آپ کو اسلام کا نفاذ منظور نہیں تو پھر میری صدارت نہیں ہوگی۔ اب کون تھا جو کہتا کہ اسے اسلام کا نفاذ نہیں چاہیے۔ پھر جیتنے کے بعد انہوں نے تقریر کی اور فرمانے لگے کہ میں نے دو وعدے کیے تھے۔ ایک یہ کہ اسلام نافذ کروں گا دوسرا یہ کہ مزید پانچ سال صدر رہوں تو نفاذِ اسلام والا وعدہ تو مشکل نظر آرہا ہے دوسرا البتہ میں ضرور پورا کروں گا۔ اگرچہ پاکستان کے تمام حکمرانوں میں سے میرے علم کے مطابق ضیاء الحق مرحوم ذاتی حیثیت میں دینی اعتبار سے سب سے بہتر آدمی تھا لیکن وعدے کی پابندی اور ایفائے عہد انہوں نے بھی نہیں کیا۔

آج اخلاقی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ موجودہ حکمران نے بڑی آسانی سے کہہ دیا ہے کہ وعدہ کوئی قرآن وحدیث تو نہیں کہ ضرور پورا کیا جائے اور انہوں نے کبھی قرآن وحدیث پڑھا ہو تو یاد ہو کہ وعدہ پورا کرنا اللہ کا حکم ہے جو اس نے قرآن میں نازل کیا ہے۔ **اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ** کہ جو وعدے کرتے ہو وہ پورے کرو ہم معاملات زندگی میں بہت سے وعدے کرتے ہیں عہد کرتے ہیں پھر یا تو بھول جاتے ہیں یا پرواہ نہیں کرتے یا حالات بدل جاتے ہیں یا ہم خود کو بدل دیتے ہیں تو درست بات یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا چاہیے۔

جانوروں میں حلّت وحرمت:

ایفائے عہد کے بعد دوسرا حکم حلّت وحرمت کا ہے۔ فرمایا: **اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ** تمام جانور تمہارے لئے حلال کر دیئے ہیں سوائے ان کے جو قرآن حکیم نے حرام کر دیئے ہیں، جن کے بارے میں تم تلاوت کرتے ہو، پڑھتے ہو کہ یہ حرام ہیں۔ اللہ کریم نے بے شمار جانور اور پرندے پیدا کئے ہیں جو سب حلال ہیں سوائے ان کے جن کو اللہ نے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ حلال نہیں۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ اصل میں ہر چیز میں اباحت ہے، حلّت ہے۔ اصل میں اباحت وحلّت

ثابت نہیں کرنا پڑتی کہ فلاں چیز حلال ہے بلکہ یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ فلاں چیز حرام ہے۔ جس کی حرمت شرعی آجائے وہ حرام ہے جس کی حرمت شرعی نہیں وہ حلال ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ 29) اللہ نے روئے زمین پر جو کچھ پیدا کیا ہے، اے انسانو! وہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ تمہاری ضرورت پوری کرنے اور تمہارے استعمال کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح یہاں فرمایا تمام جانور تمہارے لئے حلال ہیں سوائے ان کے جو قرآن نے حرام کردیئے۔ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ جن کے بارے تم تلاوت کرتے ہو اور پڑھتے ہو کہ وہ حرام ہیں غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ اور جب تم حج کے احرام میں ہوتے ہو تو پھر شکار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ شکار کروگے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ حالت احرام میں حلال جانور کا شکار بھی کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ حلال جانور بھی احرام کی حالت میں شکار کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ① یہ عجیب بات نہیں ہے اس لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے یہ اس کا حق ہے اسی کی شان ہے وہ تمام حکمتوں کو جاننے ولا ہے۔ اس کی حکمت بھی وہی جانتا ہے کہ حالت احرام میں شکار کی ممانعت کیا ہے! یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

حالت احرام ایک کیفیت ہے:

احرام کی حالت تو ایک خاص کیفیت ہے۔ بندہ دو اَن سلی چادروں میں لپٹا ہرا چھے لباس سے منہ موڑ کر ہر طرف سے کٹ کر لبیك اللھم لبیك، لبیك لاشریك لك لبیك پکارتا ہے کہ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں آ گیا ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔ تجھ جیسا کوئی دوسرا نہیں پھر وہ اسی طرح متوجہ الی اللہ ہو کر یوم حشر کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ آئندہ کے لئے نیکی کی توفیق مانگتا ہے تو اس حال میں بھلا وہ شکار کی طرف کیسے متوجہ رہ سکتا ہے۔ تو حالت احرام میں شکار کی ممانعت کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے، جس کا یہ حکم ہے۔

جس کام سے اللہ روک دے اس میں حرمت آجاتی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ یہ اس کی کائنات ہے وہ جو چاہے حکم دے جو چاہے قانون نافذ کرے کسی کے پاس اعتراض کی گنجائش نہیں اور قانون یہ ہے کہ جس کام سے اللہ روک دے وہ کام کریں تو اس میں حرمت آجائے گی وہ کام حرام ہو جائے گا ناجائز ہو جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ اللہ پر ایمان لانے والو! اللہ کی عظمت کی نشانیوں کی عزت واحترام میں فرق نہ آنے دو۔ شَعَائِرَ اللَّهِ کیا ہیں؟ وہ تمام چیزیں جن سے اللہ کی عظمت کا اظہار

ہوتا ہے اس لئے تمام احکامِ شریعت شعائر اللہ ہیں کہ ان سے اللہ کی عظمت اور اس کی حاکمیت اعلیٰ کا اظہار ہوتا ہے۔ بیت اللہ اور دنیا کی تمام مساجد شعائر اللہ ہیں، صفا مروہ کی پہاڑیاں اور ان کی سعی شعائر اللہ ہیں۔ اللہ کی عظمت کی نشانیاں ہیں اور وہ جانور جو قربانی کے لئے مختص کئے جاتے ہیں اور حرمت والے مہینے۔ فرمایا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو۔ احکام الٰہی اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادات عظمتِ الٰہی کی دلیل ہیں۔ بیت اللہ شریف، مسجد نبوی شریف، صفا و مروہ کی عزت و احترام ہر صورت بحال رکھو۔ ایسے ہی جو جانور قربانی کے لئے مختص کر دیئے جائیں انہیں چوری کرنا، یا اذیت دینا حرام ہے۔ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور حرمت والے مہینوں کی حرمت قائم رکھو۔ چار مہینے ایسے ہیں جن کی حرمت شرعی ہے۔ ان میں اگر کافر جنگ چھیڑے تو مسلمانوں کو جواب دینے کی اجازت ہے اور مسلمان تو ویسے ہی ان مہینوں میں جنگ نہیں کرتے۔ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ اور ان جانوروں کی بھی بے حرمتی سے بچو جو قربانی کے لئے بیت اللہ لے جائے جا رہے ہیں اور شناخت کیلئے جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوئے ہوں تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ جب شَعَآئِرَ اللّٰهِ کے احترام کی اس درجہ تعظیم لازمی ہے تو جو مسجد پر بم گراتے ہیں وہ کس قدر قبیح جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مساجد سے جوتے چوری کرنا، یا گھڑیاں اتار کر لے جانا یا مساجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنا یا کسی کے خلاف منصوبہ سازی کرنا۔ یہ سب مسجد کی توہین ہے اور فعل حرام ہے۔ دنیا کی ساری ہی مساجد شَعَآئِرَ اللّٰهِ ہیں۔ کہ مسجدیں صرف اللہ کی ہیں۔ اللہ کی عبادت کے لئے ہیں لیکن اب تو شاید ہی کوئی مسجد نظر آئے ورنہ اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ حنفیہ مسجد ہے، یہ قادریہ ہے، یہ اہلِ حدیث کی ہے وغیرہ۔ حالانکہ اللہ کا فرمان ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ تمام مسجدیں صرف اللہ کی ہیں۔ ان میں کوئی کسی کو عبادت کرنے سے نہیں روک سکتا۔ ہاں غیر شرعی امور کرنے کی اجازت نہیں اور یہ بھی شریعت نے منع کر دیا ہے۔ تو فرمایا: وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ایسے لوگ جو بیت الحرام کو جا رہے ہوں اور اللہ کی رضامندی اور اس کے فضل کے طالب ہوں۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا انہیں بھی نہ روکا جائے۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ہاں! جب تم حلال ہو جاؤ یعنی جب تم حج کر چکو، سر منڈا کے احرام کھول دو اور حدِ حرم سے باہر آ جاؤ۔ کہ حدِ حرم میں تو سارا سال ہی شکار حرام ہے تو پھر جب حدِ حرم سے باہر آ جاؤ تو شکار کر سکتے ہو یعنی حدِ حرم سے باہر ہو اور احرام کھول چکے ہوں تو پھر شکار حلال ہے۔

حلال جانور کا شکار:

حلال جانوروں کے شکار کی اجازت ہے تاکہ ان کا گوشت استعمال کیا جائے۔ شغل کے طور پر جانوروں کو مارنا اور اسے کھیل بنالینا ناجائز ہے۔ یہ تو درست ہے کہ اپنے اہل خانہ کیلئے یا چند کنبے مل کر شکار کا گوشت بانٹ لیں اس کے لئے چند شکاری مل کر شکار کر لیں۔ چند پرندے شکار کر لیں، کوئی بڑا جانور، ہرن وغیرہ شکار کر لیں اور اسے استعمال کر لیں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ کئی سو پرندے مار لئے اور ہرن مار کر اس کی کھال لے آئے اور گوشت وہیں پھینک آئے ضرورت کے لئے شکار کرنا جائز ہے۔ شغل کے لئے شکار کرنا جائز نہیں۔ شاہ اسمٰعیل شہید اکثر ہرن کا شکار کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں شکار کا گوشت بازار میں فروخت بھی ہوتا تھا تو کسی نے عرض کی کہ آپ اتنے بڑے عالم اور متقی شخص ہیں آپ شکار پر وقت کیوں ضائع کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے بہترین گوشت وہی ہے جو بندہ شکار کر کے خود ذبح کر کے کھاتا ہے۔ کہ اس طرح وہ یہ رزق براہِ راست اللہ سے لیتا ہے درمیان میں نہ دکاندار، نہ تاجر کسی کے کاروبار کی اچھائی برائی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا شکار کا گوشت الطیب الرزق ہے یعنی پاکیزہ ترین رزق۔ اس کے علاوہ شکار میں جہاد کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ گھات لگانا، نشانہ بازی اس طرح جہاد کی عملی تربیت ہوتی ہے۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر تکبیر پڑھ کر گولی چلائی جائے اور جانور ذبح ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ حلال ہے۔ یہ فتویٰ درست نہیں۔ اس لئے کہ گولی تیز دھار آلہ نہیں اور ذبح میں کاٹنا شرط ہے اس میں لوہے کی دھار ہی شرط نہیں تیز دھار پتھر سے بھی تکبیر پڑھ کر جانور کی گردن کاٹ دی جائے تو حلال ہو جاتا ہے اسی طرح شیشہ اگر تیز دھار ہے اور تکبیر پڑھ کر جانور کی گردن کاٹ دی جائے تو حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن گولی پتھر کی مثال ہے۔ جو جسم کو توڑتی ہے اور توڑ کر زخم بناتی ہے جو مہلک ہوتا ہے اگر کوئی جانور کنوئیں میں گر گیا اور ایسا زخمی ہوا کہ اندیشہ ہے باہر نکلنے تک زندہ نہ رہے گا تو ایسی حالت میں تکبیر پڑھ کر کوئی تیز دھار چیز پھینکی جائے جو اس کے جسم کو کاٹ دے خون نکل آئے تو وہ جانور حلال ہے اسی طرح تیر سے ماریں، چاقو سے ماریں، گلا کاٹے یا نہ کٹے جسم کہیں سے بھی کٹ جائے لیکن کٹے تیز دھار آلے سے تو وہ حلال ہے گولی پتھر کی مثال ہوتی ہے اس کے پیچھے البتہ بارود کی طاقت ہوتی ہے وہ جسم کو توڑ کر پار ہو جاتی ہے جن لوگوں نے اس پر جواز کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے اس پہلو پر توجہ نہیں فرمائی یا ہو سکتا ہے انہوں نے زندگی بھر کبھی بندوق سے فائر بھی نہ کیا ہو۔ لہٰذا اصول یہ ہے کہ ذبح میں کاٹنا شرط ہے یعنی کوئی تیز دھار چیز جو کاٹ سکے۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ کسی قوم یا قبیلے کی دشمنی اور عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم کسی کو بیت اللہ شریف آنے سے روکو۔ کوئی دشمنی اللہ کی اطاعت سے یا اللہ کی عبادت سے روکنے کا سبب نہ بن جائے۔ اگر دشمن کو بھی عبادت سے روکنا حرام ہے تو مسجد میں نمازیوں پر بم چلانا کون سا جہاد ہے؟ اور اس جہاد کا جواز کہاں سے آیا؟ اللہ کا حکم ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرو رکاوٹ نہ بنو۔ تعاون کی ایک صورت یہ ہے کہ نیک مشورہ ہی دے دیا جائے۔ دوسرے کو نیکی کرنے سے نہ روکنا بھی تعاون کی ایک صورت ہے۔ سو ہر بھلائی کے کام میں ہر نیکی کے کام میں مدد کی جائے تعاون کیا جائے۔ کسی برائی میں کسی گناہ میں اور نافرمانی وَالْعُدْوَانِ میں تعاون نہ کیا جائے۔ وَالْعُدْوَانِ کے معنی ہیں بغاوت، نافرمانی الْاِثْمِ ہے۔ یعنی بغاوت اور گناہ میں یہ فرق ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ نماز پڑھنا فرض ہے، ضروری ہے، اچھی بات ہے لیکن میرے پاس فرصت نہیں ہے۔ تو یہ الْاِثْمِ ہے۔ گناہ ہے، جرم ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ بہت نمازی دیکھے ہیں بھلا نماز پڑھنے سے کیا ہوتا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو مولویوں نے ڈھونگ بنا رکھا ہے۔ اس طرح انکار کرنے والا بغاوت کرے گا۔ یہ بارگاہ الٰہی میں بغاوت ہوگی۔ اسی طرح زندگی کے باقی شعبوں میں احکام الٰہی پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اور ان سے بغاوت کرنا کفر ہے وہ معاملہ ذاتی ہو، دوستوں کا ہو، بھائیوں کا ہو، جائیداد و میراث کا ہو، گھریلو زندگی کا ہو، لین دین اور تجارت کا ہو، کاروبار اور ملازمت کا ہو، کسی بھی کام کو خلاف شریعت کرنا گناہ ہے اور شرعی احکام سے بغاوت کرنا انہیں بے کار بتانا بغاوت ہے۔ کفر ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں یعنی گناہ اور بغاوت میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اللہ کریم سے معاملہ درست رکھو اور یاد رکھو اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ اللہ کی سزائیں بڑی سخت ہیں اس کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ اس کی سزائیں بھی بڑی سخت ہیں۔ اس لئے اللہ سے مت بگاڑو اس سے ڈرتے رہو۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ فرمایا حرام کر دیا گیا ہے تم پر مردار۔ حرام کے معنی ہیں کسی چیز سے روک دینا۔ سب سے پہلی چیز جس کی حرمت ہے وہ مردار ہے۔ وہ جانور جو واجب الذبح ہوں۔ انہیں ذبح کر کے کھانا حلال ہو لیکن بغیر ذبح کئے مر جائیں تو وہ حرام ہو جاتے ہیں۔ جو جانور حرام ہے وہ تو ہر صورت حرام ہے لیکن مردار اس جانور کو کہیں گے جو حلال ہے، قابل ذبح ہے اور اسے ذبح نہ کیا جائے، اس پر تکبیر نہ پڑھی جائے، وہ کسی بیماری کے باعث مر جائے یا گر کر مر جائے۔ وَالدَّمُ اور خون حرام ہے۔ جو خون بوقت ذبح

نکلتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ ہاں اگر ذبح صحیح ہوا ہو۔ خون نکل جانے کے بعد گوشت میں جو تھوڑا بہت خون ہوتا ہے وہ حرام بھی نہیں اور ناپاک بھی نہیں ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ ذبح صحیح ہو اور خون پورا نکل جائے۔ **وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ** اور خنزیر کا گوشت۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ خنزیر کی اصل میں حرمت ہے۔ اس کا گوشت اس کا چمڑا غرض اس کی ہر چیز حرام ہے حتیٰ کہ اسے اُجرت پر چرانا اس کی خرید و فروخت کرنا وغیرہ سب حرام ہے۔ اس لئے کہ اس کی اصل میں حرمت ہے۔ **وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** اور وہ جانور جو قابل ذبح تو ہوں لیکن اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کئے گئے ہوں۔ جیسے مشرکین عرب میں رواج تھا کہ ذبح کرتے وقت اللہ کی تکبیر کے بجائے بتوں اور مشرکین کے نام لیا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسے تمام جانور حرام ہیں جن پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا جائے۔ **وَالْمُنْخَنِقَةُ** وہ جانور جو سانس رک جانے کے باعث مر جائے۔ گلا گھٹنے سے مر جانے والا جانور بھی حرام ہوتا ہے۔ **وَالْمَوْقُوْذَةُ** جو کسی ضرب سے ہلاک ہو جائے۔ **وَالْمُتَرَدِّيَةُ** یا کوئی جانور گر کر مر جائے۔ **وَالنَّطِيْحَةُ** جو کسی جانور کی ٹکر سے مر جائے یا کسی چیز کی ٹکر سے مر جائے جیسے گاڑی کی ٹکر سے مر جائے۔ **وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ** یا درندے کسی جانور کو چیر پھاڑ دیں اور وہ مر جائے۔ **اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ** ہاں! ان سب حالتوں میں یہ اجازت ہے کہ اگر کسی جانور کا دم گھٹ رہا تھا اور اسے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی جانور کو ٹکر لگی اور اسے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا، کوئی جانور کسی اونچی جگہ سے گرا اور مرنے سے پہلے ذبح کر لیا گیا، کسی درندے نے جانور کو گرایا لیکن اسے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا گیا تو وہ حلال ہو جائے گا۔ جسے ذبح کر لیا وہ حلال ہو جائے گا اور جو ذبح ہونے سے پہلے مر گیا وہ حرام ہوگا۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے۔ اللہ کے علاوہ کسی کی بارگاہ میں، کسی کی رضا کے لئے، کسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے خواہ وہ بت ہو، مزار ہو، مقبرہ ہو، کسی مسلمان کی قبر ہو یا غیر مسلم کی جس کی بھی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے وہ حرام ہے۔ مفسرین کرام نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وقت ذبح خواہ غیر اللہ کا نام نہ بھی لیا جائے لیکن نیت غیر اللہ کی رضا کی ہو تو بھی وہ جانور حلال نہیں رہتا۔ **وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ** یا قسمت آزمائی کرو تیروں سے، مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور ذبح کر کے پھر تیروں کے ذریعے لاٹری ڈالا کرتے تھے۔ جس میں جانور کے گوشت کی غیر مساوی تقسیم ہوتی تھی کسی کے نام زیادہ گوشت نکل آتا اور کسی کا قرعہ خالی نکل آتا۔ موجودہ لاٹری کی یہی صورت ہے کثیر تعداد میں لوگ دس، دس روپے کے ٹکٹ خریدتے ہیں جو اچھی خاصی رقم بن جاتی ہے۔ کچھ رقم لاٹری والے خود لے جاتے ہیں اور کچھ حصہ انعامی رقم کے طور پر کسی ایک شخص کو دے دیتے ہیں۔ فرمایا

یہ طریقہ تقسیم شرعاً جائز نہیں۔ **ذٰلِکُمْ فِسْقٌ** یہ سب برائی اور گناہ کے کام ہیں۔ اور گمراہی ہے۔

آج کفار مایوس ہو گئے:

آج کے دن کافر تمہارے دین کو ختم کر دینے سے ہمیشہ کے لئے ناامید ہو چکے ہیں۔ **اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ** اللہ کریم کے فضل اور نبی ﷺ کی محنت شاقہ کے نتیجے میں کفر اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ وہ دین اسلام کو ختم کر سکتا ہے۔ نبیؐ جس دین کو لے کر مبعوث ہوئے ہیں اس دین میں کسی تبدیلی کی توقع کفار کو بھی نہیں۔ ادیان سابقہ میں لوگوں نے اپنے نبیؐ کے وصال کے بعد تبدیلیاں کر دیں۔ احکام دین کی غلط تاویلیں کیں اور تمام آسمانی کتابوں میں تحریف ہو گئی لیکن دین اسلام میں وہ قوت ہے کہ کفار اس میں تبدیلی سے ناامید ہو چکے ہیں۔

آج کے گئے گزرے دور میں جب کم و بیش ساری مسلمان ریاستوں کا معاشی نظام سودی ہے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں کہ وہ کہے کہ سود حلال ہے۔ دین میں تبدیلی ممکن نہیں۔ مسلمانوں نے دین پر عمل چھوڑ دیا ہے لیکن دین کے فیصلے اپنی جگہ مستحکم ہیں۔ کفار کی یہ کوشش رہتی ہے کہ مسلمانوں سے دین پر عمل چھڑوایا جائے لیکن وہ اس بات سے ناامید ہو چکے ہیں کہ دین اسلام میں کوئی تبدیلی کریں۔ مسلمانوں سے دین پر عمل چھڑانے کے لئے کفار مختلف حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔ ایسے طریقے وضع کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو مرعوب کریں۔ مختلف خطرات دکھا کر ڈرائیں۔ اندیشوں میں مبتلا کریں کہ یہ کرو گے تو ایسا ہو جائے گا ویسا ہو جائے گا۔

فرمایا: **فَلَا تَخْشَوْهُمْ** اگر تمہارا اللہ پر یقین ہے رسول اللہ ﷺ پر اعتماد ہے تو پھر تمہیں کفار سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ **وَاخْشَوْنِ** ڈرنا ہے تو اللہ کریم سے ڈرو۔ کافر اگر تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کریں گے تو کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اس لئے کہ تمہیں اللہ کی معیت حاصل ہے۔ جب تمہیں دامانِ نبوت ﷺ میں پناہ حاصل ہے تو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لہٰذا کافروں سے ہرگز مت ڈرو۔ ہاں! اللہ کی بے نیازی سے ڈرتے رہنا اور اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ بے شک اللہ بہت کریم ہے یقیناً اللہ بہت غفور الرحیم ہے لیکن نافرمانی کرنا اس کے غضب کو دعوت دیتا ہے اور اس کا غضب بھی اس کے مقام کے لائق ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یہ آیت کریمہ حجۃ الوداع پر میدان عرفات میں 9 ذی الحج 10 ہجری کو نازل ہوئی اور اس کے بعد بیاسی

یا چوراسی دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ دنیا میں جلوہ افروز رہے۔ پھر پردہ فرما گئے۔

عقائد و اعمال کا مجموعہ آج مکمل ہو گیا:

اس آیۂ کریمہ کے نزول کے ساتھ اللہ نے تکمیل دین کی مہر ثبت کر دی کہ آج تمہار دین تمہارے لئے مکمل ہو گیا۔ مکمل سے مراد یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کے کم کرنے یا کچھ زائد بڑھانے کی کچھ ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ غیر متبدل ہے۔ کتاب وسنت یعنی جو اور جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے وہی دین قیامت تک رہے گا۔ زمانہ لاکھ کروٹیں بدلے۔ کروڑوں نئی ایجادیں ہوں۔ حلال وحرام، جائز و ناجائز عقائد، عبادات ومعاملات سب وہی رہیں گے۔ جو اسلام کی صورت میں مکمل کر دیئے گئے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ مخصوص زمانوں کے لئے تشریف لائے اور ہر نبیؑ نے عقیدے سے متعلق امور میں کبھی تفریق نہیں کی توحید ورسالت، آخرت، جنت و دوزخ تمام ضروریات دین وہی رہے جو روز اوّل سے تعلیم فرمائے گئے۔

احکام زمانے کی ضرورت کے مطابق تبدیل ہوتے رہے کہ ایک وقت میں ایک حکم صحیح ہوتا اور حالات کے مطابق کسی اور وقت میں دوسرا حکم صحیح ہوتا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جو دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا یہ نہ کسی خاص قوم کے لئے ہے نہ کسی خاص وقت کے لئے لہٰذا اس میں اب کبھی احکام بھی تبدیل نہیں ہوں گے۔ اسلئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہو گیا۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے بہت خوشی منائی۔ یہ بہت بڑا انعام تھا کہ ایسی کوئی آیت کسی نبیؑ پر نازل نہیں ہوئی تھی۔ یہ امتیاز صرف نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ اللہ کریم نے فرمایا تمہارا دین آج مکمل کر دیا گیا۔ **وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ** جتنی نعمتیں بندہ بارگاہ الوہیت سے حاصل کر سکتا ہے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، دنیوی ہوں یا اُخروی، جسمانی ہوں یا روحانی وہ ساری اس دین میں سمو دی گئی ہیں۔ دین کے خلاف چل کر کوئی دنیوی و اُخروی نعمت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ دین کے خلاف چل کر مصیبتیں نازل ہوں گی، عذاب الٰہی آئے گا، اللہ کی ناراضگی ہوگی اور دین پر عمل کر کے اللہ کی ساری نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔ **وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا** اسلام کو اللہ نے پسند فرما لیا۔ اللہ کی رضا اسلام پر عمل پیرا ہونے میں رکھ دی گئی۔ یہ معمولی بات نہیں۔ اتمام نعمت ہو چکا۔ اب کوئی شخص یہ امید نہ رکھے کہ اللہ کی رحمت اور برکت کسی اور جگہ سے ملے گی۔ بعثت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت مکمل ہو گئی۔ کوئی نیا نبیؑ نہیں آئے گا۔ کوئی نیا دین

نہیں آئے گا۔کوئی وحی نئی نازل نہیں ہوگی۔اللہ کریم نے سب کچھ اسی دین میں سمو دیا ہے لہٰذا جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو۔اس کی دنیوی زندگی پر سکون ہو، باعزت ہو، اس کی آخرت شاد کام ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ دونوں عالم کی ہر نعمت صرف دین اسلام کے عقائد و احکام پر قائم رہنے سے حاصل ہوگی۔

اس آیۂ مبارکہ کے نزول پر صحابہ کرامؓ بہت خوش تھے۔لیکن حضور اکرم ﷺ کے غار کے ساتھیؓ پر گریہ طاری تھا۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یہ تو خوشی کا مقام ہے تو آپ اس قدر کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ واقعی بہت خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے دین مکمل فرما کر تمام نعمتیں اس میں سمو دی ہیں لیکن اس پیغام میں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ دین پہنچانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔اب جب دین مکمل ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس دارِ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے۔یہ دکھ مجھے رلا رہا ہے اور ان کا اندازہ درست ثابت ہوا۔اس آیت کے نزول کے بعد صرف بیاسی یا چوراسی دن آپ ﷺ دارِ دنیا میں جلوہ افروز رہے۔اس کے بعد پردہ فرما گئے۔

عقائد و عمل کا مجموعہ مکمل کر کے رہتی دنیا تک کے لئے لائحہ عمل ترتیب دے دیا گیا لیکن آج کے مسلمان حیران ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں بہت پرانی ہو گئی ہیں زمانہ بدل گیا ہے۔زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے۔بہت آگے چلا گیا ہے۔زمانے میں بہت سی تبدیلیاں آچکی ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا واقعی ایسا ہے؟ ہرگز نہیں۔انسانی ضروریات تب بھی وہی تھیں جو آج ہیں۔کیا جب دین نازل ہو رہا تھا تو لوگوں کو بھوک لگتی تھی اور اب نہیں لگتی؟ تب لوگ تجارت کرتے تھے، گھر بناتے تھے اب ایسا نہیں کرتے؟ اس زمانے میں صلح و جنگ ہوتی تھی، اب نہیں ہوتی؟ آج بھی وہی سب ضروریات ہیں جو پہلے تھیں۔انسان نہیں بدلا، انسانی ضروریات نہیں بدلیں۔صرف اسباب و ذرائع بدل گئے ہیں۔اس زمانے میں لوگ پیدل سفر کرتے تھے یا اونٹ اور گھوڑے پر کرتے تھے۔اب جہاز، ریل گاڑی یا موٹر پر کرتے ہیں۔اس وقت بھی سفر کا مقصد تجارت اور حصول رزق تھا، آج بھی مقصد یہی ہے۔اس وقت غذائیں مختلف انداز میں بنائی جاتی تھیں آج اور انداز ہیں لیکن اس وقت بھی مقصد پیٹ بھرنا تھا اور غذا کا حلال و طیب ہونا شرط تھا۔آج بھی کھانے سے بقائے حیات مقصود ہے اور اس کے لئے حلال و طیب کی شرط ویسی ہی موجود ہے۔آج یہ کہا جاتا ہے کہ آج کے لوگ زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔دیکھنا چاہیے کہ آج تعلیم یافتہ کسے کہا جاتا ہے؟ وہ جو چار مضمونوں میں ایم اے کر لے، پی ایچ ڈی کر لے، ڈاکٹر بن جائے۔یہ دیکھنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے علم کی کیا تعریف ارشاد فرمائی ہے؟

علم کیا ہے؟

آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے **اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَدْیَانَ وَ عِلْمُ الْاَبْدَانِ او کما قال رسول اللہ** ﷺ فرمایا علم کے دو حصے ہیں۔ پہلا اور ضروری حصہ ادیان کا علم ہے۔ عقائد ونظریات، حلت وحرمت، حدود و قیود اور اخلاقیات کا علم۔ دوسرا حصہ علم الابدان ہے۔ مادیات کا علم جس میں تمام دنیوی علوم آجاتے ہیں یوں جو شخص صرف دنیوی علوم پڑھتا ہے اس کے پاس آدھا علم ہے اور جو صرف مادی علوم پڑھتا ہے اس کے پاس بھی آدھا علم ہے۔ ہمارا مسئلہ ہی یہ ہے کہ جو دین پڑھتا ہے وہ مادی ودنیوی علوم نہیں پڑھتا اور جو مادی ودنیوی علوم پڑھتا ہے اسے دین کی خبر نہیں ہوتی۔ یوں دونوں طبقے آدھے جاہل رہ جاتے ہیں پھر آپس میں ان کی چپقلش رہتی ہے۔ اس کا حل مکمل علم کا حصول ہے۔ ورنہ ایک بڑا دینی عالم، مفسر، محدث اگر گاڑی چلانا نہیں جانتا تو اس معاملے میں وہ بڑا عالم ہو کر بھی مادی علم سے بے بہرہ ہی کہلائے گا اور سائینس وٹیکنالوجی کا ماہر احکام دین نہیں جانتا تو وہ بھی اس معاملے میں دینی علم سے بے بہرہ ہی ہوگا۔ یعنی علم کے ایک شعبے میں وہ جاہل ہوگا۔ دینی اعتبار سے ان پڑھ ہوگا کہ اس نے نہ دین پڑھا نہ قرآن حکیم اور اس کا ترجمہ پڑھا، نہ اس کے مفاہیم سمجھے نہ احکام دین سیکھے نہ ان کی اہمیت سمجھی نہ ان پر عمل کیا۔ اسی لئے پڑھا لکھا طبقہ اسلام سے ڈرتا ہے جہاں شریعت کا نام آجائے وہیں ڈر جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے ذاتی طور پر شریعت کو جاننے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اسی لئے انہیں اسلامی نظام عدل کے مطالبے کی سمجھ نہیں آرہی۔ اہل سوات کا مطالبہ ہے کہ مسلم ریاست میں اسلام کا نظام عدل ہونا چاہیے لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کو شرعی عدالتی نظام کے لئے جہاد کرنا پڑے جبکہ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو۔ الحمد للہ ایک خوش آئند بات ہوئی کہ حکومت کا سوات کے علماء سے معاہدہ ہو گیا اور بندوق رکھ دی گئی۔ لڑائی ختم کر دی لیکن مقام حیرت یہ ہے کہ یہ پڑھے لکھے لوگ اہل سوات کے مطالبہ نفاذ دین کو ظلم بتا رہے ہیں اور اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ ملک کے سارے لوگ کلمہ گو ہیں کل کو وہ بھی یہی مطالبہ لے کر نہ اٹھ کھڑے ہوں کہ ہمارے ساتھ بھی اسلامی طریقے سے عدل کیا جائے۔

انگریز کا دیا ہوا نظام طویل کاروائیوں پر مشتمل ہے جو عوام کو خوار کر دیتا ہے:

ہمارے ملک میں انگریز کا دیا گیا نظام ہی چل رہا ہے۔ اس میں انصاف سے زیادہ لوگوں کو رسوا کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اگر کہیں کوئی قتل ہو جاتا ہے تو پولیس سے لے کر مجسٹریٹ تک پھر لوئر کورٹ سے

ہائی کورٹ میں اپیلوں تک برسوں لگ جاتے ہیں پھر فیصلہ ہوتا ہے ایک قتل ہوا سیشن کورٹ نے سزائے موت دی پھر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں رحم کی اپیل ہوئی 1972ء میں قتل ہوا اور 1984 میں قاتلوں کو سزا ملی لیکن ان بارہ سالوں میں مقتول کا خاندان بکھر گیا۔ بیوی کے سر سے خاوند کی حفاظت ہی نہ اٹھی اسکے بچے بھی آوارہ ہو گئے۔ وراثت بک کر مقدموں کی نذر ہوگئی اور یوں خاندان اُجڑ گیا۔ اس انصاف کا کیا فائدہ ہوا جو بارہ سال بعد ملا۔ انگریزی کا محاورہ یہاں صادق آتا ہے۔ Justice delayed is Justice denied

جو انصاف دیر سے ملے وہ انصاف نہ دینے کے برابر ہے۔

اسلامی نظامِ عدل سہل ہے اور بروقت مہیا کیا جاتا ہے:

اسلامی نظام عدل میں عدالت کی ذمہ داری ہے کہ جائے وقوعہ پر عدالت لگائے۔ شہادتیں اکٹھی کرے اور فیصلہ دے۔ ایک اپیلٹ کورٹ ہو اس میں اپیل جائے اور دو تین ماہ کے اندر اندر فیصلہ سنا دیا جائے۔ مجرم کو قرار واقعی سزا ملے نہ رعایت کی جائے نہ سفارش سنی جائے نہ رشوت لی جائے۔ اس نظام کی برکت سے جرائم کم ہو جاتے ہیں۔

شاہ فیصل مرحوم کا برمحل جواب:

شاہ فیصل مرحوم امریکہ کے دورے پر تھے۔ انہی دنوں نیویارک شہر میں کسی خرابی کے باعث نو گھنٹے بجلی بند رہی ان گھنٹوں میں چھتیس ہزار مقدمات پولیس میں رجسٹر ہوئے جو ڈاکے اور آبروریزی کے تھے۔ اور جو مقدمات درج نہیں ہوئے ان کی تعداد کیا تھی؟

امریکہ کے اس دورے میں ان پر یہ سوال داغا گیا کہ آپ کے ملک میں انتہائی سخت سزائیں کیوں ہیں؟ کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو اور قاتل کی گردن اڑا دو۔ آپ اتنی سخت سزاؤں کے ساتھ نظام کیسے چلاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس بحث میں نہ پڑو کہ ہمارے ہاں سزائیں کیا ہیں بلکہ نتائج پر بات کرو۔ تم ہمارے ملک کے ایک سال کے جرائم کے اعداد و شمار دیکھو اور اپنے ملک کے ایک سال کے جرائم کا ریکارڈ چیک کرو۔ موازنہ کر کے بتاؤ کہ ہمارا نظام صحیح ہے یا تمہارا؟ اسلئے کہ نظام اپنے نتائج اور ثمرات سے جانچا جاتا ہے۔ فرمایا ہمارے ہاں بجلی سال بھر بھی بند رہے تو یہ صورت حال نہیں ہوتی جو تمہارے ہاں 9 گھنٹے کی بجلی بندش کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔

یہ آیۃ کریمہ اللہ کے احسان کو بیان کر رہی ہے کہ اللہ نے دین اسلام کو مکمل کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ اب اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں بلکہ کافر بھی اس دین کو تبدیل کرنے سے ناامید ہو چکے ہیں۔ قرآن حکیم کو نازل ہوئے چودہ سوتیس برس ہو گئے ہیں۔ آج تک اس کا کوئی ایک حرف یا ایک لفظ تبدیل نہیں کر سکا اور نہ قیامت تک کر سکے گا۔ فرمایا: کفار سے ڈر کر ان کے پیچھے مت چلو ان جیسا بننے کی کوشش مت کرو۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ صرف اللہ کی عظمت وجلالت سے ہر وقت لرزاں وترساں رہو۔ اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرو۔ یاد رکھو دین مکمل ہو گیا اور ساری نعمتیں اس میں سمو دی گئیں۔ جتنے کام دین سے باہر ہوں گے ان میں سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہر فائدہ دین کے اندر ہے خواہ وہ ظاہری ہے یا باطنی۔ **وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ** ساری نعمتیں میں نے تم پر تمام کر دیں۔ **وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا** اور تمہارے لئے اللہ نے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

اضطرار میں بھی حرام، حلال نہیں ہوتا:

آیت کے آخر میں حلت وحرمت میں اضطراری حالت کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا: **فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ** کسی شخص پر حالت اضطرار آ جاتی ہے۔ اس کی جان نکل رہی ہے۔ کھائے گا نہیں تو مر جائے گا تو اس حالت میں صرف جان بچانے کے لئے حرام کھانا جائز ہوگا لیکن وہ حلال نہیں ہوگا۔ حرام، حرام ہی رہے گا۔ خاص حالت میں جان بچانے کے لئے حرام کھانے کی اجازت ہوگی۔ اس خاص حالت کو عام حالت سے استثنا حاصل ہے۔ یعنی اگر کوئی اتنا کھا لے کہ اس سے جان بچ جائے تو اسکی اسے معافی مل جائے گی لیکن حرام حلال نہیں ہوگا۔ حرام ہی رہے گا۔ صرف اس شخص کو اس حالت میں معاف ہوگا کہ ایسا مجبوری میں کیا گیا ہو بشرطیکہ اس کا میلان گناہ کی طرف نہ ہو۔ وہ کسی حرام چیز سے لذت حاصل کرنا نہ چاہتا ہو۔ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③** تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اضطرار میں بھی حرام حلال نہیں ہوتا لیکن جان بچانے کے لئے تھوڑا سا کھا لینے کو اللہ معاف کرنے والا ہے۔

عقیدہ وعمل اللہ کی رضا کا باعث:

حلت وحرمت کے احکام کا جاننا دراصل حصول رضائے الٰہی ہے۔ اس ضمن میں فرمایا **يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ** آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیزیں حلال ہیں؟ فرما دیجئے کہ تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں یعنی اشیاء کی اصل میں اباحت ہے جیسا کہ سورہ البقرہ آیت 29 میں ارشاد

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ہے کہ زمین پر جو کچھ ہے پھل، غلّہ، پرندے، جانور سب تمہارے لئے ہیں۔ تمہاری خدمت کے لئے ہیں۔ ان میں حرمتِ شرعی ثابت کرنا پڑتی ہے کہ کون سی چیز حرام ہے؟ جن چیزوں میں حرمت شرعی ہے ان میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو طبعی طور پر انسانی صحت کے لئے مضر ہیں۔ جیسے شراب۔ شراب سے علاج کے بارے ایک مسئلہ بہت مشہور ہوا تھا۔ علماء نے بہت تحقیق کے بعد حتمی فیصلہ دیا تھا کہ

یہ تصور ہی غلط ہے کہ حرام سے شفا ہوگی:

حرام میں شفا نہیں ہے۔ جو چیز انسانی صحت کے لئے ضروری ہے اسے شریعت نے حرام نہیں کیا اور جو حرام ہے وہ انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ شراب انسانی صحت کے لئے قطعاً مفید نہیں۔ لہٰذا اس کے بطور علاج استعمال کرنے کی حلّت کا کوئی جواز نہیں۔ جان بچانے کے لئے کسی حرام غذا کے استعمال کی اجازت بہت سی شرائط کی پابندی کے ساتھ دی گئی ہے لیکن وہ بھی حلال نہیں کی گئی اور حرام کھانے کا گناہ چونکہ اضطراراً ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کریم اسے معاف کردیں گے کسی طور پر بھی شرعی حرام حلال نہیں ہوگا۔

غیر طیب غذا روحانی صحت کے لئے مضر ہے:

جتنا بدنِ انسانی اہم ہے، اس سے زیادہ انسانی روح اہم ہے۔ غیر طیب غذا انسانی روح کو متاثر کرتی ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ جب لفظ انسان بولا جائے تو اس سے مراد روح ہوگی۔ انسان کے وجود میں جب تک روح ہو اسے انسان کہا جاتا ہے جب روح قبض ہو جائے تو وجود کو میّت یا نعش کہتے ہیں۔ روح کی حیات ایمان سے ہے۔ اگر ایمان نہیں تو روح میں حیات نہیں اور روح کی صحت اتباع محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اسلئے فرمایا تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ حرام اشیاء کو پچھلی آیات میں شمار کر کے بتا دیا۔ باقی خوانِ نعمت اللہ کی نعمتوں سے بھرا ہوا ہے۔

سدھائے ہوئے کتے اور باز کے ذریعے شکار کے احکام:

فرمایا: وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا تمہیں اللہ نے جو شعور دیا اور تم جانوروں کو سدھا لیتے ہو اور وہ تمہارے لئے شکار کو پکڑ لیتا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ۔

مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ جانور سدھایا گیا ہو۔ اسے اللہ کی عطا کردہ شریعت کے

اصولوں کے مطابق سدھایا گیا ہو۔ جیسا کہ آیت کے شروع میں فرمایا: مِّنَ الْجَوَارِحِ یعنی شکاری جانور کو شکار پکڑنے کی اور روک لینے کی تعلیم دی گئی ہو۔ یہ نہ ہو کہ وہ شکار کو پکڑ کر کھالے۔ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑے وہ تم پر حلال ہے۔ تم اسے کھاؤ لیکن اس شرط کے ساتھ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اور اس پر اللہ کا نام لو۔ شکاری پرندہ یا جانور اسے تمہارے لئے روک لے پھر تم اسے ذبح کرو جب کہ ذبح ہونے سے پہلے اس میں حیات ہو اور تیر پھینکتے وقت نیزہ یا خنجر پھینکتے وقت تکبیر پڑھی گئی ہو۔ بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑتے وقت تکبیر پڑھ لی جائے اور پھر اگر جانور مر بھی جائے تو حلال ہوگا بشرطیکہ ان کے کاٹنے سے جانور کا خون بہ نکلے۔ اگر سدھائے ہوئے شکاری جانور نے گردن دبا کر مار دیا اور وہ شکار مر گیا اور اس کا خون نہیں نکلا تو وہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ بعض حضرات نے بندوق کی گولی سے بھی جواز نکالا ہے کہ تکبیر پڑھ کر گولی فائر کی جائے اور مارا جائے تو حلال ہے لیکن یہ حلال نہیں ہے۔ اس لئے کہ بندوق کی گولی کا کام گوشت توڑنا ہے کاٹنا نہیں۔ بندوق کی گولی کی مثال پتھر کی سی ہے، جو توڑتی ہے کاٹتی نہیں اور جو آلہ شکار کی طرف پھینکا جائے اس کا تیز دھار ہونا شرعی شرط ہے۔ جیسے تیر، نیزہ، خنجر کاٹتا ہے تو کوئی بھی ایسا آلہ جو گوشت کو کاٹ ڈالے وہ تکبیر پڑھ کر جانور پر پھینکا جائے اور وہ جانور اس سے مر جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن گولی کے پیچھے بارود کی طاقت ہوتی ہے وہ جسم سے پار بھی نکل سکتی ہے لیکن جسم کو توڑ کر نکلتی ہے کاٹ کر نہیں لہٰذا بندوق کی گولی کا جواز درست نہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھو۔ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ④ حلت وحرمت کے احکام کو پیش نظر رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں۔

زندگی کا مقصد لذتِ کام ودہن نہیں۔ اللہ سے رشتہ استوار کرنا مقصد حیات ہے:

یہ وہ اصل بات ہے جس پر دین کا مدار ہے تمام فرائض وواجبات سنن ومستحبات، مسئلے مسائل، عقائد ونظریات سے لے کر اعمال وکردار تک بیع وشراء جہاد وشہادت سب کی بنیاد ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کہ اللہ جل شانہٗ سے اپنا معاملہ درست رکھو۔ اس لئے صرف کھانا مقصد نہیں ہے صرف پیٹ بھرنا مقصد نہیں ہے کہ جس جگہ سے جو ملے وہ کھالو بلکہ حلال، جائز اور طیب تلاش کرنا اس سے جسمانی ضرورت پوری کرنا اور روحانی صحت قائم رکھنا ضروری ہے۔ زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لذیذ کھانے کھائے جائیں اور خوبصورت کپڑے پہنے جائیں بلکہ زندگی کا مقصد اپنے خالق، اپنے مالک حقیقی کی اطاعت کر کے اپنے لئے اس کی رضامندی حاصل

کی جائے ، اسی کو تقویٰ کہتے ہیں ۔عربی میں جو مفہوم تقویٰ کا ہے وہ اردو زبان اپنی تنگ دامنی کے باعث بیان نہیں کر سکتی ۔عربی وہ زبان ہے جسے اللہ کریم نے اپنے کلام کے لئے پسند فرمایا۔ یہ آقائے نامدار ﷺ کی زبان ہے۔ اس میں وہ وسعت ہے جو کسی اور زبان میں نہیں ۔اس لئے اس لفظ تقویٰ کا اردو ترجمہ ڈر کر دیا جاتا ہے جو نامکمل ہے۔ اس لئے کہ ڈر کی بہت سی قسمیں ہیں ۔انسان دشمن سے بھی ڈرتا ہے۔ موذی جانور سے بھی ڈرتا ہے۔ چور سے بھی ڈرتا ہے ڈاکو سے بھی ڈرتا ہے۔ بیمار ہونے سے بھی ڈرتا ہے تو پھر اللہ کریم سے ڈر کا معنی کیا ہے؟ اس کا معنی ہے رشتے کا پاس ہونا۔ رب جلیل سے ایسا رشتہ اور تعلق بن جاتا ہے کہ بات کرتے وقت بندہ یہ سوچے کہ جو کچھ وہ کہنے جا رہا ہے اس سے اللہ ناراض تو نہیں ہو جائے گا؟ جو کام وہ کرنے لگا ہے اس سے مالک خفا تو نہیں ہو جائے گا؟ اگر یہ رشتہ رب جلیل سے بن جائے تو اسے تقویٰ کہتے ہیں ۔اس رشتے کے مجروح ہونے کے ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ایسا رشتہ استوار کرنا زندگی کا مقصد ہے۔ دنیا میں انسان اسی مقصد کے حصول کے لئے بھیجا گیا ہے۔ کارگاہِ حیات اسی لئے سجائی گئی ہے اور انسان واحد مخلوق ہے جسے اللہ نے اپنی ذات کی معرفت کی قوت عطا فرمائی ہے۔ انسان کے علاوہ کوئی دوسری ایسی مخلوق نہیں جو ذاتِ باری کو پہچان سکے یا معرفت باری کا دعویٰ کر سکے۔ اس کی ساری مخلوق اس کی عظمت کا اقرار کرتی ہے اور اطاعت کرتی ہے۔ یہ سوال کرنے کی کسی میں استعداد نہیں کہ وہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ اللہ کی پاکیزہ ترین مخلوق فرشتے اور ان میں بھی مقدس ترین مقرب بارگاہ حاملین عرش بھی یہ سوال نہیں کر سکتے ؟ یہ جرأتِ رندانہ اللہ نے اس مشتِ غبار کو بخشی ہے کہ یہ سوال کرتا ہے کہ اللہ کون ہے کیسا ہے؟ پھر اللہ سے اپنا رشتہ استوار کرتا ہے۔ جب اس نے انسان کو اتنی بڑی نعمت دی تو ایک چھوٹا سا امتحان بھی رکھ دیا۔ جہاں بھر کو اپنی مصنوعات سے سجا دیا، خوبصورت تخلیقات بکھیر دیں ۔کہیں باغات ،کہیں پرندے، کہیں جھرنے ،دولت اور زرّ و جواہر، حکومت واقتدار جیسی نعمتیں پھیلا دیں اور انسان کو ایک مختصر اور محدود وقت کے لئے ان نعمتوں کے درمیان چھوڑ دیا۔

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اِدھر جاتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ آتا ہے

اور پھر وہ یہ دیکھتا ہے کہ جسے میں نے یہ استعداد بخشی ہے کہ میرا جمال پا سکتا ہے، میرے قرب کی منازل پا سکتا ہے، آخرت میں آکر مجھے دیکھ سکتا ہے۔ وہ کیا میری ذات کے لئے بے قرار ہوتا ہے یا ان کھلونوں میں کھو کر مجھے بھلا دیتا ہے۔ حالانکہ یہ کھلونے بھی کوئی اپنی ہمت سے ،اپنی جھولی میں نہیں بھر سکتا۔ وہ

اپنی مرضی سے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے دیتا ہے۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ (الفجر15) کسی کا امتحان اس طرح لیتا ہے کہ ڈھیروں نعمتیں دے دیتا ہے اقتدار، مال، حکومت ہر شئے دے کر دیکھتا ہے کہ یہ کہیں اپنی خدائی کا دعوے دار بن جاتا ہے یا سب کچھ پا کر بھی میرا طلب گار رہتا ہے؟ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ کسی کی آزمائش اس طرح کرتا ہے کہ اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ اسے عیش وعشرت اور فراوانی نہیں دیتا۔ پھر دیکھتا ہے کہ یہ اللہ کی بارگاہ چھوڑ کر کسی اور کے دروازے پر جاتا ہے یا بھوک، افلاس اور بیماری میں بھی میرے جمال کا ہی طالب رہتا ہے؟ دونوں صورتوں میں آزمائش یہی ہے کہ بندہ طلب الٰہی پر قائم رہتا ہے یا مخلوق کی طلب میں چلا گیا ہے؟

صوفیاءاہلِ اللہ کے اوصاف:

اہلِ اللہ وصوفیاء اللہ کے بڑے عجیب بندے ہوتے ہیں۔ ان کے احوال ہماری عقل اور ہمارے شعور سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ سوائے عظمتِ الٰہی کے سوائے طلبِ الٰہی کے کسی چیز کو خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ ان کی تربیت کے انداز، ان کے اخلاص اور طلبِ الٰہی کے مظہر ہوتے ہیں۔ استاذ نا حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صلوٰۃ باجماعت ادا کرو لیکن فرض پڑھ کر نمازیوں سے الگ ہو کر سنتیں پڑھو۔ یہ اس لئے فرماتے تھے کہ اکثر نمازی رسمی نمازیں پڑھتے ہیں۔ دل میں کچھ اور ہوتا ہے ذہن میں کچھ اور ہوتا ہے۔ سوچ کہیں اور ہوتی ہے، سجدے میں کہیں اور ہوتے ہیں۔ دنیاداری کا جو طوفان ان کے دل میں ہوتا ہے اس کی نحوست اس پر پڑتی ہے جو ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ باجماعت صلوٰۃ چونکہ ضروری ہے لہٰذا جماعت ترک نہ کرو البتہ جماعت کے ساتھ فرض پڑھ کر نمازیوں سے علیحدہ ہو جایا کرو اور سنتیں مسجد میں الگ ہو کر پڑھو یا گھر جا کر پڑھو۔ دکانوں پر بجی ہوئی اشیائے خورونوش کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان بجی ہوئی اشیاء کو نہ خریدا کرو اس پر غرباء ومساکین کی حسرت بھری نگاہیں پڑتی ہیں۔

اہل اللہ ایسے محتاط لوگ ہوتے ہیں کہاں کہاں سے دامن بچاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت کو دوران سفر رات کسی گاؤں میں گزارنی پڑی اس زمانے میں ہوٹل وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ مسافر عموماً مسجد میں رات بسر کرتے تھے اور علاقے کے رہائشی، مسافر کو اللہ کا مہمان سمجھ کر اس کے کھانے کا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اہلِ علاقہ نے کھانے کو پوچھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کھانا لاتے وقت یہ التزام کر لیجئے کہ کھانا کسی نمازی خاتون کے ہاتھ کا بنا ہوا ہو۔ گاؤں بھر میں تلاش ہوئی اور ایک خاتون بھی ایسی نہ ملی جو پانچ وقت کی نمازی ہو۔ اہلِ علاقہ بڑے شرمسار حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ تو ہمارے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ مسافر یہاں سے بھوکا چلا جائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس کو اللہ کی بارگاہ میں حاضری

نہ دینے پر شرم نہیں آتی اسے دنیاوی بات پر شرم آتی ہے؟ یعنی اللہ سے شرم نہیں آتی، مہمان سے شرم آتی ہے؟ آخر کار دودھ لاکر دیا جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پی کر رات گزاری۔ بھوکا رہنا گوارا کر لیا لیکن بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا۔ حالانکہ خاتون مسلمان تو تھی۔ ہاتھ دھوکر پکاتی تو کھانا ناپاک بھی نہ ہوتا لیکن تقویٰ کا وہ درجہ حاصل تھا کہ بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا نحوست کے اثرات سے پُر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ان انوارات کو مجروح کرتا ہے جو ذات باری کی تجلیات کی صورت میں اس کے دل پر آرہی ہوتی ہیں۔ صوفی کو کھانے کی لذّت سے وہ لذّت عزیز ہے جو تجلیات باری سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانی کا تو تصور ہی یہ ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں ایمان کی کیفیات ہونی چاہئیں۔ ہر مسلمان کو توحید باری کا احساس ہونا چاہیے۔ ہر مسلمان کو اللہ کی رضا اور اس کی ناراضگی کا احساس ہونا چاہیے۔ بتقاضائے بشریت خطا تو ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا عہد بہترین مسلمانوں کا عہد ہے۔ اس عہد میں بھی قاضی مقرر ہوئے۔ لوگوں کے درمیان جھگڑے ہوئے۔ ان کے فیصلے کئے گئے ان سے خطائیں بھی ہوئیں۔

خطا کا ہو جانا تقاضائے بشریت ہے اور اللہ کے ساتھ تعلق ہونا کمال انسانیت ہے:

صحابہ کرامؓ میں کمال انسانیت اس درجہ کا تھا کہ جن صحابہ کرامؓ سے کوئی بڑی غلطی ہوئی احساسِ خطا ہوا تو وہ ازخود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے کہ ہم پر حد جاری کر دی جائے۔ ہمیں قبر میں جاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہم اللہ کے حضور کیسے پیش ہوں گے تو جو سزا اللہ نے مقرر کی ہے وہ آپ ﷺ جاری فرمادیں۔ یہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ سے بندہ فرشتہ نہیں بن جاتا ہے لیکن ایک احساس زندہ ہو جاتا ہے کہ ہر حال میں اللہ کے ساتھ اپنا رشتہ استوار رکھنا ہے اسے خراب نہیں ہونے دینا۔ محض کھانا، پینا، دعوتیں اُڑانا زندگی کا حاصل نہیں ہے۔ فرمایا: اللہ کی نعمتیں استعمال کرو، اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، اپنی حیثیت کے مطابق رہائش و سواری رکھو۔ لیکن اللہ سے تقویٰ کا تعلق قائم رکھو۔ اور یہ بھی یاد رکھو اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴿۴﴾ اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ تقویٰ کا نتیجہ ادائے شکر ہے۔ بندے کو اللہ کی نعمتوں کا احساس عطا ہو جاتا ہے کہ اللہ نے انسان کو بہترین تخلیق بنایا ہے۔ بہترین اوصاف جسمانی دیئے ہیں اور بہترین روحانی اوصاف دیئے۔ روح اور لطائف ربانی سے نوازا، انسانی دماغ، حواس خمسہ، اعضائے بدن موزوں عطا فرمائے، اتنی نعمتیں دیں کہ بندہ گن نہیں سکتا۔ ارشاد ربانی ہے وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ط (النحل 18) ان گنت اور بے شمار نعمتیں دیں۔ بندہ تو مخلوق ہے وہ خالق کا ممنون ہو کر اسے کیا دے سکتا ہے؟ فرمایا: ایک چیز دے سکتا ہے۔ یہ تسلیم کرلے کہ تمام نعمتیں تیری ہیں ہم ان کی قیمت نہیں ادا کر سکتے۔ تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ

ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (المائدہ 119) جن پر اللہ راضی ہوگا انہیں اتنا کچھ دے گا کہ وہ مزید شکر گزار اور اللہ سے راضی ہوں گے۔ اس لئے فرمایا اپنی ساری نظر اس پر نہ رکھو کہ کتنا کھانا اور کیا کھانا ہے؟ اس پر نظر رکھو کہ کیا کھانے سے اللہ کی رضا نصیب ہوگی اور کیا کرنے سے رضائے باری سے محروم ہو جاؤں گا۔ یاد رکھو پچاس، ساٹھ، اسی، سو سال کی زندگی بھی پل بھر میں گزر جاتی ہے۔ آج کسی سے کہا جائے کہ تمہیں فلاں چیز پچاس سال بعد دوں گا تو اسے یہ عرصہ بہت طویل لگے گا اور جن کی عمر پچاس سال سے اوپر ہو چکی ہے اُن سے پچاس سال کے بارے میں پوچھیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو کل کی بات ہے آنکھ جھپکنے میں یہ عرصہ گزر گیا۔ جب موت آئے گی دائمی زندگی میں داخل ہوں گے تو سمجھ آئے گی کہ دنیا کی زندگی تو پل بھر کی تھی ہم سے اس مختصر سے عرصے میں بھی صبر نہ ہو سکا کہ تھوڑی دیر خود کو اللہ کی نافرمانی سے روک لیتے۔ اس کی نعمتوں کا شکر کرتے۔ یاد رکھو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾ جب سوال ہوگا تو اس کا جواب سوائے اطاعت اور شکر کے اور کوئی نہیں ہوگا سو اپنی توجہ اپنے نظریے سے لے کر کردار تک اس بات پر رکھو کہ میرا عقیدہ اور میرا عمل میرے رَبّ کی رضا کا باعث ہو۔

تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں:

فرمایا: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۵﴾ آج کے دن سے نزول حکم سے تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ حلال میں دو پابندیاں ہیں ایک یہ کہ وہ چیز فی نفسہٖ حلال ہو اور اس کے حصول کا طریقہ جائز ہو۔ مثلاً رشوت اور چوری سے حاصل کی گئی چیز حلال نہیں ہوتی۔ دوسری شرط طیب کی ہے کہ حلال میں کوئی ناپاکی شامل نہ ہو جائے۔

اس آیت میں ذبیحہ کی بات ہو رہی ہے کہ ذبیحہ فی نفسہٖ حلال ہو، حرام نہ ہو، شرعاً ممنوع نہ ہو۔ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ذبیحہ کے بعد اس میں کوئی ناپاک چیز نہ ملائی جائے۔ مثلاً کھانا پکاتے ہوئے اہلِ مغرب شراب ڈال دیتے ہیں یا ناپاک اجزاء ڈال دیتے ہیں۔ پھر وہ حلال نہیں رہے گا۔ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ یہاں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں صرف دو جماعتوں کو اہلِ کتاب کہا ہے کہ ایک یہود دوسرے نصاریٰ باقی کسی مذہب کو اہلِ کتاب نہیں کہا گیا۔ بعض

لوگوں کا خیال ہے کہ ہندومت، جین مت، بدھ مت اور دیگر مذاہب بھی کبھی آسمانی مذاہب رہے ہوں گے اور ان کے پیشوا نبیؑ رہے ہوں گے۔ تو قرآن حکیم اس خیال کا ردّ فرما رہا ہے کہ صرف یہود و نصاریٰ ہی اہل کتاب ہیں اور یہ کہ اہل کتاب کے ہاں ذبح کے احکام وہی ہیں جو اسلام کے ہیں لیکن موجودہ یہود و نصاری کہلانے والے اپنی اپنی کتابوں پر ہی ایمان نہیں رکھتے تو ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوتا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ان کے ایک گورنر نے ایک عیسائی عورت سے شادی کر لی آپ کو معلوم ہوا تو حکم دیا کہ اس خاتون کو فارغ کر دو۔ انہوں نے پوچھا کہ امیر المومنین کیا یہ میرے لئے حرام ہو گئی ہے یا یہ حکم سارے مسلمانوں کے لئے ہے کہ اللہ نے تو اہلِ کتاب سے نکاح جائز رکھا ہے۔ فرمایا: جب حالت بدلتی ہے تو حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اپنی کتابوں کو مانتے تو اہل کتاب کہلاتے، اللہ کی الوہیت کو مانتے۔ یہ اپنی کتاب پر قائم رہتے، اپنے عقیدے پر رہتے اور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لاتے تو یہ اہلِ کتاب ہوتے۔ اہلِ کتاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کا اتباع کرنے کے دعوے دار ہوں۔

موجودہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوتا:

آج کے یہود و نصاریٰ صرف مردم شماری کے حساب سے یہود و نصاریٰ ہیں۔ وہ اہلِ کتاب ہونے کی کوئی شرط پوری نہیں کرتے لہٰذا ان کے ساتھ طعام میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی واقعی اہلِ کتاب ہو تو اس کے ساتھ تعلقات کی نوعیت یوں ہے کہ وہ مسلمانوں کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں اور ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے کہ اہلِ کتاب بھی ذبح شرعی طریقہ سے کرتے تھے۔ اسی لئے بہت عرصے تک مسلمان یورپ و امریکہ میں یہودیوں کا ذبیحہ کھا لیتے تھے کہ یہ اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں لیکن اب وہ طریقہ بدل چکا ہے۔ اب یہودی عالم آتا ہے وہ کچھ پڑھ کر ہلکی سی چھری لگاتا جاتا ہے یوں وہ اسے کوشر کرنا کہتے ہیں اور اسے حلال سمجھتے ہیں۔ یہود کے ہاں اب ذبیحے کے بجائے اس طرح حلال کیا جاتا ہے۔ اس لئے موجودہ یہود و نصاری پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جب یہ وہ ذبیحہ ہی نہیں جو اہل کتاب کا تھا تو پھر بغیر اللہ کے نام کے جو ذبح کیا جائے وہ تو ذبیحہ ہی شمار نہیں ہوتا۔ اس لئے چونکہ یہ لوگ اس عہد سے دور جا چکے ہیں تو جب حالت بدلتی ہے، حکم بھی بدل جاتا ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ اس طرح تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ مسلمان،

باعزت، باحیا عورتوں کے ساتھ نکاح کرو۔ اور جو باحیا و باعزت عورتیں اہل کتاب سے ہوں ان کے ساتھ بھی مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے۔

اہلِ کتاب کون؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کا ایمان اللہ پر ہو۔ اپنے نبیؑ پر ہو۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا اقرار نہیں کیا تو انہیں اہلِ کتاب کہا جائے گا۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی شرائط:

سب سے پہلی شرط محصنہ کی ہے۔ محصن، باحیا، باآبرو عورت کو کہتے ہیں۔ یہ پہلی شرط موجودہ مغربی معاشرے میں سوچی نہیں جاسکتی۔ دوسری شرط نکاح کی ہے۔ وقتی معائدے کی گنجائش نہیں۔ چند سالوں، چند دنوں یا چند گھنٹوں کے لئے نکاح ہوتا ہی نہیں۔ جس نکاح میں وقت کی قید لگائی جائے وہ باطل ہوتا ہے۔ اسلام کے نام پر بننے والے ایک معروف فرقے کے ہاں رائج متعہ بھی اسی حکم میں آتا ہے کہ وقتی طور پر نکاح، نکاح نہیں ہے۔ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ اور نکاح تب ہوگا جب ان کو ان کے مہر دو گے۔ شریعت میں نکاح کے لئے مہر واجب ہے۔

محصنہ فرما کر بازاری زندگی کو یکسر نکال دیا گیا ہے۔ درست عقیدے اور شرم وحیا کا باہمی ربط ہے۔ اور یہ دونوں باتیں آج کل مفقود ہو چکی ہیں لہٰذا کسی بدعقیدہ عورت سے یا جو عورت اپنی حیا کا تحفظ نہ کرسکے ایسوں سے مسلمان کا نکاح درست نہیں۔ آج کل خود کو اہل کتاب کہلانے والوں کے ہاں عصمت اور حیا تلاش کرنا میرے خیال میں تو ممکن ہی نہیں۔

دوسری شرط وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ ہے۔ یعنی نہ چھپی دوستی کرنے کو۔ کوئی خفیہ دوستی جائز نہیں۔ آج کے مغرب میں یہ بات بھی مفقود ہے۔ مغرب تو مغرب اب مشرق بھی اس بات میں پیچھے نہیں رہا۔ جب سے روشن خیالی آئی ہے اسے گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کے نام دے دیئے گئے ہیں۔ اسلام نے اس بات کو ممنوع قرار دیا ہے کہ مرد کسی عورت سے اس طرح کی دوستی رکھے۔ فرمایا ناجائز تعلقات کے لئے دوستی نہ رکھی جائے۔ اللہ کریم نے نکاح کے ذریعے مرد و زن کے خوبصورت تعلقات رکھے ہیں۔ باہمی محبت و مودّت عطا کی ہے۔ دونوں خاندانوں میں تعلق اور رکھ رکھاؤ رکھا ہے۔ میاں بیوی میں ایک دوسرے کا لحاظ اور ایک دوسرے کی پاسداری رکھی ہے۔ اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ میاں بیوی میں اختلافات کو ختم کروایا جائے۔

ثالثی کروا کہ معاملہ صاف کروا دیا جائے۔ مرد اور عورت کے خاندان کے مدبّر بزرگ بیٹھ کر بات کریں، جس کی غلطی ہے اسے سمجھائیں۔ جب کسی طرح ساتھ رہنا ممکن نہ ہو تو پھر طلاق کی اجازت ہے لیکن اس کا طریقہ کار بھی متعین ہے اور اگر اس حکم کی روح کے ساتھ اس پر عمل ہو تو دشمنی نہیں پڑتی تو اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ مسلمان مردوں کا نکاح متعین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ یاد رہے! مسلمان عورتیں اہل کتاب مردوں کے نکاح میں نہیں دی جاسکتیں کہ گھر کا سربراہ مرد ہوتا ہے اور خاتون مرد کے تابع۔

کامیابی کے لئے اُخروی نتیجے پر نظر رکھنا لازم ہے:

یہ انتہائی ضروری اور بنیادی بات ہے کہ ہر کام کے اُخروی نتیجے پر نظر ہو۔ رزق کمانے سے خرچ کرنے تک، شادی بیاہ کے فیصلے سے شادی نبھانے تک اس بات پر نظر ہو کہ جو کام وہ کر رہا ہے اس کا نتیجہ میدانِ حشر میں کیا ہوگا؟ اس کے لئے ارشاد فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ اور جو کفر کرتا ہو بجائے ایمان کے تو یقیناً ضائع ہوگیا اس کا عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ اگر کوئی مسلمان ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا جس کی ایک صورت اللہ کے حرام کو حلال سمجھنے کی ہے یا شرک میں مبتلا ہو جائے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہو جائے گا اور پھر وہ کفر اختیار کرلے تو اس کی گذشتہ تمام نیکیاں اور اچھائیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ آخرت میں انجام کار بہت خسارے اور نقصان میں ہوگا۔ اپنے ایمان کی حفاظت حلال وحرام امور کو جاننے اور ان امور پر مداومت سے ہے۔ صرف حلال اور پاک کھانا ہی شرط نہیں۔ حلال کمانا بھی ایسا ہی فرض عین ہے۔ جیسا حلال کا پابند رہنا فرض عین ہے۔ رازق تو اللہ ہے۔ بندے کے ذمے اپنے رب کی اطاعت کرنا ہے لہٰذا جب بندہ مومن رزق حلال کے لئے محنت کرتا ہے، تجارت، ملازمت، مزدوری کرتا ہے تو اس کا سارا کام عبادت شمار ہوتا ہے۔ یہی دین حق کی بنیادی بات ہے کہ دنیا میں اعمال کرتے ہوئے نظر آخرت کے نفع ونقصان پر مرکوز رہے۔

سورہ المائدہ رکوع 2 آیات 6 تا 11

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ
وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى
الۡكَعۡبَيۡنِ‌ ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا‌ ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى
اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ
النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا
بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ‌ ؕ مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ
حَرَجٍ وَّلٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ
تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۶﴾ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ
وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ
لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ ۚ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا
تَعۡدِلُوۡا‌ ؕ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ‌ ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰۤـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا

اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اُٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی دھوؤ کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھوؤ اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمّم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین پر سے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام فرمائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿٦﴾ اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جب کہ تم نے کہا تھا کہ تم نے سنا اور مان لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ ﴿٧﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کیلئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے۔ ﴿٨﴾ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے اچھے کام کیے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور ثوابِ عظیم ہے۔ ﴿٩﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلایا ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ ﴿١٠﴾ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا اور

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے۔ ﴿۱۱﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ

پاکیزگی کی پسندیدگی:

ربّ کریم نے جہاں اپنے بندوں کی جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے پاک چیزوں سے تسکین حاصل کرنا تعلیم فرمایا ہے۔ وہاں روحانی ضرورت یعنی صلوٰۃ کی ادائیگی سے پہلے پاکیزگی حاصل کرنا شرط ٹھہرادیا ہے کہ حالت پاکیزگی کا متوجہ الی اللہ ہونے میں بہت دخل ہے۔ وضو کرنا خود فرض نہیں ہے لیکن صلوٰۃ میں باوضو ہونا شرط ہے اسی طرح لباس کی پاکیزگی اور قبلہ کی طرف رخ ہونا صلوٰۃ کے وقت فرض ہوجاتا ہے۔ یہ افضل ہے کہ بندہ ہر وقت باوضو رہے لیکن اگر ہر وقت باوضو نہیں رہتا تو کم ازکم طہارت کے لئے پانی ضرور استعمال کرے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کریم نے متطہرین میں شمار کیا ہے۔ ہجرت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ داخل ہونے سے پہلے مقام قباء پر قیام فرمایا اور مسجد قباء میں صلوٰۃ ادا فرمائی۔ بعد میں بھی حضور اکرم ﷺ مسجد قباء تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اہل قباء کے مومنین اور مسجد قباء کے نمازیوں کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ (سورہ توبہ 168) اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ سیرۃ کی کتاب میں موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اہل قباء کے مومنین سے پوچھا کہ آپ لوگ ایسا کیا عمل کرتے ہیں جو اللہ کو اتنا پسند ہے تو انہوں نے عرض کی ہم جب بھی رفع حاجت کے لئے جاتے ہیں تو پانی سے طہارت ضرور کرتے ہیں تاکہ ناپاکی کا کوئی شائبہ بھی نہ رہے۔

وضو کے احکام:

وضو کے صرف چار فرائض ہیں۔ چہرے کا دھونا، بازو کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا اور پاؤں کا

ٹخنوں تک دھونا۔ ہر عضو کو تین بار دھونا سنت ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی سنت ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور سنتیں اور باقی مستحبات ہیں۔ فرمایا: اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ جب صلوٰۃ کا وقت ہو جائے۔ جب صلوٰۃ کے لئے اٹھنے لگو۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ تو دھولو اپنے چہرے کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اور مسح کرو اپنے سر کا اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ۔ یہ چار فرائض وضو ہیں۔

حالت جنابت اور غسل جنابت:

حالت جنب میاں بیوی کے جمع ہونے سے یا کسی کو احتلام ہو جانے سے ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو ایک بیماری ہو جاتی ہے جس میں پیشاب کے ساتھ منی کا قطرہ آ جاتا ہے اس میں حالت جنابت وارد نہیں ہوتی۔ منی جب تک اُچھل کر نہ نکلے، شہوت سے نہ نکلے حالت جنب وارد نہیں ہوتی۔ اس حالت میں پاکی حاصل کرنے کے لئے غسل واجب ہو جائے گا۔

غسل جنابت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے پھر بائیں ہاتھ سے طہارت کرے۔ پھر ہاتھ دھو کر وضو کرے اسی طرح، جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے لیکن یاد رہے وضو میں تو صرف کلی کی جاتی ہے غسل جنابت میں حلق تک پانی پہنچا کر غرغرہ کرنا شرط ہے۔ سوائے اس کے کہ روزے کی حالت میں ہو۔ یعنی روزے کی حالت میں غرغرہ نہیں کرے گا۔ ناک میں پانی ڈال کر ناک کے اندرونی حصہ کو غسل دیا جائے۔ داڑھی کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچایا جائے۔ تین دفعہ سر پر پانی ڈالا جائے اس طرح کہ پانی ہر بال کی جڑ تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہایا جائے۔ آخر میں دونوں پاؤں دھوئے جائیں۔ اگر آخر میں پاؤں نہیں دھوئے تو نہاتے وقت جب پورے بدن پر پانی ڈالا تو پاؤں بھی دھل گئے یہ بھی کافی ہے اس سے وضو مکمل ہو جاتا ہے۔

تیمّم اللہ کا انعام:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہے۔ وضو کرنے سے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہے یا کمزور ہے، اٹھ نہیں سکتا۔ ہاتھ منہ نہیں دھو سکتا یا پانی نایاب ہے یا اسے پانی تک رسائی نہیں۔ حالت سفر میں ہے اور پانی دستیاب نہیں یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے فارغ ہوا ہے یا بیبیوں سے قربت کی ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً

اور پانی نہیں مل رہا فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا تو پھر پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ تیمم مبارک ہے۔ اللہ کا انعام ہے جو پاک کر دیتا ہے مٹی کو یہ خصوصیت اس لئے عطا ہوئی ہے کہ زمین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک نے چھوا اور ساری زمین کو پاک کرنے والا بنا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ (ان میں سے ایک یہ ہے) وَّ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَّ طَهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے۔ جو جہاں چاہے صلوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ برکت ہے ورنہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ہر امت کو مسجد کی جگہ مختص کرنی پڑتی تھی۔ اپنے گھروں میں لوگ عبادت کیلئے کمرہ مختص کرتے تھے۔ گھر میں ہر جگہ عبادت نہیں ہوسکتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پوری زمین کو اللہ تعالیٰ نے مسجد بنا دیا۔

علامہ اقبال کا دردِ دل:

علامہ اقبال مرحوم نے فارسی اشعار میں بڑے درد سے کہا ہے کہ زمین ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے اور عجیب بات ہے کہ مسجد پہ کافر قابض ہیں اور مسلمانوں کو اس کی فکر ہی نہیں۔ مسجد پر غیر مسلم اور کافر حکومتیں قائم ہیں اور ہم بے فکر بیٹھے ہیں۔ چھپن کے قریب اسلامی ریاستیں ہیں۔ جو اسلامی نہیں ہیں مسلمانوں کی ہیں۔ ان پر غیر مسلموں کا نظام ہے۔ اسلامی ریاستیں تو تب ہوتیں جب ان میں اسلامی نظام نافذ ہوتا۔ آج رعیت مسلمان ہے۔ حکمران مسلمان ہیں۔ نظام غیر اسلامی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم ساری زمین کو مسجد کو کفر سے پاک کرتے لیکن ہم نے تو جو حصہ مسجد ہمارے پاس تھا وہاں بھی کفر کی رسومات اور کفر کے رواجات رائج کر دیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے دوسری خصوصیت جو عطا ہوئی۔ وَّ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَّ طَهُوْرًا (صحیح بخاری کتاب التیمم 335) کہ اللہ نے ساری زمین کو پاک کرنے کی خاصیت دے دی۔ اور ہم اس زمین پر کیا حق اطاعت ادا کر رہے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ ہم مسجد میں جی رہے ہیں۔ جس زمین پر سفر کر رہے ہیں معاملات کر رہے ہیں یہ ساری مسجد ہے تو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد پر بیٹھ کر کیا کر رہے ہیں؟ کافر پر تو ہم الزام تب دیں جب ہم خود اس کا احترام کرنے کے قابل ہوں!

تیمّم کا طریقہ:

اس کے دو ہی رکن ہیں فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ط اور تین فرائض ہیں۔ نیت کرنا، دونوں ہاتھ مٹی پر لگا کر چہرے پر پھیرنا، دونوں ہاتھ مٹی پر لگا کر دونوں ہاتھوں کو کہنی سمیت ملنا۔

تیمّم کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے ناپاکی دور کرنے کی نیت کرے، پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ دونوں ہاتھ مٹی پر لگا کر دونوں ہاتھ آپس میں ٹکرا کر جھٹک دیں تا کہ فالتو مٹی اتر جائے اس لئے کہ منہ پر مٹی ملنا مقصد نہیں۔ ہاتھ پھیرنا مقصد ہے۔ دوسری بار مٹی پر ضرب لگا کر اسی طرح فالتو مٹی جھٹک کر پہلے دائیں ہاتھ کے پیچھے انگلیوں کے سروں کے نیچے بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیوں کو رکھے اور کھینچتا ہوا کہنی تک لے جائے۔ اس طرح سیدھا ہاتھ نیچے کی جانب پھر جائے گا۔ پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سیدھے ہاتھ کے اوپر کی طرف کہنی سے انگلیوں تک کھینچتا ہوا لائے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے۔ اسی طرح بائیں ہاتھ پر یہی عمل دہرائے۔ پھر انگلیوں کا خلال کرے۔ اگر انگوٹھی پہنی ہو تو اسے ہلانا ضروری ہے۔ وضو وغسل دونوں کے تیمّم کا یہی طریقہ ہے۔ اگر غسل واجب ہے تو اس میں غسل کا تیمّم ہو گیا اور وضو واجب ہے۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے پانی نہیں مل رہا تو وضو کا تیمّم بھی یہی ہے جب تک پانی نہیں مل رہا یا مریض کو مرض سے شفا نہیں ہو جاتی تو غسل اور وضو کے تیمّم کی سہولت حاصل رہے گی۔ جس طرح وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح تیمّم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جب تک پانی نہیں ملتا دوبارہ تیمّم کرسکتا ہے۔

تیمّم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی عظمت کا اظہار:

اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ بیان فرماتی ہیں کہ ہم کسی ایک سفر میں تھے۔ میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا اور کہیں کھو گیا۔ وہ ہار میں نے اپنی بہن اسمؓا سے عاریتاً لیا تھا۔ اس ہار کی تلاش کے لئے حضور اکرم ﷺ نے وہاں قیام فرمایا اور قافلہ ٹھہر گیا۔ اب نہ تو ہمارے پاس وضو کے لئے پانی تھا نہ اس جگہ پر کہیں پانی تھا۔ کچھ لوگ میرے والد ماجدؓ کے پاس شکائتیں کرنے لگے چنانچہ میرے والدؓ میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے۔ پس میرے والدؓ سرگوشیوں میں مجھے ڈانٹتے رہے کہ اس ہار کے باعث پورے لشکر کو مشکل میں ڈال دیا جبکہ وضو کے لئے کہیں پانی نہیں مل رہا۔ میرے والدؓ نے مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور غصے سے میرے پہلو میں کچوکے بھی لگائے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کے آرام میں خلل واقع ہو۔ پس رسول اللہ ﷺ سوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس حالت میں صبح کی کہ کہیں پانی نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل

فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے کہ اے آل ابوبکرؓ! تیمم کا یہ حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔ (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ اُمت کو برکتیں مل چکی ہیں) پھر جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے وہ ہار مل گیا (صحیح بخاری و مسلم)

قدرت نے اُم المومنینؓ کی عظمت کے اظہار اور کرم کو تقسیم کرنے کا سبب اس ہار کی گمشدگی کو بنایا اور یہ انعام الٰہی عطا ہوا۔ اس واقعے میں تیمم کی جس آیت کا ذکر آیا ہے وہ سورہ النساء کی آیت 43 ہے جو پانچویں پارے میں گزر چکی ہے۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ اللہ کریم نے عبادات فرض کر کے کسی کو کسی مصیبت میں نہیں ڈالا۔ مقصد باری یہ نہیں کہ عبادات اور وضو و غسل کے احکام نازل کر کے تم پر کوئی بوجھ ڈالے بلکہ مقصد یہ ہے وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ کہ تم ہر وقت صاف ستھرے اور پاکیزہ رہو۔

وضو کرنے سے بدن صاف ہوگا، سجدہ ریز ہونے سے دل صاف ہوگا:

وضو کرنے سے قالب صاف ہوگا۔ عبادت کرنے سے روح منور ہوگی۔ اللہ تو یہ پسند فرماتا ہے کہ تمہارا ظاہر و باطن، اندر باہر، دل و روح، بدن اور قلب سب پاکیزہ رہے، روشن رہے اور اس روشنی، پاکیزگی اور لطافت کی وجہ سے وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ وہ اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے۔

؎ ''ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں''

وہ عطا تو کرتا ہے لیکن وصول کرنے والا وصول کرنے کی حالت میں تو ہو۔ جیسے ریڈیو، ٹی وی جیسے نشریاتی ادارے نشر تو کرتے ہیں لیکن سنتا یا دیکھتا وہی ہے جس کے پاس سیٹ بھی ہو اور اسی فریکوینسی پر ہو۔ فرمایا: میں تو اپنی رحمتیں تم پر نچھاور کر رہا ہوں لیکن تمہارے اندر ان نعمتوں کو قبول کرنے کی استعداد بھی تو ہو۔ تم اس حالت میں تو ہو کہ ان نعمتوں کو جذب کرسکو، قبول کرسکو جو انوارات و تجلیات آتے ہیں تمہارا ظاہر اور باطن انہیں وصول کرسکے۔ تم پر عبادت کی نعمت تمام ہو جائے تو عبادات تم پر بوجھ نہیں بنائی گئیں بلکہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازنے کے لئے اور تم میں استعداد اجابت پیدا کرنے کے لئے فرض کی گئی ہیں۔ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥ اور پورا کردے اپنی نعمتوں کو تم پر تاکہ تم اس کا شکر ادا کرسکو۔ بندہ اللہ کریم کو کچھ دینے کے قابل تو ہے ہی نہیں وہ تو بندہ ہے ہمیشہ لینے والا ہے۔ اپنے اندر ایک احساس پیدا کرنا کہ اللہ تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے انسان بنایا، مسلمان بنایا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمتی بنایا۔ مجھے یہ سلیقے سکھائے کہ میں تیری

تجلیات اور تیری برکات کو جذب کرسکوں۔ اپنے دل اور اپنی روح میں سموسکوں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ فرمایا وہ وقت یاد کرو۔ جب اللہ تعالیٰ کا تم پر انعام ہوا یعنی نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اعلان نبوت ہوا۔ ادیان باطلہ کے ساتھ سخت ٹکراؤ آ گیا۔ مروجہ مذاہب کو باطل ٹھہرایا گیا اور صرف نبی کریم ﷺ کے دین کو سچ مانا گیا۔ وہ وقت سخت مشکل کا تھا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں، قدیم حکومتیں اور سلطنتیں تھیں، یہود ونصاریٰ تھے۔ عرب کے کفار اور مشرکین تھے۔ غرض ساری دنیا اس وقت مسلمانوں کے خلاف ہوگئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی نہ تھا جو مسلمانوں کی بھلائی چاہتا۔ اس وقت اللہ نے تم لوگوں سے عہد لیا۔ اپنی کتاب پر ایمان کا، اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کا اور اپنی عملی زندگی کو اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق ڈھالنے کا۔ تم ہی وہ خوش قسمت لوگ ہو جو اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ اور تمہارا جواب یہ تھا کہ ہم نے آپ ﷺ کا ارشاد سُنا اور ہم اس پر لبیک کہتے ہیں۔

یہ وقت کتنا کٹھن تھا۔ کیسی عجیب گھڑی تھی کہ کلمہ طیبہ کا عہد کرنا گویا تلوار کی دھار پر قدم رکھنا تھا۔ جان ومال خطرے میں ڈالنا تھا لیکن جن لوگوں کو یہ کلمہ حق نصیب ہوا انہوں نے اس پر از حد استقامت دکھائی اور اپنا وعدہ ہر حال میں پورا کیا حتیٰ کہ جب مکہ مکرمہ میں رہنا محال ہوگیا تو ہجرت فرمائی، گھربار چھوڑ دیئے، خویش اقارب، دوست احباب، قبیلے، مال ودولت، جائیدادیں سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی راہ میں مہاجر ہوگئے۔ اللہ نے کرم فرمایا۔ تہی دست ہو کر ہجرت کر کے آئے تو ریاست عطا فرمادی۔ وہاں بھی کفر نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اس نوزائیدہ ریاست پر حملے ہوئے۔ فوجیں چڑھ دوڑیں، لوگ مٹانے کو دوڑے لیکن اللہ نے مدد فرمائی۔ سب نے منہ کی کھائی اور اسلام غالب ہوا کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ فرمایا: میں دلوں کے بھید جانتا ہوں۔ تمہاری اطاعت اور تمہارا اتباع خلوصِ دل سے تھا۔ تم نے صدق دل سے اللہ کی اطاعت کی، اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کی تو انہی لوگوں کے سامنے اسلام غالب آیا جو اسلام کو معاذ اللہ مٹانا چاہتے تھے۔ اسلام غالب آیا اور معلوم دنیا کے تین حصوں تک پھیلتا چلا گیا۔ اس کی وجہ تمہارا خلوص اور صبر تھا جو اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں تھا۔

اللہ ہر ایک کے دلوں کے بھید جانتا ہے:

اللہ کریم صحابہ کرامؓ کے دلوں کے خلوص سے واقف تھا اس لئے انہیں فتح وکامیابی، دنیا وآخرت کی

سرخروئی عطا فرمائی۔ ان کی عملی زندگی اطاعت الٰہی اور اتباع رسالت ﷺ پر گواہ ہے۔ ہمیں بھی دعویٰ اسلام ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مسلمان ہیں اور پوری دنیائے کفر کی آنکھوں میں اسلام آج بھی کھٹکتا ہے لیکن آج صورت حال یکسر بدل چکی ہے۔ کفار طاقتور ہیں اور ہم مار کھا رہے ہیں۔ ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ آج اللہ کی وہ مدد کہاں ہے؟ آج اللہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ کیا فرق پڑ گیا؟ فرق یہ ہے کہ قرآن حکیم ان کے لئے گواہی دے رہا ہے کہ انہوں نے کلمہ ایمان کا عہد کرنے کے بعد کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہم نے سنا ہم نے قبول کیا۔ ہم اطاعت کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے اطاعت کر کے دکھایا۔ اللہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پورے خلوص سے اس عہد پر قائم رہنے کی مثالیں قائم کیں جس کے نتیجے میں اللہ کی مدد ان کے شامل حال رہی اور وہ روئے زمین کی ایک غالب قوت بن گئے۔

آج کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں لیکن ہمارا کردار کافروں سے بدتر ہے۔ ہمارے رواجات، معیشت، نظام عدل، تعلیم و سیاست کچھ بھی ایسا نہیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہو جو اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو۔ پاکستان کے حالات ہماری بدعہدی کی واضح مثال ہیں۔ یہ خطہ زمین کلمہ طیبہ کی حکمرانی کے لئے حاصل کیا گیا۔ لوگوں نے ہجرت کی، جان و مال، آبرو و اولاد کی قربانیاں دیں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اس خطہ زمین پر اللہ کے قوانین نافذ ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر زندگیاں بسر ہوں گی۔ یہ ملک غلبہ دین کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ آج اکسٹھ برس ہو گئے ہیں چند خاندان حکمران ہیں اور قوم پر اس وقت کے تاج برطانیہ کا ترتیب دیا ہوا نظام ہے جو انہوں نے اپنی نوآبادیوں میں غلاموں کو غلام بنائے رکھنے کے لئے بنایا تھا۔ آج وہی ظالمانہ نظام رائج ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہو چکا ہے۔ یہ قوانین لوگوں پر ظلم ہے۔ اس میں مزید ظلم داخل کر دیا گیا ہے تو پھر ظلم کے ساتھ اللہ کی مدد کیسے ہوگی؟ اور حکومت و عوام کے دلوں میں اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کی خواہش نہیں ہے۔ کسی کے ارادے اور نیت میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ ظالمانہ نظام کو تبدیل کرنا چاہیے لہٰذا اللہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ جیسی نیت ہو ویسا ہی نتیجہ نکلتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ اے ایمان والو! اللہ کے لئے، اللہ کی رضا کے لئے، پوری دیانت داری اور ایمان داری سے سچے گواہ رہو۔ جھوٹ مت بولو، کسی کو دغا و فریب نہ دو حتیٰ کہ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ کسی قوم کی دشمنی اور کسی قوم سے ناراضگی تمہیں ناانصافی پر مائل نہ کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی سے تمہاری رنجش یا ناراضگی ہو تو اس کے ساتھ ناانصافی کر دیا اس کے ساتھ عدل کے خلاف پیش آؤ۔ انصاف اللہ کے لئے کرو۔ ذاتی رنجشیں یا ذاتی دوستیاں انصاف کی راہ میں

حائل نہ ہوں۔ آج ہم اپنی حالت دیکھیں۔ کیا ہم انصاف کر رہے ہیں؟ حکومت، عوام کے حقوق کے تحفظ کے لئے بنتی ہے لیکن آج حکومتیں لوگوں سے زندہ رہنے کے حقوق چھین رہی ہیں۔ ظالمانہ قانون اور استحصالی ٹیکس لگا کر بھوک، افلاس بانٹی جا رہی ہے۔ تحفظ و عدل کی دستیابی ناممکن بنائی گئی ہے۔ عدالتیں بکتی ہیں۔ انصاف خریدنا پڑتا ہے۔ عوام کو دوہری محنت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اور ان کی محنت کا پھل حکمران کھاتے ہیں اور قومی پیسہ حکمرانوں کی عیاشی کی نظر ہو جاتا ہے۔ غور طلب سوال یہ ہے کہ ایسے حکمرانوں کو ووٹ کون دیتا ہے؟ ووٹ بھی گواہی کی ایک صورت ہے۔ کیا ووٹ امیدواروں کو عدل و انصاف کے پیمانے پر ناپ کر دیا جاتا ہے؟ کیا اس میں ذاتی مفادات پر فیصلے نہیں ہوتے؟ کیا یہاں گواہی اللہ کے لئے دی جاتی ہے؟ تو جب اللہ کے لئے گواہی نہیں دی جاتی تو نتائج بھی وہی ہوں گے جو ہم بھگت رہے ہیں۔

اِعْدِلُوْا ۗ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ عدل کرو کہ یہی بات تقویٰ کے نزدیک ہے۔ عدل و انصاف ایک جامع لفظ ہے۔ مومن کا اللہ کے ساتھ بندگی کا جو تعلق ہے اس کا مدار عدل پر ہے۔ اس کے نتیجے میں گھر، خاندان، اولاد، والدین، دوستوں، دشمنوں، ملک و قوم میں ہر ایک کے ساتھ عدل ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کا تقاضا ہے کہ عدل کیا جائے۔ عدل زندگی کے ہر شعبے کے لئے مفید ہے۔ مزدور کا عدل یہ ہے کہ جس کام کی وہ اُجرت لے رہا ہے اسے وہ پوری محنت، ہنرمندی اور دیانتداری سے پورا کرے۔ ملازمت کرنے والے کا عدل یہ ہے کہ جس وقت کا اسے معاوضہ ملتا ہے جس کام کی اسے تنخواہ ملتی ہے وہ وقت کسی اور کام میں نہ لگائے اور اپنی ذمہ داری پوری نیک نیتی کے ساتھ پوری کرے۔ عدل کا تعلق صرف مقدمات کے فیصلوں کے ساتھ نہیں ہے یہ پوری زندگی پر محیط ہے۔ جہاں عدل نہیں ہوتا وہاں ظلم ہوتا ہے۔ جب عدل ہٹ جائے گا تو ظلم آجائے گا اور ظلم غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ ظالم رحمت کا مستحق نہیں ہوتا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ اللہ سے معاملہ درست رکھو اور یہ بات یاد رکھو کہ تمہاری ہر ہر حرکت سے اللہ کریم باخبر ہے۔ جو سوچتے ہو، کہتے ہو، جو زبان پر لاتے ہو اور جس پر عمل کرتے ہو ان سب سے وہ باخبر ہے۔ تمہاری ہر حرکت و سکون، ہر سوچ و عمل شعور و لاشعور کی ہر فکر دل کے نہاں خانے میں موجود باتیں، ان سب سے اللہ واقف ہے۔ لہٰذا پورے کے پورے کھرے انسان بن جاؤ۔ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کا دامن تھام لو اس لئے کہ اللہ کا مومنین سے بخشش کا وعدہ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ فرمایا: وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور اعمال صالحہ کرنے والوں سے کہ ان کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔ ایمان کا تقاضا

ہے کہ عمل صالح کیا جائے۔ عمل صالح کیا ہے؟ صرف وہی عمل صالح ہے جس کے کرنے کا حکم اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے دیا۔ جس کام کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا، جس کام کی آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی اور کام کا وہ طریقہ جو حضور اکرم ﷺ نے تعلیم فرمایا۔ اللہ پاک اس آیۂ مبارکہ میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اس کا حق ادا کردیا یعنی اپنے کردار کو ایمان کے مطابق بنالیا ان کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے اللہ کی بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ کی بخشش ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں پھر انسانی کمزوریوں کے باعث کوئی کمی اور بھول چوک ہوجاتی ہے اللہ کریم اُن کے ساتھ ہے جن کے دل میں خلوص ہو، لیکن جس کی نیت میں فتور ہو، جو فرمانبردای کی کوشش ہی نہ کرے اور پھر بھی اللہ کی مغفرت پانے کا دعوی کرے تو یہ خودفریبی ہے۔ جو آقائے نامدار ﷺ کی سچے دل سے اطاعت کرنا چاہتے ہیں اپنی پوری کوشش اس میں لگادیتے ہیں ان کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا اور انہیں اجر عظیم دے گا۔

اجر عظیم کیا ہے؟

اجر عظیم سے مراد یہ ہے کہ ان کی دنیا و آخرت دونوں سدھر جائیں گی۔ دنیا میں بھی وہ سربلند ہوں گے اور آخرت میں بھی کامیاب و کامران۔ مومن کبھی مجبور و مقہور نہیں ہوتا۔ مومن بندہ آزاد ہوتا ہے۔ وہ سوائے اللہ کے کسی کی بندگی نہیں کرتا۔ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کی غلامی نہیں کرتا، کسی کا اتباع نہیں کرتا۔ نہ اپنے نفس کی غلامی کرتا ہے نہ رسوم و رواجات کی۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق دوستی کرتا ہے۔ اللہ کے حکم کے مطابق دشمنی کرتا ہے۔ اس لئے مومن بندہ آزاد ہوتا ہے اور یہی اجر عظیم ہے جس کا وعدہ اللہ نے اتباع بنوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ اور جولوگ کفر کرتے ہیں جو اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ جو عظمتِ رسالت کے منکر ہیں **وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** جو ہمارے احکام کو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ ماننے سے انکار کردیتے ہیں۔ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾** یہ لوگ دوزخ کے رہنے والے ہیں۔

جنت اور جہنم کا عکس دنیوی زندگی پر پڑتا ہے:

جنت اور جہنم دائمی حقیقتیں ہیں۔ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ دنیا عارضی ہے لہٰذا جنت اور جہنم کا عکس اس دنیوی زندگی پر پڑتا ہے۔ جولوگ دوزخی ہوتے ہیں ان کی دنیوی زندگی میں بھی سکون نہیں ہوتا اور جنہیں اللہ

کی رحمت کی امید ہوتی ہے اور وہ اہل جنت میں سے ہوتے ہیں ان کی زندگی بھی پر سکون ہوتی ہے۔

جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ دو طرح سے کرتے ہیں۔ ایک تو یہ صورت ہے کہ ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ کھلا کفر ہے۔ ایک انکار یہ ہے کہ زبانی کہتا رہے کہ ایمان لے آیا لیکن عمل اس کے خلاف کرے تو نتائج تو ہمیشہ عمل پر مرتب ہوتے ہیں۔ صرف کہنے پر مرتب نہیں ہوتے۔ کوئی اگر پیاسا ہو اور وہ زبانی کہتا رہے کہ اس نے پانی پی لیا لیکن عملاً نہیں پیا تو اس سے اس کی پیاس نہیں بجھے گی جب تک وہ عملاً پانی نہیں پیئے گا۔ کفر کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ زبانی دعویٰ تو اسلام کا ہو اور عملاً اسلامی احکام کا انکار بھی ہو۔ پاکستان میں ایسا طبقہ پڑھے لکھے اور نام نہاد دانشوروں کی صورت میں موجود ہے جو اسلامی شریعت اور اسلامی قوانین کا نام بھی نہیں سننا چاہتے ورنہ عوام الناس ایک حد تک اسلامی احکام پر عمل درآمد کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اہل سوات نے اسلامی نظام عدل کے نفاذ کا مطالبہ کر دیا تو دانشوروں کو اس کی سمجھ ہی نہ آئی۔ جاننا چاہیے کہ اسلامی نظام عدل کے نافذ کرنے سے کیا مراد ہے؟ جبکہ ہر بندہ اپنی انفرادی سطح پر اسلام کے مطابق عمل کرتا ہے۔ لوگ نکاح و طلاق، صلوٰۃ، صوم کے پابند ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، حلال و حرام کی تمیز روا رکھتے ہیں، کوئی مرجائے تو جنازہ پڑھتے ہیں، سارے ارکان پر عمل کرتے ہیں تو پھر اسلام نافذ ہونے کا کیا معنی؟

نفاذِ اسلام سے کیا مراد ہے؟

نفاذِ اسلام سے مراد یہ ہے کہ فرد واحد کا جو رشتہ حکومت کے ساتھ ہے وہ بھی شریعت کے مطابق ہونا چاہیے عام آدمی کے انفرادی طور پر احکام پر عمل کرنے سے وہ نتیجہ نہیں نکلے گا جب تک حکومت اور عام آدمی کا تعلق اسلام کے مطابق نہ ہو۔ جب تک حکومت عوام کے حقوق کا تحفظ نہ کرے جیسا کہ اللہ نے تحفظ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اہل سوات نے صرف اسلامی عدالتی نظام کا مطالبہ کیا کہ مجسٹریٹ کی جگہ قاضی بیٹھے ہوں جو مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق کریں تا کہ سستا اور فوری انصاف ہر ایک کو آسانی سے مل جائے۔ جس روز حکومت نے ان کا یہ شرعی مطالبہ مان لیا اس دن ایک ٹی وی مذاکرے میں شریک سفید بالوں والی ایک خاتون تشریف فرما تھیں اور اس ساری کارروائی سے وہ سخت نالاں تھیں کہ آج ان علماء کی بات مان لی گئی ہے تو اس سے ان کے حوصلے بڑھیں گے۔ کل یہ ہم سے زبردستی نمازیں پڑھوائیں گے۔ زبردستی روزے رکھوائیں گے۔ عورتوں سے زبردستی پردہ کروائیں گے۔ ان پڑھی لکھی خواتین کا یہ رویہ کیا ہے؟ کیا عورت کو پردہ کرنے کا حکم اسلام نے نہیں دیا؟ کیا صلوٰۃ پنجگانہ اللہ کا حکم نہیں؟ کیا روزے شریعت مطہرہ کے مطابق فرض

نہیں؟ کیا یہ ارکان اسلام نہیں؟ کیا ارکان اسلام قبول کرنا ایمان لانے کے لئے ضروری نہیں؟

یہ فلسفہ سمجھ نہیں آتا کہ لوگ کلمہ گو بھی کہلانا چاہتے ہیں اور فرائض کا انکار بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ فرائض کا انکار صریح کفر ہے۔ ہمارے ارباب بست وکشاد، صاحب اختیار و صاحب اقتدار ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ شریعت مطہرہ سے خوفزدہ ہیں۔ وہ شریعت کی سادگی کو اپنی دانشوری کے لئے چیلنج سمجھتے ہیں۔ بے دینی اور خرافات کو روشن خیالی سمجھ کر اسلامی پاکیزہ معاشرت کو غیر مہذب اور دقیانوسی قرار دیتے ہیں۔

ہسپانیہ میں اسلام کو روشناس کرانے والے اور اس خطے میں اسلام کی حفاظت کرنے والوں کی مثالیں:

حضرت طارق بن زیادؓ نے ہسپانیہ پر حملہ کیا تو اپنے بادبانی جہازوں کو ہسپانیہ کے ساحل پر لنگر انداز کرنے کے بعد حکم دیا کہ تمام جہاز جلا دیئے جائیں۔ علامہ مرحوم نے اسے یوں منظوم کیا ہے۔

طارق چوں برکنارہ اندلس سفینہ سوق

گفتند کار شوب بہ نگاہ خود خطاب

ان کے ساتھیوں اور ماتحتوں نے اکٹھے ہو کر عرض کی کہ ہم مٹھی بھر لوگ ہیں اور دیار غیر میں ہیں۔ ہم نے ابھی اس زمین پر قدم رکھا ہے۔ جب واپس جانا ہوگا تو کیسے جائیں گے؟ اس کے علاوہ آپ نے ترک سبب کیا ہے جو شرعاً جائز نہیں۔ یہ جہاز تو ہمارے سفر کا سبب تھے آپ نے وہی ضائع کروا دیئے؟ انہوں نے بڑے خوبصورت جواب دیئے۔

خندید بست و خویش و شمشیر بردوبُخت

ہر ملک ملکِ ما است کہ ملکِ خدائے ما است

وہ مسکرائے اور انہوں نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا۔ فرمایا: ہم واپس کیوں جائیں گے؟ پوری روئے زمین ہمارا ملک ہے کہ ہمارے اللہ کا ملک ہے۔ اس اللہ کا ملک ہے جس اللہ کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ یہ کیوں سوچتے ہو کہ ہم اپنے ملک سے دور ہیں۔ ہم یہاں بھی اپنے ہی ملک میں ہیں۔ اس اللہ کے بندے نے اسی مٹھی بھر فوج کے ساتھ ہسپانیہ فتح کیا۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی ریاست بنی اور تین سو سال تک حکومت چلتی رہی۔ تین صدیوں بعد معتمد جیسا شخص حکمران تھا اور عیسائی فوج حملہ آور تھی۔ معتمد نے پیغام بھیجا کہ میرے ساتھ شطرنج کھیلو جو ہار جائے وہ اپنی شکست تسلیم کر لے۔ چنانچہ شطرنج کھیلی گئی۔ عیسائی جرنیل ہار گیا۔ اصولاً

اسے اپنی فوج لے کر واپس جانا چاہیے تھا۔ جیسا کہ معاہدہ ہوا تھا لیکن اس نے یہ مطالبہ کیا کہ اس کی فوج کے یہاں آنے تک جتنے اخراجات ہوئے اس کے بدلے فلاں شہر اور فلاں علاقہ اس کے حوالے کیا جائے تب وہ واپس جائیں گے۔ اور معتمد نے ان کا مطالبہ منظور کر لیا۔ یوں شطرنج کی بساط پر جیتی ہوئی بازی بھی ہار دی گئی اور ریاست کا بڑا اور اہم حصہ عیسائیوں کو دے دیا گیا۔ اب عیسائی غرناطہ کے بالکل قریب آ گئے اور آخری دفاعی حصار کے قلعوں کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ یہ قلعے اتنے اہم تھے کہ اگر وہ فتح ہو جاتے تو غرناطہ کا بچنا ممکن نہ تھا۔ اس وقت غرناطہ کے چند نوجوان مجاہدین افریقہ کے حکمران یوسف بن تاشفین کے پاس پہنچے جو بربر قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ یوسف بن تاشفین سادہ، سچا اور نہایت نیک مسلمان حکمران تھا۔ عام آدمیوں کے ساتھ مسجد میں صلوٰۃ پنجگانہ ادا کرتا۔ وہی کھانا کھاتا جو عوام کو میسر تھا۔ عیسائیوں نے جب یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں شکست کھائی، حزیمت اٹھائی تب سے انہوں نے انتقاماً BARBARIANS کی اصطلاح ایجاد کی۔ جہاں انتہائی ظالمانہ فعل ہو اسے بربریت کہا گیا۔ مسلمانوں کے اس لشکر کو بدنام کرنے کے لئے عیسائیوں نے یہ لفظ ایجاد کیا۔

نوجوان مجاہدین کی وہ مخلص جماعت یوسف بن تاشفین کے پاس پہنچی اور عرض کی کہ حضرت طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی فتح کردہ ریاست دم توڑ رہی ہے معتمد جیسا حکمران حاکم ہے اور عیسائی ان پر غالب آ رہے ہیں۔ اللہ کریم نے آپ کو قوت دی ہے آپ ہماری مدد کو آئیں۔ یوسف بن تاشفین کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جو اس وقت بیمار تھا اور اس کا مرض بہت شدید تھا تو اس نے کہا کہ زندگی اور موت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ اکلوتے بیٹے کو اسی حال میں چھوڑ کر اپنا لشکر لے کر مسلمانوں کے لئے روانہ ہو گیا۔ معتمد کے مسلمان، کلمہ گو اُمراء اور وزراء اسے مشورے دے رہے تھے کہ ہم تو بڑے روشن خیال اور مہذب لوگ ہیں۔ یہ تو اُجڈ اور غیر مہذب قوم ہے۔ یہ سادہ کپڑے پہنتے ہیں اعلیٰ لباس کا انہیں ذوق نہیں، عام لوگوں کے ساتھ پانچ وقت مسجد میں کھڑے ہوتے ہیں، نہ انہیں رہنے سہنے کا ذوق ہے نہ آرٹ وثقافت کا نہ ناچ گانا کرتے ہیں نہ عورتوں سے ایسے تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔ جیسے روشن خیال لوگ رکھتے ہیں لہٰذا ایسے لوگ اگر یہاں آ گئے تو یہ ہمارے کلبوں میں اصطبل بنائیں گے۔ ہماری ثقافت یعنی ناچ گانے اور عیاشی کے اڈے ختم کر دیں گے لہٰذا انہیں نہ آنے دیا جائے۔ معتمد نے کوشش کی وہ لوگ نہ آئیں لیکن پھر وہ عیسائیوں کے ہاتھوں اس طرح مجبور ہو گیا کہ عیسائی فوج نے معتمد کی فوج کو گھیرے میں لے لیا اور وہ قلعہ بند ہو گئے۔ اسی حال میں یوسف بن تاشفین کی فوج پہنچ گئی۔ افریقی مجاہدین پہنچ گئے۔ اندلس کے مسلمان مجاہدین بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور قلعے کے باہر پڑاؤ ڈال لیا تو عیسائی فوج کو دو طرف سے خطرہ درپیش ہوا کہ وہ درمیان میں آ گئے ہیں اور کسی

بھی لمحے پیس دیئے جائیں گے۔ تب عیسائی جرنیل نے معتمد کو پیغام بھیجا کہ یوسف بن تاشفین کی مدد نہ کرو، ہم اسے شکست دے کر قتل کر دیں گے پھر ہماری تمہاری صلح ہو جائے گی اور ہم واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ معتمد نے عیسائیوں پر اعتبار کرنے کی غلطی کر لی اور عیسائیوں سے مل گیا۔ اس کی فوج نے عیسائیوں کا ساتھ دیا لیکن اس سب کے باوجود یوسف بن تاشفین کے لشکر نے عیسائیوں کو بھی شکست دی اور ان بے دین مسلمانوں کو بھی شکست دی۔ معتمد کو قیدی بنا لیا۔ ہسپانیہ مسلمان مجاہدین کے حوالے کیا اور ہسپانیہ میں مجاہدین کے زیرِ اثر چار سال سو سال تک حکومت چلتی رہی۔

حکمرانوں کے کارنامے پوری قوم کو تباہی کی طرف دھکیل دیتے ہیں:

ہسپانیہ میں مسلمانوں کا دور حکومت سات سو سال رہا پھر روشن خیال کلمہ گو حکمران ہوئے اور سورج نے وہ دن دیکھا جب ہسپانیہ میں کوئی نام کا مسلمان نہ رہنے دیا گیا۔ حکومت بے دخل کر دی گئی۔ مسلمانوں کو بزورِ شمشیر عیسائی بنایا گیا۔ اکثریت کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ مسلمان عورتوں اور بچیوں کو اغواء کیا گیا اور ہسپانیہ میں کوئی نام کا مسلمان بھی باقی نہ بچا۔ یوں حکمرانوں کے فیصلے پوری قوم کو تباہی میں دھکیلتے ہیں اور یہ فرق ہے انفرادی سطح پر اسلام اپنانے میں اور قومی سطح پر نفاذ اسلام کرنے میں۔ یہ نتیجہ ہے زبانی دعویٰ اسلام کرنے کا اور عملاً انکار کرنے کا۔ یہی فرمایا جا رہا ہے کہ جو کفر کرتے ہیں یعنی احکام الٰہی کا، شریعت اسلامی کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ملکی قومی سطح پر انگریز کا خلاف اسلام قانون چل رہا ہے۔ کیا یہ اللہ کی سخت نافرمانی نہیں؟ تو پھر ہم پر اللہ کی کون سی رحمت متوجہ ہو؟ اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ جن کی پیروی کرنے میں ہم فخر محسوس کر رہے ہیں۔ وہی ہم پر بم برسا رہے ہیں۔ دندناتے ہوئے آتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے اپنے ملک میں قتل کر کے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے حکمران ملک کے شہریوں کو پکڑ کر ان کے ہاتھوں بیچ دیتے ہیں۔ جو ملکی آزادی کی بات کرے انہیں غائب کروا دیا جاتا ہے۔ ان کی زبان بندی کے لئے ظلم روا رکھا جاتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ دنیا میں اگرچہ پُرتعیش زندگی گزارتے ہیں لیکن جہنم کا عکس ان کی دنیوی زندگی پر ہر لحہ سایہ فگن رہتا ہے۔ دوزخی کی زندگی میں سکون نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

اللہ کریم نے اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، اے ایمان والو! اس لمحے کو یاد کرو جب پوری دنیا میں ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ روئے زمین پر بڑی بڑی حکومتیں تھیں۔ بادشاہتیں اور سلطنتیں

تھیں۔ افواج اور جرنیل تھے۔ کہنے کو عدالتیں بھی تھیں لیکن پوری دنیا پر نہ کوئی اللہ کا نام لیتا تھا نہ کسی فردو بشر کو انصاف مل رہا تھا۔ اس حال میں آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے اور توحید باری کا علم بلند فرمایا۔ جہاں اس ایک بات نے روئے زمین کے سارے کفر کو آپ ﷺ کے خلاف کر دیا۔ وہاں یہی توحید باری خوش نصیبوں کے دلوں میں گھر کر گئی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ دعوت توحید سنتے ہی ایمان لے آئے یوں ایک سے چار ہوئے، چار سے پانچ، پانچ سے دس اور یہ تعداد بڑھتی گئی۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھی مشرکین اور کفار کی سختیاں اور اسلام کو روکنے کی کوششیں بھی بڑھتی گئیں حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ معاشرتی مقاطعہ کیا گیا اور روساء مکہ نے یہ معاہدہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکا دیا کہ کوئی شخص ان سے بات نہیں کرے گا۔ لین دین نہیں کرے گا۔ کسی قسم کی اعانت نہیں کرے گا۔ مصائب کے یہ کٹھن تین سال بھی گزر گئے لیکن مکہ کی سرزمین اہل ایمان کے لئے تنگ کر دی گئی۔ دنیا کا کوئی ایسا ظلم نہ بچا جو ان پر روا نہ رکھا گیا ہو۔ اس کے باوجود اہل ایمان کو ہی ہجرت کرنا پڑی اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی ہجرت کرنا پڑی۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اللہ کی مدد شامل حال رہی اور اسلام اور مسلمان کامیاب ہو گئے۔

ہجرت مدینہ کا اصل سبب:۔

اللہ کی ذات قادر مطلق ہے۔ کامیابی تو اسی نے دینی تھی۔ اللہ کریم وہیں یہ کامیابی دے دیتے جو مدینہ منورہ تشریف آوری پر دی۔ اللہ چاہتے تو پھر حرم کعبہ بھی مکہ میں ہوتا اور حرم رسول ﷺ بھی وہیں ہوتا۔ پھر مکہ کی سرزمین اور شہر مکہ کا کوئی ثانی ہوتا؟ کتنا نور علیٰ نور ہوتا شہر مکہ! علمائے حق فضائل لکھتے ہیں۔ کہ مکہ مکرمہ میں جس خطہ زمین پر بیت اللہ ہے یہ کائنات میں افضل ترین خطہ ہے۔ اللہ کا منتخب شدہ ہے اس کے انوارات تحت الثریٰ سے عرش علیٰ تک ہیں۔ اس خط زمین کی فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے۔ لیکن فضیلت میں مدینہ منورہ، روضہ اطہر کی زمین کا وہ حصہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود عالی سے مس ہو رہا ہے وہ بیت اللہ سے افضل ہے۔ بات یہ ہے کہ نہ اللہ مجبور تھا نہ اللہ کے نبی ﷺ مجبور تھے بلکہ بات یہ تھی کہ روساء مکہ نے جب قدر شناسی نہ کی تو وہ گوہر نایاب مدینہ منورہ کے نصیب میں لکھ دیا گیا اور آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اسی لئے ہر حاجی کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ آنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ (حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں) آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ ''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی''

مدینہ منورہ کی فضیلت کے بارے مولوی احمد رضا خان بریلوی کا ایک شعر ہے

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو

تو ہجرت مدینہ کا اصل سبب قریش مکہ کی ناقدر شناسی تھی۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ اللہ جب کوئی نعمت بخش دے اور اس کی قدر نہ کی جائے تو بندہ اس نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک صحت مند آدمی مزدوری نہیں کرتا اور گداگری شروع کر دیتا ہے تو اس کے اعضاء مضمحل ہو جاتے ہیں پھر وہ محنت کرنا چاہئے تو اس کے ہاتھ پاؤں ساتھ نہیں دیتے۔ یوں اللہ اپنی نعمتوں کی ناقدری کرنے پر انہیں سلب کر لیتا ہے۔ اس آیت مبارک میں روز اول سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں کو مخاطب فرمایا گیا ہے کہ بعثت محمد رسول ﷺ جیسی نعمت کا اندازہ کرو، قرآن حکیم آج کے مسلمانوں کو بھی یاد کروا رہا ہے کہ سوچو! آج تم نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان کہتے ہو۔ تمہارے نکاح ہوتے ہیں۔ جنازے پڑھے جاتے ہیں۔ دن میں پانچ بار اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہو۔ تمہارے پاس قرآن کریم کے تیس پارے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا ذخیرہ ہے۔ یہ تمام نعمتیں اللہ نے پوری انسانیت کو عطا کی ہیں۔ سوچو! اگر اہل مکہ، مشرکین عرب اور یثرب کے یہود مل جل کر اس مٹھی بھر جماعت کو تہہ تیغ کر دیتے، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاذ اللہ شہید کر دیتے تو یہ نعمتیں تم کہاں سے لاتے؟ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** لہٰذا اللہ کے انعام کو یاد کرو یہ انعام اتنا بڑا ہے کہ ساری عمر اللہ کے آگے سجدہ ریز رہے تو بھی اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

ایمان کے درجے:۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے تفصیل ارشاد فرمائی کہ ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی حقیقت ہوتی ہے۔ صورتاً کوئی پھل خوبصورت ہوتا ہے حقیقتاً اس کا ذائقہ تلخ ہوتا ہے۔ دیکھنے میں بظاہر خوبصورت چمکیلا جانور رہوتا ہے لیکن حقیقتاً وہ سانپ ہوتا ہے جو ڈس لیتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے

تقلیدی ایمان:۔

اسی طرح ایمان کی بھی ایک صورت ہے اور یہ صورت ہمیں وراثت میں مل گئی۔ ہم نے کلمہ پڑھا مسلمان ہو گئے۔ کبھی نماز پڑھ لی کبھی روزہ رکھ لیا، حج کر لیا، کبھی کوئی نیکی کر لی کبھی برائی کر لی اللہ معاف فرمائے۔ رحم فرمائے۔ خطاؤں سے درگزر فرمائے جس کے پاس ایمان ہے نجات اس کی ہو سکتی ہے۔ صورت اسلام بھی ناجی ہے۔ یہ تقلیدی ایمان ہے کہ ہمارے والدین مسلمان تھے ہم نے ان کی تقلید کی اور ہم مسلمان ہو گئے۔

استدلالی ایمان:۔

تقلیدی ایمان سے اوپر ایک درجہ ہے استدلالی ایمان کا، جس میں بندہ اپنے ایمان کو دلائل سے ثابت کرتا ہے۔ حضرتؒ نے ایمان کے درجوں کی تفصیل ارشاد فرماتے ہوئے یہ مثال دی کہ اگر دارالعرفان میں آ کر کوئی خبر دے کر علاقے میں فلاں جگہ پر اعلیٰ سرکاری افسر آیا ہوا ہے تو اس بتانے والے کی بات پر یقین کرنا تقلیدی ایمان ہے۔ اگر کوئی شخص بتانے والے کی بات سن کر چھت پر کھڑا ہو جائے اور دیکھ لے کہ علاقے میں لوگ جمع ہیں۔ پولیس کی گشت ہے۔ گاڑیاں کھڑی ہیں۔ ان دلائل کو دیکھنے کے بعد وہ یقین کر لے کہ ہاں یہ بات درست ہے واقعی کوئی اعلیٰ سرکاری افسر آیا ہوا ہے۔ یہ صورت استدلالی ایمان کی ہے۔

حقیقی ایمان:

حقیقی ایمان اللہ کے صاحب حال بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اللہ انہیں حقیقت دکھا دیتا ہے۔ وہ حقیقت ایمان کو دل کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ اللہ کریم انہیں دل کی آنکھوں سے دکھا دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ ملائکہ کو دیکھتے ہیں، برزخ کو دیکھتے ہیں۔ جنت و دوزخ کو دیکھتے ہیں۔

تقلیدی ایمان میں یہ خطرہ ہے کہ کوئی اگر یہ سمجھا دے کہ تیرے والدین تو سادہ تھے، کسی نے انہیں جو بتا دیا وہ کرتے رہے ہیں۔ صحیح بات تو ہم تمہیں بتاتے ہیں یوں وہ دوسرے کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اس طرح نئے فرقے بن رہے ہیں۔ استدلالی ایمان میں بھی یہی خطرہ رہتا ہے کہ اگر دلیل دینے والا پہلے سے زیادہ طاقتور دلیل دے دے تو اس کا یقین متزلزل ہو جاتا ہے مثلاً کوئی کہے تو تم نے کاریں دیکھیں، پولیس دیکھی اور سمجھ لیا کہ کوئی اعلیٰ سرکاری افسر آیا تھا حالانکہ وہاں تو یہ ساری چہل پہل کسی شادی کی وجہ سے تھی۔ میں تو خود شادی میں شرکت کر کے آ رہا ہوں۔ لیکن جسے حقیقت ایمان نصیب ہو جائے اسے کوئی تقلید اور کوئی دلیل زائل نہیں کر سکتی لہٰذا ایمان کی حقیقت کو پانا چاہیے۔

یہی بات اس آیت مبارکہ میں اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ اس حقیقت ایمان کو تم تک پہنچانے والی ذات میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ وہ وقت یاد کرو **اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ** جب پوری جماعتِ کفر نے متحد ہو کر کہا کہ ہم ان پر اپنے ہاتھ صاف کرتے ہیں اور ظلم و جور سے ان کا نشان مٹا دیتے ہیں۔ **فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ** تو میں نے انہیں یہ توفیق نہیں بخشی کہ وہ مسلمانوں کا کچھ بھی بگاڑ سکیں اس لئے تاریخ گواہ ہے جب بھی شکست ہوئی کفر و شرک کو ہی ہوئی۔ اسلام کا کچھ نہیں بگڑا اگر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو سختی کا سامنا رہا تو سینکڑوں میل دور سے آنے والے بارگاہ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر نعمت عظمیٰ سمیٹنے

کی درخواست لئے کھڑے ہوئے۔ اہل مدینہ کو بیعت عقبہ کے وقت آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن اپنے بھتیجے کے لئے پختہ عہد و پیان لینے آئے تھے) مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر تمہیں یقین کامل ہو کہ تم ان کی مدد کا جو وعدہ کر رہے ہو اسے پورا کر سکو گے اور ان کی پوری حفاظت کر سکو گے تو پھر تم انہیں لے جا سکتے ہو انصار کے وفد نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو ساتھ لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام قبائل اور حکومتیں، کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب ہمارے خلاف ہو جائیں گے لیکن ہم اپنے مال، اپنی جانیں اور اپنے بیٹے آپ ﷺ پر نچھاور کر دیں گے اور ساری مخالفت کا بوجھ اٹھا لیں گے۔ اس آیت میں یاد کروایا جا رہا ہے کہ مکے والے حضور ﷺ جیسی بے مثال نعمت کی ناقدری کر رہے تھے، اور مدینہ والے درخواست کر رہے تھے کہ اس نعمت عظمیٰ سے ان کا دامن بھر دیا جائے۔ وہ ذاتِ رسول اللہ ﷺ سے محبت و اخلاص کے رشتے میں بندھے ہوئے صرف اسی ایک بات کی ضمانت چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کبھی مدینہ منورہ کو چھوڑ کر واپس مکہ مکرمہ تشریف نہ لے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہے''۔ یوں اہل مدینہ سب سے بڑی نعمت اپنے ہاں لے گئے۔ اسی لئے آج روضۂ اطہر بھی مدینہ منورہ سے نور افشانی کر رہا ہے!

اللہ کریم آج کے مسلمان کو یاد دلا رہے ہیں، کہ آج تمہیں نمازیں بھاری لگ رہی ہیں۔ روزے بوجھ لگتے ہیں۔ آج تم سچ نہیں کہنا چاہتے۔ حرام لینا چاہتے ہو۔ چوری اور فریب سے دولت کمانا چاہتے ہو۔ آج تمہیں اسلام جیسی نعمت کا کوئی احساس نہیں ہے۔ تم جانتے بھی ہو کہ اولین مسلمانوں نے کس طرح اسلام کی حفاظت کی۔ اور کتنی کٹھن منزلوں سے گزر کر دین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ کس طرح دکھ سہے، مہاجر ہوئے، گھربار اور اولاد قربان کی اور کن مشکلات سے گزر کر دین حق اگلی نسلوں کو پہنچایا اور دین کو تم تک پہنچانے کا سبب بننے والے کون خوش نصیب ہوئے؟ لیکن یہ باتیں آج مسلمان کیسے سمجھے گا جبکہ وہ اولین مسلمانوں پر اعتراض کرتا ہے اور خود کو مسلمان سمجھتا ہے؟ قرآن حکیم بہر حال یاد دلا رہا ہے کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھنے والو! اسلام تم تک آسانی سے نہیں پہنچا۔ مہاجر و انصار صحابہ کرامؓ نے بے پناہ قربانیاں دیں اور اللہ کریم نے ان پر خصوصی رحمتیں نازل فرمائیں۔ اگر رحمت حق شامل نہ ہوتی محض مادی وسائل ہوتے تو وہ بچ نہیں سکتے تھے۔ اللہ کا نبیؑ جب مبعوث ہوتا ہے تو محض اللہ کی طاقت سے ہوتا ہے۔ نبیؑ کے پاس صرف معجزات کی قوت ہوتی ہے۔ دعوت حق کی سچ کی، سچائی کی قوت ہوتی ہے۔ نہ دنیاوی مال ہوتا ہے نہ فوج اور نہ طاقت اور کائنات میں سب کچھ رحمت الٰہی سے مسخر ہوتا چلا جاتا ہے۔ مکہ کے رہنے والے جب دلوں کی جگہ پتھر رکھتے ہوں تو اہل مدینہ اخلاص و محبت سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔ عقبہ میں بیعت ہونے والے انصار مدینہ کا یہ کہنا

آسان نہ تھا کہ آپ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لے آیئے۔ ہم بچے نچھاور کرکے، گھر لٹوا کر آپ ﷺ کی حفاظت کا حق ادا کریں گے۔ وہ جانتے تھے کہ اس عہد و پیمان کے بعد پوری دنیا ان کے خلاف ہو جائے گی۔ لیکن وہ خوش نصیب ہر قسم کی قربانی دے کر سرخرو ہو گئے۔ اے کلمہ پڑھنے والو! اللہ کی اس نعمت کا اندازہ کرو۔ اللہ کی نعمت اسلام شہیدوں کے خون سے رنگین ہو کر تمہارے پاس پہنچی ہے۔ اللہ نے ان کی قربانیاں قبول فرمائیں۔ ان کی مدد کی۔ ان کی طرف کفر کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو روک دیا۔ کفر و شرک کو ناکام و نامراد کیا اور تم تک اللہ کی یہ نعمت نسل در نسل منتقل ہو کر پہنچی جو آج تمہیں بوجھ لگ رہی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بارگاہ الٰہی کا دروازہ کھول دیا۔ صرف امیروں کے لئے نہیں صرف پیروں اور علماء کے لئے نہیں بلکہ ہر کلمہ گو کے لئے جو جیسا بھی ہے جہاں بھی ہے۔ وضو کرے اور اللہ کے حضور کھڑا ہو جائے۔ براہ راست اللہ سے اپنی گزارشات پیش کرے۔ صحیح بخاری میں ارشاد رسول اللہ ﷺ موجود ہے کہ نمازی کے آگے سے مت گزرو **فانما یناجی ربه** وہ اللہ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ اور صلوٰۃ جیسی نعمت ہی آج تم پر بوجھ ہو گئی۔ آج رفاقت رسول اللہ ﷺ ہی تم پر بوجھ ہو گئی۔ کچھ تو احساس کرو۔ اللہ کے احسان کو یاد کرو جب لوگوں نے ارادہ کرلیا۔ **اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ** کہ اسلام کا کوئی نام لیوا ہی باقی نہ رہے **فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ** اللہ نے ان کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو روک لیا۔ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** ان احسانات کے نتیجے میں یہ بات لازم ہے کہ اللہ سے اپنے تعلق کو قائم رکھنا ہوگا۔ اللہ کی اس ایک نعمت کا تم شکر ادا نہیں کر سکتے کہ نبی کریم ﷺ ساری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے اور انسانوں کو اسلام جیسی نعمت عطاء ہوئی لہٰذا تمہیں اللہ سے بنا کر رکھنی چاہئے۔ اللہ کا شکر کرنا چاہئے، اسے یاد رکھنا چاہئے اس کا کہا ماننا چاہئے۔ **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪** اور سب مومنین کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

اللہ پر بھروسہ ایمان کی دلیل ہے:۔

یاد رکھو! ایمان کی دلیل یہ ہے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہے۔ کسی لالچ میں آ کر احکام الٰہی کے برخلاف نہیں چلتا۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ جائز اور حلال وسائل اختیار کرتا ہے اور جو مل جائے اس پر شکر ادا کرتا ہے۔ جرم وہی کرتا ہے جس کا اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ حرام وہی لیتا ہے جسے اللہ پر اعتماد نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا تو اس کے ایمان کا اعتبار نہیں۔ فرمایا اللہ کا دین برحق تم تک پہنچانا اللہ کا بڑا احسان ہے یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کو اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے تعلق نصیب ہو جائے۔ اللہ کی اس نعمت کا احساس کرو۔

سورہ المائدہ رکوع 3 آیات 12 تا 19

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ
عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ
ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا
قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا
مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾
وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
ذُكِّرُوْا بِهٖ ۜ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ
تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ

السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـــًٔا اِنۡ اَرَادَ
اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا‌ؕ
وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا‌ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ‌ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰى نَحۡنُ
اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ‌ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ
بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ‌ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَلِلّٰهِ
مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا‌ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۸﴾
يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ عَلٰى فَتۡرَةٍ
مِّنَ الرُّسُلِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَنَا مِنۡۢ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ‌ فَقَدۡ
جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۹﴾

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہ دور کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو بیشک

وہ راہِ راست سے دور جا پڑا ﴿۱۲﴾ تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو
اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا۔ وہ لوگ کلام کو اس
کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے ایک
بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپ کو آئے دن کسی نہ کسی نئی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی
ہے۔ جو ان سے صادر ہوتی ہے بجز ان میں کے معدودے چند اشخاص کے سو آپ
ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے
محبت کرتا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی
عہد لیا تھا سو وہ بھی جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر
بیٹھے تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لیے بغض و عداوت ڈال دیا اور ان کو
اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہو جتلا دیں گے ﴿۱۴﴾ اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارے
یہ رسول آئے ہیں کتاب میں سے جن امور کا تم اخفاء کرتے ہو ان میں سے بہت سی
باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو
واگزاشت کر دیتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک
روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو
جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے
تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے
ہیں ﴿۱۶﴾ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم
ہے آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو
اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا
ہے جو اللہ تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے حکومت
آسمان پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان پر اور وہ جس چیز
کو چاہیں پیدا کر دیں۔ ﴿۱۷﴾ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے اور یہود و

نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں آپ یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے اور جس کو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ ہی کی ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان میں بھی اسی کی یعنی اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۸﴾ اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے جو کہ تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی سزا:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا کیے۔ جن کی اولاد بارہ قبائل بنی اور ان بارہ قبائل کے اللہ کریم نے بارہ سردار مقرر کر دیئے۔ یوں پوری قوم بنی اسرائیل انہی بارہ قبائل پر مشتمل تھی۔ ان آیات مبارکہ میں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان سرداروں سے عہد لیا۔ اس عہد سے پہلے اللہ نے فرمایا: **وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ** کہ میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں اور تمہیں میری معیت نصیب ہوگی اس عہد کا ذکر کرنے سے پہلے اللہ کریم نے اپنے تعلق کی بات کی پھر اس عہد کی تفصیل بتائی **لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ** کہ جب میں تمہارے ساتھ ہوں گا تو تمہاری طرف سے کیا ہوگا؟ اول یہ کہ تم صلوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرو گے **وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ** اور اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرو گے **وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ** اور میرے جو

رسولؑ آئیں گے انؑ پر ایمان لاؤ گے وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ اور انبیاءؑ کی امداد کرو گے۔ اللہ کریم نے اپنی معیت کے ساتھ ان چار شرطوں کو لازم قرار دیا ہے۔ ویسے تو تمام انسانوں کے لئے معیت باری ہمیشہ ہی مشروط ہوتی ہے ان کے ایمان وتقویٰ کی مناسبت سے لیکن انبیاءؑ چونکہ معصوم ہوتے ہیں ان سے خطا کا امکان نہیں ہوتا لیکن انبیاءؑ کے ساتھ بھی معیت باری صفاتی ہوتی ہے۔ جیسے موسیٰؑ نے فرعون کے بارے اپنے خدشات کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ (سورہ طٰہٰ آیت 46) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ میری معیت تمہیں نصیب ہے۔ میں سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں یہاں معیت باری اللہ کی دو صفات کے ساتھ معین فرمائی۔ اسی طرح جب موسیٰؑ کی قوم نے کہا کہ پیچھے فرعون کا لشکر آ رہا ہے اور سامنے سمندر ہے۔ اب ہم کہاں جائیں گے تو موسیٰؑ نے فرمایا: اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ (سورۃ الشعرآء آیت 62) میرا رب میرے ساتھ ہے وہ راستہ دکھائے گا یہاں موسیٰؑ نے اللہ کی صفت ربوبیت کا تذکرہ فرمایا اور رب کہہ کر معیت صفاتی ذکر فرمائی۔ تمام انبیاءؑ میں واحد ہستی سید الانبیاءؑ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے جنہیں اللہ کی ذاتی معیت حاصل ہے۔ ایک طرف ذات باری تعالیٰ ہے دوسری طرف مخلوق میں سرور دو جہاں ﷺ کی ذات عالی ہے۔ اور کائنات میں غیر انبیاء کے گروہ میں آپ ﷺ کے عاشق صادق کو اللہ کی ذاتی معیت حاصل ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (سورہ التوبہ آیت 40) آپ غمزدہ نہ ہوں اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ جب سفر ہجرت میں حضور اکرم ﷺ غار ثور میں جلوہ افروز ہوئے اور مشرکین غار کے دروازے پر پہنچ گئے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کے لئے بہت متفکر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "غم نہ کریں اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے" اس طرف اللہ کی ذات ہے اور اس طرف انبیاءؑ کے گروہ کے سردار محمد ﷺ کی ذات ہے اور غیر انبیاءؑ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات ہے۔ نہ اِس طرف صفات ہیں، نہ اُس طرف صفات ہیں۔

ایک سوال:

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ دنیا میں جہاں کوئی نیکی خوبی یا بھلائی ہے وہ معیت باری کے باعث ہے تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر کو تو معیت باری حاصل نہیں لیکن بعض کافر بھی اچھے کام کرتے ہیں رفاہ عامہ کے کام کر جاتے ہیں۔ مدرسے بنوا دیتے ہیں، ہسپتال بنا دیئے، غریبوں کی مدد کر دیتے ہیں تو یہ کیا ہے؟

کافر بھلائی کے تمام کام کسی مقصد کے لئے کرتا ہے اس لئے اس کا وہ مقصد پورا کر دیا جاتا ہے کافر کا

نہ تو اللہ پر یقین ہوتا ہے نہ آخرت کی جوابدہی اور اجر پر نہ اسے اللہ کی پہچان ہوتی ہے اور نہ وہ اللہ کی رضا کے لئے کام کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ کریم اس کا اجر اسے دنیا ہی میں عطا کر دیتے ہیں اس کی اس کام کے کرنے کے ساتھ وابستہ جو آرزو ہوتی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ کبھی وہ اپنی دولت بڑھانے کے لئے کرتا ہے، کبھی شہرت کے لئے، کبھی کسی اور مقصد کے تحت کرتا ہے تو اس کے مقاصد دنیا میں ہی پورے کر دیئے جاتے ہیں اور کافر کی نیکی اور بھلائی کا بدلہ اسی عالم میں چکا دیا جاتا ہے۔

مومن کا اللہ پر ایمان ہوتا ہے۔ آخرت پر ایمان ہوتا ہے۔ اس کی نیکی کا بنیادی مقصد اللہ کی رضا کو پانا اور آخرت میں سرخرو ہونا ہوتا ہے لہٰذا اس کو اللہ کریم دوہرا اجر دیتے ہیں۔ اسے دنیا میں بھی اجر ملتا ہے اور آخرت میں بھی اجر ملتا ہے۔ مومن کو نیکی کی توفیق معیت باری کے سبب نصیب ہوتی ہے۔ ایمان بنیادی طور پر تقاضا ہی یہ کرتا ہے کہ بندے کو معیت باری کا ادراک ہو۔ اسے یقین ہو کہ اس کا اللہ ہر وقت اس کے ساتھ ہے وہ دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔

ان آیات میں اسی انعام کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کے ہر قبیلے کے الگ الگ سردار بنا دیئے اور انہیں اپنی معیت کا انعام عطا فرمایا۔

اسی آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر خاندان میں کوئی ایسا بڑا ہونا چاہیے جس کی حیثیت مسلم ہو اور جس کی بات سب کو قبول ہو اسی طرح علاقے کا بھی ایک سردار ہو اور قوم کا بھی کوئی سردار ہو جس کی بات سب مانیں۔ تب جا کر دنیوی نظام کامیاب ہوتا ہے اگر ہر بندہ اپنی اپنی بات ہی چلانے لگے تو پھر کام نہیں چلتا۔ ہر شخص رائے تو دے سکتا ہے، مشورہ تو دے سکتا ہے لیکن ہر شخص کی بات فیصلہ نہیں ہو سکتی۔ دنیاوی نظام کو بہتر طریقے سے چلانے کے لئے ایسے سربراہ کی ضرورت ہے جو فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہو اور جس کی بات سب مان لیں۔

انسانوں کو اپنی معیت کی نعمت عطا کرنے کے لئے جہاں اللہ کریم نے عبادات کا کرنا شرط ٹھہرایا ہے وہاں عبادات کا طریقہ اور سلیقہ بھی متعین فرما دیا۔ جب **اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوۃَ** فرمایا تو صلوٰۃ کے متعلقات بھی واضح کر دیئے مثلاً **اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا** (سورہ النساء 103) جس صلوٰۃ کا وقت ہوگا وہی ادا ہوگی۔ یہ نہیں کہ جب فارغ ہوئے پانچوں اکٹھی پڑھ لی۔ اس لئے جب وقت صلوٰۃ ہوگا تب ہی صلوٰۃ فرض ہوگی اس لئے وقت سے پہلے صلوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وقت صلوٰۃ جب شروع ہوگا تو وضو کرنا فرض ہوگا۔ تلاش قبلہ فرض ہوگا۔ لباس اور جگہ کا پاک ہونا، مسجد میں جانا یہ تمام امور لازم ہو جائیں گے۔ صلوٰۃ اپنی ظاہری و باطنی پاکیزگی کے ساتھ ادا ہوگی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے قلب

میں نور ایمان ہو، ذوق حضوری ہو، خشوع و خضوع ہو، وجود کی ظاہری حالت اور ادائیگی صلوٰۃ ویسے ہی ہو جس طرح نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ قیام کیسے کرنا ہے؟ قرأت، رکوع وسجود تشہد و دعا میں کیا پڑھنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے اذان وصلوٰۃ کی ادائیگی عربی زبان میں فرمائی ہے۔ روئے زمین پر مسلمان چودہ سو سالوں سے عربی ہی میں ادا کرتے آئے ہیں اس لئے زبان و حرکات وسکنات سب کچھ ایسے ہی ہوگا جیسا آپ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔

صلوٰۃ کے بعد دوسری بات زکوٰۃ بیان فرمائی جس کی روح یہ ہے کہ اللہ کی معیت حاصل کرنے والے کو مال کے لالچ سے بچایا جارہا ہے اور حکم دیا جارہا ہے کہ مال کو اللہ کی امانت سمجھ کر استعمال کرو۔ اسی لئے مالی نظام میں زکوٰۃ کو لازمی جزو قرار دیا گیا ہے کہ جو رقم کسی شخص کے پاس ضرورت سے زائد ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ اللہ کی رضامندی کے لئے غرباء و مساکین کو دیا جائے اور ان مستحقین کو دیا جائے جن کا حق قرآن وسنت میں متعین کر دیا گیا ہے۔ اس طرح بندے کے اندر یہ احساس اجاگر کروایا گیا ہے کہ وہ سمجھ لے کہ مال اس کا نہیں ہے۔ اس یقین کے نتیجے میں وہ ناجائز مال جمع نہیں کرے گا اور اللہ کے مال کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق حاصل کرے گا اور ویسے ہی خرچ کرے گا جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے یوں اسراف و بخل ناجائز اور ناروا اخراجات سے بچ کر معاشرے کو چین وسکون کی فضا مہیا کرے گا۔ بدن و روح کو بدنی عبادات کے ساتھ وابستہ رکھے گا تو مال کی محبت میں گرفتار نہیں ہوگا۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ نے بندوں سے عہد بھی لیا کہ جب اللہ کے نبیؑ مبعوث ہوں گے تو ان پر ایمان لانا اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق انؑ کی مدد کرنا۔

نبیؑ کی مدد کیسے کی جاتی ہے؟

یہی کہ نبیؑ جو احکام الٰہی لے کر آئیں ان کی اپنی ذات پر تنفیذ کرنا اور معاشرے میں ان کی ترویج کرنا۔ ایک اُمتی اپنے نبیؑ کی مدد ایسے ہی کرسکتا ہے کہ نبیؑ کو جو طریقہ لین دین کا عدل وانصاف کا تعلیم و تعلّم کا معیشت و معاشرت کا پسند ہے اسے خود پر لاگو کرے اور معاشرے میں اسے رواج دے۔ اور اس نظام کو معاشرے میں قائم کرے۔

یہ عہد تو بنی اسرائیل کے سرداروں سے لیا گیا تھا۔ قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ کرکے ہمیں سنایا گیا ہے۔ ہمیں سنانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ کے طے شدہ اصول ہمیشہ کے لئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی معرفت یہ ارشاد فرمانے کا مطلب ہے کہ مسلمانو! تم لوگ کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے

بعد اللہ کے ساتھ ایک معاہدے میں منسلک ہو گئے ہو اس معاہدے کے مطابق تمہیں ہر آن، ہر جگہ، ہر کام میں ہر وقت اللہ کی معیت نصیب ہو گی۔ اللہ تمہارا ساتھ دے گا، تمہاری حفاظت فرمائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم جسم و جاں کے ساتھ وقت مقررہ پر سربسجود ہو گے۔ تم مال کی محبت میں گرفتار نہیں ہو گے اور یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاؤ گے۔ اسلام کو اپنے اوپر نافذ کرو گے اور جہاں تک تمہارا اثر ورسوخ ہو وہاں تک احکام الٰہی کو نافذ کرنے کی کوشش کرو گے۔

وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یاد رکھو! اطاعت الٰہی اور اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایسی نیکیاں ہیں جو اللہ کے ہاں سرمایہ جمع کرنے کے برابر ہیں۔ ذات باری کو قرض دینے کے برابر ہیں۔ اس کریم ذات کے پاس تمہارا سرمایہ بڑھتا رہے گا جب وقت مقرر آئے گا، جب تم اس ملک میں پہنچو گے جس ملک کا یہ سکہ ہے تو تمہاری یہ امانت اللہ کریم اپنی شان کے مطابق ہزاروں، کروڑوں گنا بڑھا کر تمہیں عطا فرمائیں گے۔ مومن کو اطاعت الٰہی کے سبب دنیاوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں اور اس کی نیکی کا اجر آخرت میں اللہ کے پاس جمع رہتا ہے بشرطیکہ مومن اپنے معاہدے کی پاسداری کرے۔ پھر بھی انسانی کمزوریاں آڑے آجاتی ہیں۔ بھول چوک ہو جاتی ہے تو فرمایا انسان ہونے کے ناطے تمہاری کمزوریاں، کوتاہیاں، غلطیاں اللہ کریم معاف فرما دیں گے۔ بشرطیکہ بندۂ مومن اس عہد کو پورا کرنے میں خلوص قلب سے دل و جان سے پوری کوشش کرے۔

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ اللہ کریم انسانی کمزوریوں سے خود آگاہ ہیں۔ اپنے بندوں کو ہر آن مغفرت سے نوازتے ہیں اور بندوں سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ وہ خلوص کے ساتھ فرائض کی پابندی کریں، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے ہر وقت کمربستہ رہیں۔ اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے اول خدمت یہ ہے کہ اپنے وجود پر احکام شریعت کو لاگو کیا جائے خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند میں ڈھالا جائے۔ جو شخص کہتا ہے کہ خود اس سے عمل نہیں ہوتا تو وہ دوسروں سے یہ کہنے کی کیسے امید رکھتا ہے کہ وہ عمل کریں۔ بے عملی کے لئے لوگ پھر بہت جواز تراشتے ہیں، بڑے جذباتی جملے وضع کئے جاتے ہیں کہ "اللہ نیتوں کا مالک ہے ظاہر میں کیا رکھا ہے دل سے اچھا ہونا چاہیے ہم نے بڑے نمازی دیکھے ہیں ان سے تو وہ بہتر ہیں جو بے نمازی ہیں"، وغیرہ

ایسی تمام باتیں لغو ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں جو شخص ظاہراً عمل نہیں کر سکتا اسے کیسے مانا جائے کہ وہ قلبی طور پر اللہ سے مربوط ہے یا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر رہا ہے۔ قلبی خلوص، قلبی تعلق کے لئے زیادہ محنت کرنا ہوتی ہے اور ظاہری عمل آسان ہے۔ جو شخص آسان کام نہیں کر سکتا وہ مشکل کام بلکہ مشکل ترین کام کیسے کر سکتا ہے؟

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسند کے کام کرنے کی کوشش کبھی ضائع نہیں جاتی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ایک واقعہ، اس حدیث کی شرح میں نقل کیا گیا ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ او کما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کہ جو ظاہری اعمال میں کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا یعنی ان جیسا حلیہ بنائے گا انداز نشست و برخاست وطعام وکلام ان جیسے اپنائے گا تو وہ شخص میدان حشر میں اسی قوم کے درمیان اٹھایا جائے گا جس قوم کی وہ مشابہت اختیار کرے گا۔

اس حدیث مبارک کی شرح میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ فرعون کو خوش کرنے کے لئے ایک شاہی مسخرہ حضرت موسیٰؑ کی نقل کیا کرتا تھا اللہ کے نبیؑ جیسا حلیہ بنا رکھا تھا انؑ کی طرح اُون کا بنا ہوا کمبل کُرتے کی طرح پہنتا تھا آپؑ کی نقل میں کچے چمڑے کی چپل پہنتا اور موسیٰؑ کے انداز گفتگو کی نقل کرتا تھا اور اپنی دانست میں موسیٰؑ کا مذاق اڑا کر فرعون کو خوش کرتا تھا۔ صاحب مرقاہ لکھتے ہیں کہ جب بحکم الٰہی فرعون کا لشکر سمندر میں فرعون سمیت غرق ہو گیا تو وہ مسخرہ بچ گیا اور موسیٰؑ نے اسے دریا کے کنارے کھڑے دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ یہ مسخرہ تو مجھے بہت ایذا پہنچا تا تھا اسے چھوڑ دیا گیا؟ ارشاد ہوا کہ اس مسخرے نے آپؑ جیسا حلیہ بنا رکھا تھا خواہ نقل ہی کر رکھی تھی لیکن میری غیرت کو یہ گوارا نہیں ہوا کہ موسیٰؑ جیسا حلیہ بنانے والا شخص بھی فرعون کے ساتھ ڈبو دیا جائے۔

وہ کفر کرتا تھا آپؑ کو ایذا دیتا تھا اس پر وہ ضرور گرفتار عذاب ہوگا لیکن الگ سے ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ میری ذات کو حیا آئی کہ اس نے نقل تو آپؑ جیسی بنا رکھی تھی اسے فرعون کے ساتھ کیسے غرق کیا جاتا۔ اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی کو نور ایمان بھی نصیب ہوا اور اس نے اعمال ظاہری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل بھی کر رکھی ہو تو اللہ کے کرم سے امید رکھی جا سکتی ہے کہ ایسے شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گونہ تعلق کے باعث نجات دے دی جائے لیکن شرط وہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر نقل کر رکھی ہو۔

سو فرمایا کہ جو شخص بھی نیکی کرتا ہے اس کا کسی پر احسان نہیں وہ تو اپنا سرمایہ جمع کر رہا ہے۔ اپنے لئے محنت و مجاہدہ کر رہا ہے جو اس کے اپنے ہی کام آئے گا اور نیکی تو فوری اجر پہنچاتی ہے۔ ہر رکوع، ہر سجدہ، ہر ذکر، ہر تسبیح، ہر لمحے اللہ کی یاد، ہر ایک عبادت کے ساتھ حضوری کی ایک کیفیت عطا ہوتی ہے۔ نیک عمل کے

ساتھ گناہ جھڑتے ہیں۔ جناب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے ملتا ہے کہ وہ وضو کر کے بیٹھے ہوئے تھے اور کسی دوسرے وضو کرنے والے کو نہایت انہاک سے دیکھ رہے تھے تو کسی نے ان کی اس مشغولیت کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا جیسے جیسے وہ شخص وضو کر رہا ہے تو میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے ایک ایک عضو سے اس کے گناہ جھڑ رہے ہیں۔ یعنی جو عمل بھی سنت کے مطابق کیا جائے گا وہ گناہوں کو منفی کرتا جائے گا اور نیکی کو بڑھاتا چلا جائے گا اور بندے کو کیفیات قلبی اور قرب الٰہی کا احساس حاصل ہوتا چلا جائے گا۔

اللہ کریم کی طرف سے معاہدے کی تمام شرائط قائم اور برقرار ہیں:

اگر ہماری طرف سے اقرار میں کمی نہ ہو اور پوری محنت کے باوجود کچھ کمی رہ جائے تو اس کے بارے فرمایا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ایسے لوگوں کے لئے میری مغفرت بہت وسیع ہے جنہیں ذات باری پر یقین بھی ہو، حضور اکرم ﷺ پر اعتماد بھی ہو، آخرت کی جوابدہی کا احساس بھی ہو، حلال کمانے کی پوری کوشش کرتے ہوں، سچ بولنے پر کاربند ہوں، بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے ہوں تو فرمایا: میں آج بھی ان کے ساتھ ہوں وہ دنیا کے تپتے صحرا میں بھی میری رحمت سے مستفید ہو کر پرسکون زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن ہم من حیث القوم اس وعدے کو بھول چکے ہیں اور اس درجے پر پہنچ چکے ہیں کہ کفار کے پیچھے چل رہے ہیں۔ ہمارے پڑھے لکھے اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں میں سے کسی کو اپنے طبقے کے سامنے صلوٰۃ ادا کرنی ہو تو وہ شرمندہ ہو جاتا ہے چھپ کر ادا کرتا ہے کہ کہیں دقیانوسی نہ سمجھا جائے۔ آج داڑھی والے کو پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔ بس میں کوئی بیٹھنے نہیں دیتا، دفتر میں چپڑاسی دروازہ کھولنے سے ہچکچاتا ہے کہ شاید یہ دہشت گرد ہے۔

ڈیڑھ سو سے زائد مسلمانوں کی ریاستیں ہیں۔ کسی ایک ریاست میں اسلامی طرز حیات نہیں۔ نہ معیشت اسلامی ہے نہ سیاست نہ قانون اسلامی ہیں نہ تعلیمی نظام اسلامی ہے۔ علماء سے لے کر سیاستدانوں تک سب ہی سارا دن جمہوریت کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ کہنے کو تو جمہوریت کو اکثریت کی رائے کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت ایک چھوٹی سی اقلیت عوام کی اکثریت پر مسلط رہتی ہے۔ انگریز کو برصغیر چھوڑے اکسٹھ برس ہو گئے اس ملک میں عوام کی اکثریت میں سے کون سا حکمران بنا؟ یہاں تو پندرہ بیس خاندان ہیں۔ یہی اکثریت میں رہتے ہیں بیوی مر جائے تو میاں مسلط ہو جاتا ہے یا بیٹا مسلط ہو جاتا ہے اس کے نالائق بچے حکمران بن جاتے ہیں اور پڑھی لکھی اکثریت کو روزگار نہیں ملتا۔ اٹھارہ بیس کروڑ کی اکثریت میں سے بیس

پچیس خاندان اور انکی اولاد مسلط رہتی ہے۔

آج حکمرانوں نے اور عوام نے اللہ کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سنت چھوڑ دی ہے اس لئے اس کا انجام بھی بھگت رہے ہیں۔قرآن حکیم نے اس روش کا نتیجہ بھی بتا دیا ہے فرمایا:

اتباع رسول ﷺ سے منہ موڑنے کا انجام:

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ جو اطاعت الٰہی اور اتباع رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑے گا وہ راہ راست سے دور جا گرے گا۔ یہی حال آج ہمارا ہے۔ ٹی وی چینلز پر رات دن مذاکرے ہو رہے ہیں اور مسائل کے حل کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا۔ مصیبت سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی اس لئے کہ یہ قرآن حکیم پر عمل کرنا نہیں چاہتے اسلام کو عملاً ماننا نہیں چاہتے۔ اتباع رسالت ﷺ کرنا نہیں چاہتے پھر تقریریں کرنے سے تو کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ راستہ تو خود گم کر چکے ہیں یہ وہی گناہ ہے جو بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ انہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑا، عبادات سے منہ موڑا، نبیؑ کا اتباع ترک کیا، مال کی حرص میں مبتلا ہو گئے، اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ جب انہوں نے وعدہ توڑا تو لَعَنّٰهُمُ اللّٰهُ تو اللہ نے ان پر لعنت کر دی۔ لعنت کیا ہے؟ رحمت الٰہی سے محروم ہو جانا۔ رحمت الٰہی سے دور ہونے کے اثرات کیا ظاہر ہوتے ہیں؟ باپ کو بیٹے مارتے ہیں۔ بہنوں پر بھائی کتے چھوڑ دیتے ہیں۔ بہنیں بھائیوں کے لئے بددعا کرتی ہیں۔ دوست دشمن بن جاتا ہے۔ رشتے رحمت کے بجائے عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔ کیا عذاب کی یہ صورتیں ہمارے معاشرے میں نظر نہیں آتیں؟

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ ان کے دلوں کو ہم نے سخت کر دیا۔ ان کے دل میں نہ یاد الٰہی رہی نہ خوف الٰہی رہا۔ نہ راستی رہی نہ راست بازی۔ ان کے دل ایسے پتھر ہوئے کہ نہ انہیں کسی سے پیار رہا نہ کسی پر شفقت، نہ بڑوں کا ادب واحترام نہ چھوٹوں سے محبت۔ وہ دل انسانی دل ہی نہ رہے بلکہ سیاہ ہو کر ایسے سخت ہوئے کہ گویا پتھر ہوں۔ اس حالت پر پہنچ کر وہ یہ کرنے لگے يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ کلام الٰہی کے الفاظ بدلنے لگے۔

بنی اسرائیل نے تو کلام الٰہی کے الفاظ تبدیل کئے۔ قرآن حکیم کے الفاظ تو کوئی بدل نہیں سکتا لیکن کیا آج مفہوم قرآن تبدیل کرنے کی کوشش نہیں ہو رہی؟ آج قرآن کے فیصلے بھی بکتے ہیں، فتوے خریدے جاتے ہیں۔ اس روش پر چل کر ہم کس سمت کو چلے گئے؟ جو مقصد تھا اس سے ہٹ گئے۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

اور جو باتیں ان کو کہی گئیں ان کو بھلا دیا۔ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ انہیں کیا کرنے کو کہا گیا تھا اور اپنی اصلاح کرنے کے لئے انہیں کیا ہدایات دی گئی تھیں؟ **وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ** بنی اسرائیل کے معدودے چند لوگوں کے سوا اکثر خیانت میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے اللہ سے خیانت کی اللہ کے نبیؑ سے خیانت کی۔ جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے خیانت کرتا ہے وہ ہر ایک سے خیانت کرتا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس سے وفا کی امید کیسے کر سکتا ہے؟ ایسے لوگ اپنے ملک وقوم سے، والدین سے، حتیٰ کہ اولاد تک سے خیانت کرتے ہیں۔ جو اپنی اولاد کو حرام کھلاتا ہے اور انہیں بے دین بناتا ہے وہ اللہ کی دی ہوئی امانت میں کس بیدردی سے خیانت کرتا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اس غلط روش کا اور جو بھی اس روش پر چلے گا وہ زندگی بھر راستہ نہ پا سکے گا اور بھٹکتا ہوا تباہ ہو جائے گا آج کے برائے نام مسلمانوں کا یہی حال ہے مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے مسلمانوں کے نام رکھے گئے اور آج کافروں کے ایجنٹ بن کر فساد کرتے ہیں۔ ان سے دولت کے انبار لیتے ہیں اور مسلمانوں کے قتل عام میں ملوث ہیں۔ کوئی خودکش بمبار بن جاتا ہے اور کوئی وزیراعظم بن جاتا ہے اور کوئی صدر بن جاتا ہے کوئی افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دھماکہ کرنے والا بن جاتا ہے اور کوئی ملکی سرمایہ خرچ کر کے صاحب اقتدار بن کر مسلمانوں کے قتل عام میں شریک ہو جاتا ہے۔ قتل عام کرنے میں دونوں ہی شریک ہیں اور یہی نتیجہ ہے اللہ سے وعدہ توڑنے کا اور نبی علیہ السلام سے وفا نہ کرنے کا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ⑬ فرمایا اے میرے حبیب ﷺ ان لوگوں سے آپ درگزر فرمائیے۔ انہیں کچھ مت کہیے یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی میں ان کا حساب کرلوں گا۔ آپ مت غم کیجئے ان کی خرابیوں کو نظرانداز فرماتے ہوئے ان تک اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیے کہ اللہ احسان کرنے والوں کو ہی پسند فرماتا ہے اللہ انہی لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو خلوص قلب سے اللہ کی بات مانتے ہیں۔ **اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ** یقیناً اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔ حدیث جبرئیلؑ میں احسان کی وضاحت ملتی ہے کہ جبرئیلؑ انسانی شکل میں آئے اور منجملہ دوسرے سوالوں کے یہ سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ بتائیے احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''**اَنْ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ**'' (مشکوٰۃ) احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تجھے یہ کیفیت نصیب نہیں تو یہ یقین ضرور رہو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی یہ لوگ جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لیا کہ وہ

اپنے نبیؐ کی اطاعت کا حق ادا کریں تو اللہ انہیں رحمت سے سرفراز فرمائے گا۔ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ لیکن انہوں نے بھی وہ باتیں بھلادیں جن پر عمل کرنے کے لئے انہیں کہا گیا تھا کسی ایک آدھ بات کو پکڑ کر بیٹھ رہے اور باقی سارا دین فراموش کر دیا۔ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ تو ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا گیا۔

آپس کی دشمنیاں ایک سزا:

نبیؐ سے بدعہدی کی سزا یہ ہوتی ہے کہ آپس میں دشمنیاں پھوٹ پڑتی ہیں ایک دوسرے کے خلاف غم وغصہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کا عذاب ہوتا ہے جسے اللہ نے ان پر مسلط کر دیا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ اب وہ قیامت تک اس عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴ قیامت کچھ دور نہیں۔ اللہ کریم انہیں بتائیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ یہ آیات مبارکہ کچھ یہودیوں کے بارے میں ہیں اور کچھ عیسائیوں کے بارے میں۔ لیکن قرآن حکیم تاریخ کی کتاب نہیں کہ یہ قصے حکایتاً بیان کرے۔ قرآن حکیم میں واقعات گزشتہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کریم ہمیں گزشتہ اقوام کی مثالیں دے کر سمجھانا چاہتا ہے کہ اللہ نے اپنی رحمت ان پر عام کی تھی لیکن انہوں نے بدعہدی کی تو ان پر عذاب آئے اور بتانے سے مراد یہ ہے کہ اگر تم بھی نبی کریم ﷺ سے بدعہدی کرو گے تو تم پر بھی عذاب الٰہی مسلط ہو جائے گا

جتنے عذاب ان آیات میں اللہ کریم نے گنوائے ہیں وہ سب کے سب آج من حیث القوم مسلمانوں پر وارد ہو چکے ہیں۔ اب ان مصائب سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ ہم انفرادی طور پر مجموعی طور پر بحیثیت قوم توبہ کریں گزشتہ کی معافی چاہیں۔ آئندہ سے اپنے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عہد نبھائیں، اس ہستی کے ساتھ وفا کر جائیں جس ہستی نے صدیوں پہلے ہم سے محبت کی۔ جو دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی اللہ سے ہماری بخشش طلب کر رہی تھی۔ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے بخشش کا سامان کر رہی تھی۔ ہمارا وجود نہیں تھا ہم علم الٰہی میں تھے لیکن نبی ﷺ آنے والی امت کے لئے دعائیں فرما رہے تھے۔

جس ہستی نے ہم سے اتنی محبت کی اسے ہم جواباً کیا دے رہے ہیں؟ کیا ہم اس محبت کا حق ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہمیں احساس ہے؟ کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے؟ اگر ہم اللہ سے، اپنے نبی ﷺ سے عہد ایفا نہیں کریں گے تو پھر وہی ہو گا جو ہو رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے جو حالات اور نتائج عذاب اور مصیبتیں جس

ترتیب سے گنوائی گئی ہیں وہ تمام کی تمام اسی ترتیب سے آج مسلمانوں پر بیت رہی ہیں لگتا ہے آج کے حالات بتائے جا رہے ہیں۔

خلاصہ آیات:

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ یہود نے کس طرح اللہ کریم سے بدعہدی کی۔ اللہ کریم کی نازل کردہ کتاب میں تحریف کر دی۔ اپنی پسند کے مسائل گھڑ لئے۔ جو بات اپنے مطلب کی لگی اسے قبول کر لیا، جہاں کچھ قربان کرنا پڑا وہاں سے چھوڑ دیا۔ ان کے اسی رویے کو قرآن حکیم میں دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (سورہ البقرہ 85) کہ کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ حصوں کا انکار کر دیتے ہیں۔ پھر نصاریٰ کا ذکر فرمایا کہ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى یہ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں در حقیقت یہ نصاریٰ نہیں ہیں۔ نصاریٰ تو وہ ہیں جو عیسیٰؑ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے کیا کیا؟ فرمایا ہم نے ان سے عہد بھی لیا تھا اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ انہیں احکام عطا کر کے پختہ عہد لیا تھا لیکن فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ انہوں نے کتاب کا بیشتر حصہ گم کر دیا۔ اس نصیحت کو ضائع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ ان کی آپس میں دشمنی پھوٹ پڑی۔ یہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ سزا کے طور پر ہم نے ان میں دشمنی اور عداوت ڈال دی۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یہ عداوت اب ان میں قیامت تک رہے گی۔ ان دونوں اقوام کی آپس کی دشمنی کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ اسی باہمی دشمنی کے باعث لاکھوں لوگوں کو قتل کیا گیا۔ زندہ جلایا گیا اور اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا۔ یہود و نصاریٰ بظاہر مہذب انداز میں میل جول رکھتے ہیں لیکن باطن میں سے دشمنی نہیں جاتی۔ مختلف انداز سے آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔

قرآن حکیم کا موضوع تاریخ نہیں ہے۔ اقوام عالم کے جو قصے قرآن حکیم بیان کرتا ہے وہ بطور نصیحت کرتا ہے تاکہ مسلمان خبردار رہیں کہ اگر وہ بھی یہود و نصاریٰ کی بدکرداری کو اپنائیں گے تو ان کو بھی انہی سزاؤں کا سامنا کرنا ہوگا جو ان گمراہ لوگوں پر آئیں۔ ہم اگر اپنا محاسبہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم نے تعلیمات اسلام کو چھوڑ دیا۔ احکام شریعت سے بیگانہ ہو گئے تو نتیجہ یہ ہوا کہ ہم بھی انہی کی طرح فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر طبقہ دوسرے کا دشمن ہو گیا۔ آج کی دہشت گردی احکام شریعت سے منہ موڑنے کی سزا ہے۔ عذاب الٰہی ہے۔ ہم نے بھی کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ سے عہد کیا تھا۔ لاالہ اِلّاالله محمد رسول الله سے بڑا معاہدہ کیا ہوگا؟

بندہ اللہ سے عہد کرتا ہے کہ صرف اللہ کی الوہیت کو قبول کرتا ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔ رسالت کا اقرار کرنے سے بندے کی ذاتی رائے اور اپنا اختیار ختم ہو جاتے ہیں۔ بندہ ہر حال میں اطاعت کا پابند ہو جاتا ہے۔ اقرار بھی ایک دعویٰ ہے۔ دعویٰ زبان سے کیا جاتا ہے اور بندے کا کردار بتاتا ہے کہ وہ عظمت باری پر کتنا یقین رکھتا ہے! اخلاق و معاملات میں کتنا اتباع رسولؐ کرتا ہے! قیامت پر کتنا یقین رکھتا ہے! سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس بندے کو یہ یقین ہو کہ اس سے اگلا لمحہ موت کا ہو گا۔ کیا وہ رشوت لے گا؟ کسی کا مال ناجائز طور پر لے گا؟ ناجائز قتل کرے گا؟ کیا جان بوجھ کر شریعت کے خلاف جائے گا؟

قرآن حکیم یہود و نصاریٰ کا قصہ سن کر ہمیں بتا رہا ہے کہ مسلمانو! اگر تم بھی اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ دو گے اور عمل اپنی پسند سے کرو گے تو تمہارا دعویٰ اسلام عذاب الٰہی کو نہیں روک سکے گا۔ تمہارے اندر بھی دشمنیاں پھوٹ پڑیں گی۔ تم ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگ جاؤ گے تباہی اور دہشت گردی رواج بن جائے گی۔ ہمارے حکمران بیان بازی کے طور پر کہتے ہیں کہ دہشت گردی کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ دہشت گردی تو بطور سزا مسلط ہوگئی ہے۔ یہ تو حکم باری تعالیٰ ہے۔ باذن الٰہی ہو رہی ہے۔ عذاب الٰہی تو اللہ کی بارگاہ سے آتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تباہی اس بارگاہ سے نازل ہو رہی ہے۔ جس کی نافرمانی کا ٹھیکہ ہم نے لے لیا ہے۔

عذاب الٰہی کی جڑ کاٹنے کا علاج توبہ ہے:

آج بھی ہم من حیث القوم توبہ کر لیں۔ رجوع الی اللہ کر لیں۔ اللہ کریم کے نازل کردہ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا لیں تو یہی ملک جنت نظیر بن سکتا ہے۔ توبہ کا معنی ہے کہ تباہی کے راستے کو چھوڑ کر سلامتی کا راستہ اپنانا پڑے گا۔ ہم اس اعتبار سے بہت خوش نصیب ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ہیں اس آخری امت پر اللہ کریم کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ توبہ کا دروازہ ہر لحظہ کھلا ہے ورنہ ہم سے پہلی امتوں کی توبہ کے طریقہ کار کی شرائط بہت سخت تھیں۔ جیسے موسیٰؑ کی قوم نے جب بچھڑے کی پوجا کرنے کا جرم کیا اور موسیٰؑ کے سمجھانے سے نادم ہوئے۔ موسیٰؑ نے بارگاہ الٰہی میں ان کی توبہ منظور کرنے کی دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے توبہ کا طریقہ کار ارشاد فرمایا کہ جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ اللہ سے معافی چاہنے کے لئے اپنی گردنیں خم کر کے کھڑے ہو جائیں اور جنہوں نے سجدہ نہیں کیا وہ ان کی گردنیں قلم کر دیں۔ جو قتل ہوتا جائے گا اس کی توبہ قبول ہوتی جائے گی۔ ان گردن جھکانے والوں اور گردنیں مارنے والوں میں بھائی، باپ، بیٹے، رشتہ دار آمنے سامنے تھے۔ علماء تفسیر لکھتے ہیں کہ بے شمار لوگ مارے جا چکے تو موسیٰؑ نے دعا فرمائی

کہ احکم الحاکمین اب ان سب کو معاف فرما دے۔ تو اللہ کریم نے فرمایا انہوں نے خلوص سے توبہ کی ہے۔ جو مارے جا چکے ہیں میں انہیں شہادت سے سرفراز کردوں گا اور جو بچ گئے ہیں میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ موسیٰ اللہ کے اولوالعزم رسول تھے، کلیم اللہ تھے۔ براہ راست خطاب الٰہی نصیب ہوتا تھا۔ قوم میں موجود تھے۔ قوم نے خلوص سے توبہ کی۔ قتل ہونا بھی گوارا کرلیا لیکن توبہ آسانی سے تو منظور نہ ہوئی! ایک ہم ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر زمین وآسمان کی فضاؤں کو گناہوں سے بھی بھردو پھر خلوص سے توبہ کرلو، واپس آجاؤ تو اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرما کر تمہیں قبول کرلے گا۔ توبہ صرف ایک لفظ نہیں ہے۔ یہ ایک عمل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا عقیدہ، اپنا نظریہ اور کردار ویسا اختیار کرتا ہوں جیسا محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔ ہماری توبہ کا مطلب ہے کہ ہم ذاتی اور انفرادی سطح پر دین برحق کو شعار بنالیں۔ ہم اپنی ذات کی اصلاح کرلیں تو اللہ کریم کا وعدہ ہمارا منتظر ہے کہ جس کا کردار حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے وہ دہکتی آگ میں بھی ابراہیم خلیل اللہ کی طرح سلامت رہتے ہیں۔ ان کے دل میں سکون ہوتا ہے۔ وہ نہ کسی کی دشمنی کی نذر ہوتا ہے نہ اس کے دل میں کسی کی دشمنی ہوتی ہے، اس کی زندگی میں سکون ہوتا ہے۔ رہ گئے حکمران اور صاحب اقتدار تو وہ اس بات کو مت بھولیں کہ ان کی کوتاہیاں اگر قوم کو عذاب میں مبتلا کریں گی تو میدان حشر میں انہیں پوری قوم کے حقوق دبا جانے کا حساب بھی دینا ہوگا۔ میدان حشر میں تو اپنا حساب دینا مشکل ہے وہاں یہ حکمران کروڑوں لوگوں کا حساب کیسے دیں گے؟ آج لوگ ان کے میڈیا پالیسی کے نتیجے میں فحاشی، عریانی، جھوٹ اور فریب دیکھ دیکھ کر گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں۔ آپس کی دشمنیوں میں تباہ ہو رہے ہیں۔ لیکن جب قیامت قائم ہوگی تو دوسرا باب کھل جائے گا پھر اللہ انہیں بتائے گا کہ ان کی وجہ سے اللہ کی کتنی مخلوق کو کتنی تکالیف دیکھنا پڑیں۔ ان کی وجہ سے کتنے ناروا قتل ہوئے؟ کتنی عزتیں لٹیں؟ کون کہاں کہاں برباد و بے خانماں ہوا؟ اور مخلوق خدا پر کتنا ظلم ہوا؟ اللہ انہیں یاد دلائے گا کہ ان کے ایک جملہ کہنے اور ایک فیصلہ کرنے کا اثر کہاں کہاں تک ہوا؟ اس کے نتیجے میں کتنی تباہی آئی؟ **وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾** سو اللہ جلد ہی ان کی اس کو خبر کردے گا جو وہ کرتے رہے تھے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اے اہل کتاب! تمہارے پاس اللہ کا حبیب ﷺ تشریف لے آیا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے اس کے بعد کسی نئی

نبوت یا نئی کتاب کی توقع نہ رکھنا۔ ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے جس ہستی نے تشریف لانا تھا وہ تشریف لا چکی۔ میرے حبیب ﷺ نے ان باتوں کو بیان فرما دیا جو تم نے لوگوں سے چھپا کر رکھی تھیں۔ جن احکام کو تم نے تبدیل کر دیا تھا حالانکہ وہ اس عہد کی انسانیت کے لئے ضروری تھے اور تمہاری کتابوں میں موجود تھے۔ اور جن باتوں کی اب ضرورت نہیں تھی ان سے حضور اکرم ﷺ نے صرف نظر فرمایا۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے یہود و نصاریٰ موجود تھے۔ دونوں کو یہ دعویٰ تھا کہ ان کے پاس حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا لایا ہوا دین ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہود نے تورات میں تبدیلی کر دی۔ اپنی مرضی سے احکام بدل دیئے اور الفاظ بھی بدل دیئے۔ جہاں الفاظ رہنے دیئے وہاں مفاہیم بدل دیئے۔ نصاریٰ نے بھی اسی طرح تبدیلی کرنی شروع کر دی اور ان کو اس کا پاس نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے نبیؑ کی عطا کردہ شریعت کو کھو دیا ہے۔ آج نصاریٰ کے پاس انجیل کا کوئی ایسا نسخہ نہیں ہے جو عیسیٰؑ کی زبان سے نقل کیا گیا ہو۔ موجودہ انجیل ان کے حواریین کی بتائی ہوئی باتیں ہیں اسی لئے انجیل کے مختلف نسخے ہیں جو مختلف حواریوں کے نام سے منسوب ہیں۔

ایک ضمنی بات:

اس آیت کریمہ سے یہ ضمنی بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نے صرف یہود و نصاریٰ کو ہی اہل کتاب کا نام دیا ہے۔ ہمارے بعض جدید دانشور گوتم بدھ اور گورو نانک کے بھی نبی ہونے کا امکان ظاہر کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات کو الہامی بتاتے ہیں لیکن یہ رائے غلط ہے۔ گوتم بدھ اور گورو نانک، ہندو تہذیب اور مذہب کے ہی علمبردار تھے۔ ہندو مذہب واحد مذہب ہے جس میں کوئی اخلاقی حدود و قیود مقرر نہیں ہیں جن کے نتیجے میں معاشرے میں برائیاں ہونا ایک لازمی امر ہے تو جب بھی برائیاں حدود سے بھی تجاوز کر جاتیں تو ان میں وقتاً فوقتاً ایسے لوگ اٹھتے جو ان کی اصلاح کرنا چاہتے۔ گوتم بدھ اور گورو نانک ان ہی مصلحین میں سے تھے۔ لیکن وہ بت پرست ہی تھے۔ انہوں نے بت پرستی کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ وہ مشرک تھے۔ لہٰذا اپنی پرستش کروانے کی روش رائج کر گئے اور لوگوں نے انہیں پوجنا شروع کر دیا۔

کائنات میں سارے کا سارا نور آپ ﷺ کی ذات سے بٹتا ہے:

آپ ﷺ کے کمال علمی اور کمال اخلاقی بیان فرما کر ساری بحث کو سمیٹے ہوئے فرمایا: **قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾** کہ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی۔ تمہارے پاس نور آ گیا اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی۔ نور روشنی کے معنوں میں بھی آتا ہے اور نور کا معنی رہنمائی

بھی ہے۔ نور کے معنی روشنی ہوں یا نور ہدایت دونوں صورتوں میں اللہ کی ہدایت تقسیم فرمانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءؑ و رسلؑ کے سردار اور امام ہیں۔ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءؑ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حمایت اور اطاعت کا وعدہ لیا تھا پھر اس بیعت کی تکمیل شب اسراء میں اس طرح ہوئی کہ اللہ کریم نے اوّلین و آخرین تمام انبیاءؑ و رسلؑ کو بیت المقدس میں واپس لا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں دو رکعت صلوٰۃ کی سعادت عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام الانبیاءؑ ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت عطا فرمائی کہ سارے کا سارا نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تقسیم ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ذات عالی ہیں جن پر اللہ کا کلام نازل ہوا۔ کتاب مبین نازل ہوئی ایسی واضح کتاب عطا ہوئی جو حق اور سچائی پر چلنے والے کے لئے روشنی اور نور ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال بشر اور بے مثال نور ہیں:

اللہ کریم تو اپنی بے مثال نعمت کا ذکر فرما رہے ہیں اور ہمارے ہاں بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور بشر ہونے کی بحث چھیڑ دی۔ اوّل بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر بحث کرنا گستاخی ہے اور ادب کے خلاف ہے۔ اسطرح ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا بات سمجھنے کے لئے کی جائے۔ بحث کرنے سے ایمان کو ضائع نہ کیا جائے۔ سمجھنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل اور بے مثال ہستی ہیں۔ ان جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات میں بے مثل و بے مثال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت بھی کامل ہے اور نور بھی کامل ہے۔ ویسے تو فرشتہ نوری مخلوق ہے۔ سارے فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور بشر اولادِ آدمؑ کو کہا جاتا ہے اور تمام انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین اللہ کے تمام مقرب بندے اور اولادِ آدمؑ میں سے ہیں۔ بشریت میں سارے مشترک ہیں لیکن ہر فرد کی بشریت کی فضیلت اپنی اپنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کریم نے قرآن حکیم میں کہلوایا۔ **إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ** (سورہ الکہف آیت 110) یقیناً میں بھی تمہاری طرح کا بشر ہوں لیکن تم میں اور مجھ میں فاصلہ یہ ہے کہ میری بشریت بھی اتنی منزہ، پاکیزہ اور لطیف ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے حصول وحی کے لئے جو لطافت، پاکیزگی اور تزکیہ شرط ہے وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت میں موجود ہے۔ اس طرح بلاشک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں لیکن خیر البشر ہیں پوری کائنات میں کوئی دوسرا آپ کی مثل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار ممکن نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے میں کوئی شک نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت منور ہے اور نوری

مخلوق سے زیادہ علو مرتبت ہے۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کے در کے خادم ہیں۔ بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کا شرف پاتے تھے۔ بعد وصال روضۂ اقدس پر بھی حاضر ہوتے ہیں۔ روایات میں ملتا ہے کہ صبح وشام فرشتے روضۂ اطہر پر حاضر ہوتے ہیں دن رات کا کوئی لمحہ ان کی حاضری سے خالی نہیں ہوتا۔ فرشتے گروہ در گروہ حاضر ہو کر درود وسلام عرض کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔ دوسرے ان کی جگہ آجاتے ہیں اور جو ایک مرتبہ آتے ہیں قیامت تک ان کی باری دوبارہ نہیں آتی۔ ہر مرتبہ نئے فرشتے باریاب ہوتے ہیں تو نوری مخلوق خود آپ ﷺ کی خادم ہے۔ آپ ﷺ کا کمال یہ ہے کہ آپ کی بشریت بھی فرشتوں سے لطیف تر ہے۔ حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کے سردار ہیں۔ مقرب بارگاہ الٰہی ہیں لیکن شب معراج سدرۃ المنتہٰی پر پہنچ کر انہوں نے عرض کی تھی کی حضور اکرم ﷺ اگر میں اس مقام سے بال برابر بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جل جائیں گے۔ اس سے آگے آپ تشریف لے جائیں۔ آپ ﷺ اپنے وجود عالی سمیت اسی بشری وجود کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے تھے پھر آپ ﷺ قربِ الٰہی میں وہاں تک تشریف لے گئے جہاں تک رب نے چاہا تو آپ ﷺ کی بشریت بھی اتنی لطیف، اتنی منزہ ہے کہ اللہ کے مقرب فرشتے جبرائیلؑ اپنے نورانی وجود کے ساتھ پیچھے، بہت پیچھے رہ گئے۔ حضور اکرم ﷺ کی بشریت کا انکار کرنا آپ ﷺ کو بشر نہ ماننا اتنا بڑا جرم ہے کہ جو انکار نبوت تک لے جاتا ہے۔ قرآن حکیم واضح طور پر بتاتا ہے کہ نبوت بشریت ہی کو عطا ہوئی۔ اور مشرکین کو اعتراض بھی یہی تھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا تو ہماری طرح کا بشر ہے۔ ہماری طرح کھاتا، پیتا ہے۔ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو نبیؐ کیسے ہوسکتا ہے؟ نبیؐ تو کوئی فرشتہ ہوتا، اس میں انسانوں کے اوصاف نہ ہوتے، اس پر اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر زمین پر فرشتے نائب بنائے جاتے تو پھر نبیؐ بھی کسی فرشتے کو ہی بنایا جاتا لیکن زمین پر چونکہ انسان ہی اللہ کا نائب ہے۔ اولاد آدمؑ ہی یہاں بستی ہے اس لئے نبوت بھی آدمؑ کو عطا ہوئی۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ فرشتہ اگر نبی ہوتا تو انسان اسے دیکھ پاتے نہ اس کی بات سن پاتے تو اس سے استفادہ کیسے کرتے؟ پھر جب وہ کوئی کام کہتا تو انسان کہتے کہ آپ کی تو کوئی جسمانی، دنیاوی ضروریات نہیں ہیں۔ آپ تو روزے بھی رکھ سکتے ہیں، رات کو جاگ بھی سکتے ہیں، ہمیں تو نیند بھی آتی ہے، بھوک بھی لگتی ہے، ہمیں روزی کمانے کی ضرورت ہے، ہم کس طرح بار بار سجدے کریں اور کیسے روزے رکھیں؟ قرآن نے یہ اصول بتایا کہ ہم جنس ہی ہم جنس سے استفادہ کرتا ہے۔ دوسری جنس سے استفادہ نہیں کرسکتا۔ فرشتے سے انسان کیسے استفادہ کرتے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہی نبیؐ بنایا۔ تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ کس کو نبی

بنانا ہے؟ یہ انتخاب میرا ہے۔ مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات تب ارشاد فرمائی جب مشرکین نے کہا کہ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (سورہ الزخرف آیت 31) اللہ نے نبی بنانا تھا تو مکہ کے روساء میں سے کسی کو بناتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ امارت وغربت میری تقسیم ہے کسی کو امیر بنا دیا تو یہ کمال تمہارا نہیں۔ یہ میری تقسیم ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ دنیا اوراس کی دولت کی حیثیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو یہ کسی کافر کو نہ ملتی اور آخرت وہ نعمت ہے جو کوئی کافر نہیں پاسکتا۔ وہ صرف مومن کو نصیب ہوتی ہے تو نبوت کیلئے دولت مندی شرط نہیں یہ اللہ کی اپنی تقسیم ہے وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ سارے کا سارا نور، ساری کی ساری روشنی اور ہر طرح کی ہدایت صرف اور صرف ذات رسول اللہ ﷺ میں ہے۔ آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ سے ہٹ کر کوئی پیر، کوئی مُفتی، مولوی یا عام انسان اپنی بات کہے گا تو اس میں کوئی نور اور روشنی نہیں ہوگی۔ اس سے نہ ہدایت ملے گی نہ بھلائی۔ تمام بھلائیوں کی تقسیم آپ ﷺ کی ہی ذات عالی سے ہوتی ہے دنیا کی کھربوں کی آبادی میں سے اربوں لوگ مسلمان ہیں۔ محققین کے نزدیک ہر وہ بندہ جو خلوص دل سے کلمہ طیبہ قبول کرتا ہے اور اس کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے دل پر قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے نور کی ایک تار آ کر جڑ جاتی ہے۔ اس کا ایک تعلق آپ ﷺ سے قائم ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ اتباع کرتا اس تعلق میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جہاں، جہاں نافرمانی ہوتی ہے وہاں نور کی تار کمزور ہوتی چلی جاتی ہے اگر مسلسل نافرمانی ہوتی رہے اور بندہ کبھی توبہ نہ کرے تو تار ٹوٹ جاتی ہے۔ ایمان جاتا رہتا ہے لوگ نئے نئے فرقے گھڑ لیتے ہیں اور بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔

مسلمان کی گمراہی کا سبب:

مذہب اور عقیدہ بہت مضبوط شئے ہے۔ یہ قلبی تعلق کی بات ہے۔ مذاہب باطلہ میں بھی لوگ اپنے عقیدے پر قائم رہتے ہیں۔ ہندوؤں کو ہی لے لیجئے ان کے پاس عقیدے کے نام پر لغو اور جاہلانہ رسومات ہیں۔ ان کے پاس آخرت کا کوئی سچا تصور نہیں اس لئے یہ اس دنیا سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مال دنیا پر جان چھڑکتے ہیں پائی پائی جوڑتے ہیں اور ان کی تمام پوجا پاٹ کا ماحصل حصول دنیا ہی ہے۔ فلاں رسم کر لیں تو دولت ملے گی۔ اور فلاں رسم عبادت کے طور پر کرنے سے شہرت واقتدار نصیب ہوگا۔ ایسی ذہنیت رکھنے کے باوجود جب ملک تقسیم ہوا تو ہندوؤں کی اکثریت اپنے بڑے اور مضبوط گھر، جائیدادیں یہیں چھوڑ گئے۔ ہندو اپنی دولت کا کثیر حصہ گھروں کی تعمیر پر خرچ کرنے والی قوم ہے۔ اس کے باوجود مذہب اور عقیدہ ایک ایسی عجیب

شئے ہے کہ ہندو اپنی دولت، جائیداد، گھر اور زمینیں یہیں چھوڑ کر اپنا عقیدہ لے کر یہاں سے چلے گئے۔ کچھ خوش نصیب ایسے بھی تھے جنہیں کلمہ نصیب ہوگیا۔ کچھ بحیثیت ہندو ہی یہاں رہ گئے لیکن اکثریت نے اپنے مذہب کی خاطر ہندوستان جانا پسند کیا تو پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک فرد کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے اس کے کانوں میں اذان کہی جاتی ہے، وہ مسلمان ماں کی آغوش پاتا ہے، مسلمان والدین کے ہاں پرورش پاتا ہے تو وہ کیسے گمراہ ہوجاتا ہے؟ وہ کیوں قادیانی بن جاتا ہے؟ یا کسی اور بدعقیدہ فرقے میں داخل ہوجاتا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نے نورِ نبوت سے وابستہ رہنے والی وہ تار توڑ دی تھی۔ پتنگ بھی تب تک ہوا میں رہتی ہے جب تک اس کی ڈور اُڑانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جب وہ ڈور کٹ جائے تو پتنگ آوارہ ہوجاتی ہے کسی جھاڑی میں اٹک جاتی ہے یا کسی گلی محلے میں گر کر روندی جاسکتی ہے۔ اسی طرح نورِ نبوت سے جڑنے والی تار کٹ جائے تو بندہ فکری طور پر آوارہ ہوجاتا ہے پھر اسے کوئی اچک لے جاتا ہے اور وہ راہ گم کردہ ہوجاتا ہے جتنے نئے نئے فرقے اور گمراہ عقیدے بن رہے ہیں ان کا بنیادی سبب یہی ہے اور جو لوگ کلمہ پڑھ کر اتباعِ رسالت میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اسی حساب سے ان کے نور کی تار مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے پھر فرائض وواجبات کے بعد کسی کو ذکر بھی نصیب ہوجائے اور اس کا دل ذاکر بھی ہوجائے تو وہ تار ایک مضبوط رسہ بن جاتی ہے۔ ایسے ایسے اللہ کے بندے دنیا میں ہوتے ہیں کہ جن کے دل دربارِ نبوی سے اس طرح پیوست ہوتے ہیں کہ برکات کے سمندر بن جاتے ہیں اور ایک عالم اس سے سیراب ہوتا ہے۔ جس طرح سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے اور بے شمار مخلوق کو سیراب کرتی ہے اسی طرح جن لوگوں کے قلوب بارگاہِ نبوی سے روشن ہوجاتے ہیں وہ انسانیت کی بقاء کا سبب بن جاتے ہیں صاحب حلیۃ الاولیاء فرماتے ہیں کہ اگر انسانیت پر کوئی ایسا لمحہ آئے کہ کوئی اللہ کا ذکر کرنے والا نہ ہوتو پھر دنیا قائم نہ رہ سکے۔ اللہ کے ایسے بندوں کے دنیا پر موجود ہونے کے باعث مومنین کو ان سے نورِ ایمان اور توفیقِ عمل میں تائید ملتی ہے اور کافر کو دنیاوی زندگی کی مہلت ملتی ہے۔ ان کو دنیوی فرصت ملنے کا سبب بھی یہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں انوارات محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام موجزن ہوتے ہیں۔

فرمایا اللہ کی طرف سے نور تم تک پہنچ چکا۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد تمہاری کتابوں، تمہاری چھپائی ہوئی باتوں، تمہاری ظاہر کی گئی باتوں کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ جب سورج طلوع ہوجائے تو چراغوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ عرب شاعر نے کیا خوب کہا تھا۔

بَانکه شمسٌ والانبیاء قمرٌ کہ آپ ﷺ کی ذات سورج ہے اور اللہ جل شانہٗ کے سارے نبی علیہم السلام اپنے اپنے وقت کے آسمان کے ستارے تھے۔اذا طلع الشمس لم یزد منهم وفوق کو کبٌ لیکن جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو پھر ستاروں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پھر ستاروں کی روشنی میں کوئی سمت متعین نہیں کرتا سب سورج کی روشنی میں ہی دیکھتے ہیں اور آپ ﷺ ایسا سورج ہیں کہ افلت شموس اولیّن والشمنا ابداًاولیٰ افقِ اولیٰ لاتغرب کہ ہمیشہ افق پر چمکتا رہے گا اور کبھی غروب نہیں ہوگا۔

ذکر رسول اللہ ﷺ کے لئے احتیاط:

ہر مسلمان کے لئے یہ احتیاط کرنا اس کے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات کو موضوع بحث نہ بنایا جائے۔ یہ بحث کرنا کہ حضور اکرم ﷺ میں یہ کمال تھا اور معاذ اللہ یہ نہیں تھا۔ یہ کسی کو زیب نہیں دیتا کسی چیز کو تولنے کے لئے بھی کوئی پیمانہ چاہیے۔ پیمانے کی کوئی حد چاہیے۔اور یہاں تو یہ حال ہے کہ ہماری عقل، شعور، فہم اور علم کی ایک حد ہے اور حضور اکرم ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمارے علم، سوچ اور خیال کی تگ وتاز سے بھی بالاتر ہیں۔ ہمیں تو یہ فکر لاحق رہنی چاہیے کہ ذکر نبی کریم ﷺ کرتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہ ادا ہو جائے جو گستاخی شمار ہو۔ یہ بہت نازک معاملہ ہے کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی شان میں نادانستہ طور پر بلند آواز سے بات کرنے پر تنبیہہ فرمادی کہ اگر کسی کی آواز اس بارگاہ میں بلند ہوئی تو اس کے اگلے پچھلے سارے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور بندہ کافر ہو کر مرے گا۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ (سورہ الحجرات آیت 2) تذکرہ رسول اللہ ﷺ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے اس بات کی تو اجازت ہے کہ آپ ﷺ کے کمالات بیان کئے جائیں۔تعریف وتوصیف کی جائے اسوۂ حسنہ بیان کیا جائے لیکن ذات نبوی ﷺ موضوع بحث اور موضوع مناظرہ بنانے کی جرأت نہ کی جائے۔فرمایا وَكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ایسی کتاب نازل فرمادی جو تمام واقعات کھول کھول کر بیان کر دیتی ہے۔کوئی غلط فہمی یا کوئی اندیشہ نہیں رہنے دیتی۔ یہ کتاب طالب حق کے لئے اس کا مقصود سامنے لے آتی ہے۔ یہ ایسی عجیب کتاب ہے کہ بڑے بڑے فاضل اور محقق کی سمجھ میں آتی ہے تو ایک عام آدمی کے سمجھنے کے لئے بھی آسان ہے۔ اللہ کریم نے اس کتاب کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ (سورہ القمر آیت 22) ہم نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔تو ہے کوئی جو سمجھنا چاہے! بعثت عالی سے پہلے ان سوالوں کے جواب بڑے بڑے فلاسفر نہ دے سکے کہ روح کہاں سے آئی؟ انسان مر کر کہاں جاتے ہیں؟ قبر،

حشر اور آخرت کیا ہے؟ اور بعثت عالی کے بعد کسی گڈریئے، ان پڑھ دیہاتی سے یہ سوال پوچھیں تو وہ بتائے گا کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ سے وحی حاصل کر کے بتایا ہے کہ روح اللہ کے حکم سے ہے۔ دنیوی زندگی عارضی ہے۔ لوگ مر کر آخرت کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ قبر میں حساب کتاب ہوتا ہے۔ قیامت قائم ہوگی۔ اعمال کا حساب ہوگا وہاں سے جنت یا دوزخ جانا ہوگا۔ اس خاص بات کو کس نے اتنا عام کر دیا؟ یہ کام اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے کلام الٰہی کے ذریعے کیا۔ یہ بات اللہ کی کتاب نے عام کر دی۔ جو بات بڑے مانے ہوئے فلاسفہ کے ذہن سے بالاتر تھی اسے آج عام آدمی جانتا ہے اس لئے کہ اللہ نے اپنا کلام انسانوں کے لئے خود آسان کر دیا ہے۔

اللہ کریم خود ہدایت دیتا ہے لیکن کیسے؟

فرمایا میرے حبیب ﷺ کی اور میری کتاب کی شان یہ ہے کہ ان سے ہدایت ملتی ہے اور سب کو ملتی ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ۔ یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ اللہ کریم خود ہدایت نصیب فرماتا ہے اپنے نور سے، اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت سے نبیؐ کی برکات سے اور اپنی کتاب سے لیکن ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طلبگار ہوتے ہیں۔ جو اس کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ اور سلامتی کی راہوں پر چلتے ہیں۔

سلامتی کی راہوں کا تعین کیسے ہوگا؟

ہر شخص جو کام کرتا ہے اپنی دانست میں اسے درست سمجھتا ہے اس کام کے کرنے کا اس کے پاس جواز ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایسا کرنا اس کی مجبوری تھی۔ یا ایسا اس نے اپنی حفاظت کے لئے کیا۔ اس طرح مان لیا جائے تو ہر بندے کی سلامتی کا معیار الگ ہو جائے گا اور ہر شخص کا انداز سلامتی کا معیار بن جائے گا۔ سلامتی کے راستے کا معیار نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ سلامتی کے راستے وہی ہیں جن کی نشاندہی محمد رسول اللہ ﷺ نے فرما دی۔ نبی کریم ﷺ نے زمین پر ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ راہ راست ہے۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ اور دائیں بائیں جتنے راستے نکلتے ہیں یہ سب گمراہی کے راستے ہیں۔

فرمایا وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ہدایت روشنی ہے نور ہے جو حق کو واضح کرتا ہے ان لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے جو ہدایت کے طلبگار ہوتے ہیں اور جو حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرتے ہیں ایسے لوگ جہاں کہیں بھی ہوں کہیں دور ویرانوں میں کھو گئے ہوں یا تاریکیوں میں ڈوب چکے ہوں۔ جب بھی ان کے

دل میں یہ تڑپ پیدا ہو جائے کہ اللہ کی رضا چاہیے اور نبی کریم ﷺ کا اتباع چاہیے تو اللہ کریم انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔ کفر، گناہ، گمراہی اور ظلالت کی تاریکیوں سے کھینچ کر نکال لیتا ہے اور اپنے حکم سے انہیں ہدایت، نیکی اور تقویٰ کے نور میں لے جاتا ہے بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ جب اللہ کریم کی طرف سے رحمتوں کی بارش ہو رہی ہو تو بندے کو ان رحمتوں کو سمیٹنا چاہیے اور سنبھالنا چاہیے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بندے کو عظمت الٰہی کا کم از کم اتنا ادراک ضرور ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے میں ہر لمحے اس کا محتاج ہوں وہ سب سے بڑی ذات ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔ میں مالک کے سامنے بہت چھوٹا ہوں۔ یہ چھوٹی سی بات دین کی بنیاد ہے۔ یہ آسان سی بات ہے جسے اپنانا مشکل لگتا ہے۔ اس لئے کہ بندہ اپنی اَنا کو آگے کھڑا کر لیتا ہے بعض بدقسمت لوگ اللہ کی نعمتوں کے استعمال سے بجائے مستفید ہونے کے ضائع ہو جاتے ہیں جیسے حکماء کہتے ہیں کہ دودھ ایک نعمت ہے اس سے بدن کو قوت ملتی ہے۔ یہ غذا بھی ہے، دوا بھی ہے لیکن اگر کوئی دودھ کا استعمال حد سے زیادہ کر لے تو یہ نعمت اس کے حق میں زحمت بن جائے گی۔ اسی طرح لوگ مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوتے ہیں، بالغ ہوتے ہیں، نماز، روزہ، تلاوت نصیب ہوتی ہے پھر مزید نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ ذکر اذکار، منور لطائف اور مراقبات و مشاہدات عطا ہوتے ہیں یہاں پہنچ کر اللہ کی بڑائی یاد نہ رہی اور صاحب کمال ہونے کا زعم آ گیا اور لوگوں میں اپنی بڑائی کا چرچا پسند آنے لگا۔ لوگوں سے توقعات ہو گئیں کہ اب انہیں اس کی بات سننی چاہیے۔ ادب سے جھک کر رہنا چاہیے اور مال اس کے قدموں پر نچھاور کرنا چاہیے۔ جب بندے کی نگاہ اس طرف سے ہٹی کہ لوگوں کو ترغیب دلائیں کہ وہ خالص اللہ کی راہ میں خرچ کریں، اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی باتیں سنیں، اللہ کی باتیں بتانے والے سے اللہ کے لئے محبت کریں تب یہ ایسے لوگ ہو گئے جو دودھ جیسی نعمت پینے سے مر جاتے ہیں یعنی جب انسان کا مزاج بدلا تو جو اسباب ہدایت کے تھے وہ اسبابِ گمراہی بن گئے۔ کتنے بدنصیب تھے جو اسبابِ ہدایت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔

ابلیس کیوں گمراہ ہوا؟

کیا اس نے چوری کی تھی؟ ڈاکہ ڈالا تھا؟ کسی کی عزت لوٹی تھی؟ کسی کو قتل کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں وہ تو ایک جن تھا۔ جسے اپنی بڑائی کا زعم ہو گیا تھا آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اللہ نے جنات کو پیدا کر کے زمین پر بسا دیا تھا۔ ابلیس ان جنات میں سے ایک تھا۔ جنات کا وجود اللہ نے آگ کے شعلے سے بنایا ہے۔ یہ

بجلی کی طرح کی طاقت ہیں لیکن مادی وجود ہیں اور زمینی مخلوق ہیں۔ اس تخلیقی انرجی کی وجہ سے آسمانوں تک جاسکتے تھے۔ ابلیس نے اتنی عبادت کی، اتنے مجاہدے اور ریاضتیں کیں کہ فرشتوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔ زمین کا باسی تھا پھر فرشتوں میں اعلیٰ مقام پا گیا۔ آسمانوں پر رہائش مل گئی۔ مولانا محمد خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں اس کا تذکرہ یوں کیا کہ جب زمین پر جنات فساد کرتے اور تباہی پھیلاتے تو اللہ اسی ابلیس کو ان کی اصلاح پر مامور فرماتے۔ یہ فرشتوں کی فوج لے کر آتا۔ سرکشوں کو سزا دیتا۔ کسی نیک کو ان کا سردار بنا کر سیدھے راستے پر چلا کر خود آسمانوں کا رخ کرتا۔ فرشتوں میں رہتے ہوئے بستے ہوئے اس کے ذہن میں خناس بھر گیا کہ وہ تو کوئی بڑی شئے بن گیا ہے اسے اپنی عبادت پر ناز ہوگیا اور اپنی ذات کی بڑائی کا احساس ہوگیا۔ یہی بات کسی شاعر نے یوں کہی۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں

ہزاروں برس گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

پھر جب اللہ کریم نے فرشتوں کو حکم دیا وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (سورہ البقرہ آیت 34) کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اللہ پاک نے اس کو فرشتوں کے ساتھ شامل کر کے حکم دیا اسے علیحدہ کر کے نہیں فرمایا بلکہ فرشتوں کے گروہ میں شامل رکھ کر حکم دیا کہ سب کے سب سجدہ کرو۔ اس حکم عدولی پر اللہ تعالیٰ نے جواب طلبی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ اس نے کہا کہ میں اس سے بہت اچھا ہوں اپنے سے ادنیٰ کو سجدہ کیوں کروں؟ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ (سورہ الاعراف آیت 12) مجھے آپ نے آگ سے بنایا جو بلند اور لطیف ہے اور اسے کیچڑ سے بنایا ہے میں اس سے بہتر ہوں۔ ابلیس کی گمراہی کی وجہ یہ تھی کہ اس کی اَنا آگے آگئی اور وہ بھول گیا کہ سجدہ تو اللہ کا حکم تھا۔ حکم کو بجالانا ہی عبادت الٰہی ہے۔ آدمؑ کو سجدہ کرنے کا معنی تھا اللہ کے حکم پر سر جھکا دینا۔ اللہ کو سجدہ کرنا۔ لیکن جب اَنا آگے آجاتی ہے تو آدمی خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اور عظمت الٰہی آنکھوں سے اوجھل ہونے لگتی ہے۔

انسانوں میں بھی بدنصیب لوگوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ کلمہ طیبہ نصیب ہوتا ہے تو دل کی تار نبی کریم ﷺ سے جڑ جاتی ہے پھر حلال کھاتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں تو وہ تار مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اللہ کی مزید نعمت عطا ہوتی ہے تو ذکر نصیب ہوجاتا ہے۔ سینے منور ہوجاتے ہیں پھر کہیں پہنچ کر جب

یہ خیال آجاتا ہے کہ اب تو میں بھی بہت کچھ ہوں۔ اب لوگوں کو میری اطاعت کرنی چاہیے۔ میرے آگے جھکا جھکا رہنا چاہیے تو وہی حال بن جاتا ہے جو ابلیس کا ہوا تھا۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (سورۃ الاعراف آیت 12) تو میرے خیال میں سب سے بڑا بدنصیب وہ ہے جسے یہ نعمت نصیب ہو اور وہ اسے چھوڑ دے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح شریعت کا مرتد ہوتا ہے اسی طرح طریقت کا مرتد ہوتا ہے۔ مرتد طریقت سے جب یہ نعمت چھنتی ہے تو انوارات دل سے نکل جاتے ہیں۔ جب دل سے یہ برکات نکلتی ہیں تو ساتھ ہی نیکی کو اور ایمان کو بھی لے جاتی ہیں۔ اللہ معاف فرمائے۔

خلاصۂ آیت:

فرمایا عطائے باری تعالیٰ اور برکات نبوی ﷺ کا یہ عالم ہے کہ گمراہیوں میں غرق انسان کو جب یہ خیال آجائے اور وہ خلوصِ دل سے اللہ کو پکارے اور یہ فیصلہ کرلے کہ اب میں نے جو کرنا ہے اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے اور وہ راستہ چن لے جو میرے نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے۔ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ تو اللہ اپنے حکم سے آناً فاناً اسے تاریکیوں سے نور میں لے آتا ہے اور ہدایت کے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کردیتا ہے۔

جب نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ماننا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس بات پر آگئے کہ عیسیٰؑ ہی اس کائنات کے مالک ہیں تو فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰؑ ابن مریم اللہ ہیں۔ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ انہیں کہیے کہ اگر اللہ کریم عیسیٰؑ کو ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کو اور زمین پر موجود سب کو فنا کردے تو کون ہے جو اس قادر مطلق کو روک سکتا ہے؟ اس قادر الکریم کی قدرت ہر شئے پر مسلم ہے۔ عیسیٰؑ تو اللہ کے بندے اس کے رسولؑ ہیں اور حضرت مریمؑ کے بیٹے ہیں۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ آسمانوں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب اللہ جل شانہٗ کی سلطنت و بادشاہی ہے اور اس کی قدرت کو اختیار ہے يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اگر عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا تو اس کی قدرت کے لئے کوئی عجیب بات نہیں جیسا کہ آدمؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا فرمایا۔ وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے جسطرح چاہے پیدا فرمادے۔ اگر عیسیٰؑ کی پیدائش فطرت کے مروجہ نظام سے ہٹ کر ہوئی اور محض قدرت کاملہ سے وجود میں آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ الٰہ ہوگئے یا مالک ہوگئے۔ وہ تو مخلوق ہیں۔ ارض وسماء اور کائنات کی ملکیت وحکومت اللہ کی ہے۔

اس پر اس کا اپنا اقتدار و اختیار ہے جس کو جس طرح چاہے پیدا فرما دے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسا چاہے ویسا کر سکتا ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے لئے ہر چیز آسان ہے۔

خالق تخلیق کرتا ہے اور مخلوق ایجاد کرتی ہے:

اللہ اپنی قدرت کاملہ سے ہر وجود کی تعمیر ہی نہیں اس کے رفتہ رفتہ خاتمے تک کے نظام کو ترتیب دینے اور جاری رکھنے پر پوری دسترس رکھتا ہے۔ ہر انسان میں ایک وسیع نظام آباد ہے۔ سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ ایک وجود میں کھربوں سیل ہوتے ہیں ہر سیل کے اندر اس فرد کی کتاب زندگی درج ہوتی ہے۔ وجود میں آنے والی تمام تبدیلیوں کی تفصیلات اس حد تک محفوظ کر دی گئیں کہ اس کا پہلا بال کس عمر میں سفید ہوگا؟ کس عمر میں اس کا دانت گرے گا؟ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ بڑھاپے کا سبب یہ ہے کہ جو نئے سیل بنتے ہیں وہ پہلے سے کمزور ہوتے ہیں اس لئے جوانی ڈھلنے کے بعد ہر عضو میں کمزوری آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اتنی کثیر الا تعداد مخلوقات کے نظام حیات کو یوں قائم رکھنا کہ ہر عہد میں آنے والی تبدیلیوں پر پوری گرفت رہے یہ وحدہٗ لاشریک رب کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ نہ کسی کا علم اس ذات کا احاطہ کر سکتا ہے نہ کسی کی قدرت۔ خالق صرف وہ ہے۔ تخلیق کرنا صرف خالق کا کام ہے۔ مخلوق صرف اس کی تخلیق کردہ اشیاء سے کام لے کر ایجادات کر سکتی ہے۔ کائنات اللہ نے انسان کے لئے خود مسخر کر دی ہے۔ انسان اللہ کے عطا کردہ علم سے، ذہن سے غور و فکر کر کے، تجربات و مشاہدات کے ذریعے مختلف اندازوں سے اللہ کے تخلیق کردہ اجزاء کو جوڑ کر ایجادات کرتا ہے۔ انسان کا دماغ نہ اپنا تخلیق کردہ ہے، نہ ذہنی استعداد اس نے خود بنائی ہے سب کچھ اللہ نے عطا کیا ہے۔ تمام انسانی ایجادات اپنی انتہائی ترقی یافتہ شکل میں پہنچ کر بھی خالق کی تخلیق کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ گھاس کا ایک تنکہ جو مٹی سے فطری طور پر اُگتا ہے انہی خصوصیات اور اثرات کا حامل تنکا کوئی انسانی ایجاد کردہ مشین نہیں بنا سکتی۔ میاں محمد صاحب نے فرمایا تھا جس کا سلیس ترجمہ یہ ہے کہ اگر کسی مچھر کا پر ٹوٹ جائے تو سارا عالم مل کر انہی خصوصیات کا حامل اور ویسا ہی پر نہیں بنا سکتا۔ قدرت کی تخلیق اور انسانی ایجادات میں حد فاصل ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

نتائج اللہ کے دست قدرت میں ہیں، انسان کے اختیار میں کیا ہے؟

فرمایا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ کائنات کی سلطنت وحکومت اقتدار و اختیار اور نتائج اللہ کے دست قدرت میں ہیں۔ مخلوق کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ انسان کے پاس جو اختیار ہے اس کے دو پہلو

ہیں اور دونوں لازم وملزوم ہیں ۔ایک یہ کہ فطرت کے قوانین کی پاسداری کرے اور جو طریقہ اللہ نے اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے اسکے مطابق کام کرے۔ محنت کرے۔ اپنی فطری صلاحیت کے مطابق اپنے لئے کام تلاش کرے۔ پوری دیانت داری سے اسباب ووسائل کو بروئے کار لائے۔ دوسرا پہلو دعا کرنا ہے۔ دعا اللہ جل شانہٗ سے بات کرنے کا ایک خوبصورت بہانہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کو مخ العبادہ یعنی عبادت کا مغز قرار دیا ہے۔ دعا کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ بندے کو اللہ سے بات کرنے کا شرف نصیب ہو جاتا ہے جو اس کے لئے سکون وطمانیت کا باعث ہوتا ہے۔ خیر اور بھلائی کے راستے کی توفیق عطا ہوتی ہے البتہ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے کہ کس دعا کو وہ قبول کرتا ہے اور کون سی دعا قبول نہیں کرتا۔ وہ چاہے تو کسی گنہگار کی دعا قبول فرمالے اور چاہے تو کسی نیک کی دعا قبول نہ کرے۔ شیطان نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اسے قیامت تک کے لئے مہلت دی جائے اللہ نے اس کے مردود ہونے کے بعد بھی اس کو مہلت عطا کر دی ہے۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ اس ذات بے ہمتا کو کون پابند کرسکتا ہے وہ جو چاہے کرے۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا غرق ہورہا تھا آپؑ نے اس کی جان بخشی کی دعا فرمائی اور قبول نہ ہوئی اللہ کریم نے فرمایا اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ (سورۃ ھود آیت 46) نہیں ہے وہ آپ کے اہل خانہ میں سے۔ یقینی بات ہے کہ اس کے عمل غیر صالح ہیں۔ یہ بدکار ہے۔ آپؑ کی پیروی نہیں کرتا تو اس کا آپ سے کوئی رشتہ نہیں۔ نجات کے لئے محض نسب نہیں ایمان اور عمل صالح لازم ہے۔ اتباع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ضروری ہے۔ اپنے نبیؑ کو یوں فرمادینا احکم الحاکمین کی اپنی مرضی ہے اور یہی بات ایمان کی بنیاد ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نجات کا نسخہ:

جو اس یقین کے ساتھ دنیا سے چلا گیا کہ کائنات کا مالک صرف اللہ ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی نجات یقینی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بشارت دی ہے کہ جو شخص یہ یقین لے کر دنیا سے گیا اس کی ساری خطائیں معاف ہوگئیں اس یقین کے حاصل ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ جب یہ کہے کہ ہر چیز اللہ کے دست قدرت میں ہے تو پھر وہ ان کاموں کے کرنے سے رک جائے جن سے اللہ نے اسے روکا ہے۔ اس یقین کے نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی فرمانبرداری اس لئے چھوڑ دے کہ مخلوق کی اطاعت کرنے میں اسے اپنا بھلا نظر آئے۔

تمام عبادتوں کا حاصل نور یقین کا نصیب ہوجانا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کی عظمت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اسی لئے تمام انبیاءؑ کی دعوت لاالٰہ الا اللہ سے شروع ہوئی۔ ہر نبیؑ کے کلمے کا

پہلا جز و یہی جملہ تھا کہ نہیں ہے کوئی الہٰ سوائے اللہ کے۔ اسلام بھی اسی کلمے سے شروع ہوتا ہے جس میں انکار پہلے ہے اور اقرار بعد میں۔ اسلام یہ ہے کہ پہلے ہر چیز کا انکار کیا جائے۔ زبان سے لے کر نہاں خانہ دل تک یہ خیال جم جائے کہ کوئی ہے ہی نہیں جسے معبود برحق کہا جائے۔ جب لوح دل اس طرح صاف ہو جائے تو پھر اس پر لکھا جائے الا اللہ سوائے اللہ کے۔ اسلام کا کلمہ مکمل ہوتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے اقرار پر لا الہ اللہ محمد رسول اللہ۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔ اور وہ مالک ہے جس مخلوق کو جہاں چاہے رکھے۔

وہ ایسا خالق ہے جو مخلوق کو جیسے چاہے قائم رکھے:

اس کی قدرت کاملہ ہر شئے پر محیط ہے۔ آگ کی خصوصیت جلانا ہے لیکن جہاں ہزار سال آگ مسلسل جلتی رہے وہاں ایک کیڑا پیدا ہو جاتا ہے جسے سمندر کہتے ہیں۔ دنیا میں اس کا وجود آتش کدہ ایران میں پایا گیا جہاں صدیوں آگ کی پرستش کی گئی اور اسلامی فتوحات نے اس آتش کدہ کو سرد کیا۔ دنیا میں آج بھی ایسے علاقے ہیں جہاں کھولتے پانی ہیں لیکن اتنی شدید حرارت کے باوجود ان پانیوں میں مچھلیاں ہیں۔ امریکہ کی موت کی وادی مشہور ہے یہ Death Valley سطح سمندر سے بہت نیچے مغربی ساحل پر ایک شہر کے اطراف میں ہے۔ یہ صحرائی علاقہ ہے۔ اس سے ایک طرف پہاڑوں میں یہ گہری وادی ہے جو سطح سمندر سے بہت نیچے چلی گئی ہے۔ وہاں کے چشموں کا پانی تیز گرم ہے۔ ان پہاڑوں میں سونا بھی ہے اور اتنے گرم پانی میں مچھلیاں زندہ رہتی ہیں۔ اس علاقے میں جہاں اتنی گرمی ہوتی ہے کہ انسان کی کھال جل جائے وہاں چوہے زندہ رہتے ہیں اور سونے کے ٹکڑوں کو لئے پھرتے ہیں۔ سونے کے شوق میں لوگ جان پر کھیل کر وہاں جاتے ہیں اور چوہوں کو ان کا من پسند کھانا دے کر ان سے سونے کے ٹکڑے لیتے رہتے ہیں لیکن یہ جان جوکھوں کا کام ہے تو اللہ ایسا قادر ہے کہ اس نے آگ جو موت کی علامت ہے اس میں بھی حیات پیدا کر دی اور اس کی مخلوق آگ میں زندہ بھی رہتی ہے۔ یہی اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ جہنم میں لوگ زندہ رہیں گے۔ جلتے بھی رہیں گے اور زندہ بھی رہیں گے۔ تو فرمایا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وہ جو چاہے پیدا کرے اس کی قدرت میں کسی کا دخل نہیں۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؗ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾ یہود و نصاریٰ دونوں کو یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے

پیارے بھی ہیں۔ فرمایا میرے حبیب ﷺ ان سے کہیے۔ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ؕ پھر کیوں وہ تم کو عذاب کرتا ہے تمہارے گناہوں کی وجہ سے۔ اگر تم اللہ کے اتنے محبوب ہو تو تم پر اللہ کی طرف سے عذاب کیوں آتے رہے؟ جب تم برائیاں کرتے رہے تو تم پر مختلف عذاب آتے رہے۔ آسمانی عذاب آئے، زمینی عذاب آئے، دوسروں کو تم پر مسلط کیا گیا۔ تمہاری صورتیں مسخ ہو گئیں، بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے تو تم اللہ کے محبوب کیسے ہوئے؟ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ بلکہ تم بھی انسانوں میں سے انسان ہی ہو جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تمہاری تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی تم نے شرک اور برائی کو وطیرہ بنایا وہیں تمہیں قدم قدم پر عذاب الٰہی سے سابقہ پڑا يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وہ اپنی پسند اور مرضی کا خود مالک ہے وہ جس کو چاہے معاف کر دے کوئی اسے روک نہیں سکتا اور جسے چاہے وہ عذاب میں ڈال دے کوئی اس کے دست قدرت سے بچا نہیں سکتا۔ چھوٹی سی بات ہے، پرسش کرے تو ساری عبادات دھری کی دھری رہ جائیں اور بڑی سے بڑی بات معاف کر دے تو وہ قادر ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا اس لئے کہ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق کی بادشاہت اس اکیلے کی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آزری

حقیقی مالک وہی ہے باقی سب کو اللہ نے اختیار عطا کر رکھا ہے۔ مہلت دے رکھی ہے۔ اور عرصہ امتحان سے گزار رہا ہے کسی کی آزمائش اس طرح کرتا ہے کہ اس پر نعمتیں عام کر دیتا ہے سلطنت و ریاست مال و دولت دے کر دیکھتا ہے کہ وہ امیر اور با اختیار ہو کر عظمت الٰہی کا پاس رکھتا ہے یا نہیں۔ اللہ کی عظمت کو مانتا ہے یا خود خدا بن بیٹھتا ہے۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ (سورہ الفجر آیت 15) اور کسی کی آزمائش اس طرح کرتا ہے کہ اس پر تنگی بھیج دیتا ہے وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ (سورہ الفجر آیت 16) اور دیکھتا ہے کہ وہ تنگی میں بھی اللہ کے دروازے پر ہی رہتا ہے یا دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے لگتا ہے تو دنیوی حالات میں امارت و غربت امتحانی پرچے ہیں۔ ہر شخص کمرۂ امتحان میں اپنا اپنا پرچہ کر رہا ہے جس پر وہ اپنے کردار سے لکھ رہا ہے۔ اس پرچے پر وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اپنی مرضی سے لکھ رہا ہے اور یہی اس کے کام آئے گا۔ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ ہر نفس نے واپس اسی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ دنیا کوئی لا حاصل چیز نہیں نہ یہ محض کھیل تماشا ہے۔ کوئی شخص بھی لا حاصل کام نہیں کرتا خواہ

ایک کیل بنائے یا سوئی۔ اس کے بنانے کا بھی کوئی مقصد ہوتا ہے تو جس نے اتنی وسیع کائنات بنائی اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا؟ کیا کوئی نہیں پوچھے گا کہ کس نے غلط کیا اور کس نے صحیح؟ ایسا دن ضرور آئے گا جب ہر کسی کو لوٹ کر اس کی بارگاہ میں محاسبے کے لئے پہنچنا ہوگا۔ وہاں حساب کتاب ہوگا۔ جنت جانے والوں کی لذتوں میں روز افزوں ترقی ہوتی رہے گی اور جہنم کے باسیوں کو ہر نوع کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ اللہ پناہ دے۔ مہربانی فرمائے اپنی توحید پر یقین عطا فرمائے اور نبی کریم ﷺ کے دامن رحمت سے وابستہ رکھے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ٘ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۠ ﴿۱۹﴾ اے اہل کتاب عہد فترت کے بعد تمہارے پاس میرے رسول اللہ ﷺ آچکے جو تمہیں شریعت کے احکام واضح طور پر بیان کرتے ہیں تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ نہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری سنانے والا آیا اور نہ ہی ڈر سنانے والا۔ یقیناً تمہارے پاس بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا میرا رسول ﷺ تشریف لا چکا ہے۔ ہر ایک کی بھلائی اب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے میں ہے اور یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کریم اہل کتاب کو بعثت محمد رسول اللہ ﷺ جیسی نعمت کی قدر کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آخری رسول اللہ ﷺ عہد فترت کے بعد تشریف لائے ہیں۔ ایک زمانہ ساکن ہی گزر گیا پھر اللہ نے اپنی نعمت بصورت محمد رسول اللہ ﷺ عطا فرمادی۔ اب اس نعمت کی قدر شناسی کرو۔ بعثت عالی سے پہلے اللہ کے نبیؑ مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں کے لئے مبعوث ہوتے رہے۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ دریا کے ایک کنارے پر رسولؑ مبعوث ہوئے اور دریا کے دوسرے کنارے پر لوطؑ تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ بھی حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں تھے اور نبیؑ تھے اسی طرح حضرت اسحاق بھی نبیؑ تھے اور یعقوبؑ بھی اللہ کے نبی تھے حضرت عیسیٰؑ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد تقریباً پانچ صدیاں ایسی گزری ہیں جن میں کوئی نیا نبیؑ نہیں آیا۔ اس زمانے کو عہد فترت کہتے ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان فرمائے کہ آپ ﷺ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں تا کہ دنیا میں اچھے کاموں کی بشارت دیں اور برائی کے انجام سے متنبہ فرمادیں اور لوگ دنیا میں ہی سنبھل جائیں اور سیدھے راستے پر چل سکیں۔

اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے جب چاہا پے در پے انبیاءؑ بھیجتا رہا اور جب چاہا عہد فترت رکھا اور آخر میں نبی کریم ﷺ کی بعثت عالی کے ساتھ اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔

سورہ المائدہ رکوع 4 آیات 20 تا 26

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ
جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ
أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ٢٠ يَٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي
كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ٢١
قَالُوا يَٰمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ
يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ٢٢ قَالَ رَجُلَانِ
مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ
فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم
مُّؤْمِنِينَ ٢٣ قَالُوا يَٰمُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا
فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ٢٤ قَالَ رَبِّ
إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ
الْفَاسِقِينَ ٢٥ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ
فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ٢٦

اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان

والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔ ﴿۲۰﴾ اے میری قوم اس متبرک ملک میں داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا اور پیچھے واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ ﴿۲۱﴾ کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں۔ ﴿۲۳﴾ ان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا کہا کہ تم ان پر دروازہ تک تو چلو سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آجاؤ گے اور اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو ﴿۲۴﴾ کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ ہم تو ہرگز کبھی بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں تو آپ اور آپ کے اللہ تعالیٰ چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں ﴿۲۵﴾ موسیٰؑ دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار میں اپنی جان اور اپنے بھائی پر البتہ اختیار رکھتا ہوں سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ ارشاد ہوا کہ یہ ملک تو ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا، یونہی زمین میں سرمارتے پھرتے رہیں گے۔ سو آپ اس بے حکم قوم پر غم نہ کیجیے۔ ﴿۲۶﴾

خلاصہ ومعارف

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا اور انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں تو فرمایا اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ نور ایمان دے، توفیق عمل دے، اپنا قرب عطا کرے، اور اپنی رضا عطا کرے۔ انسان کے مزاج میں ایک عجیب بات ہے کہ وہ ساٹھ ستر برس اللہ کی نعمتیں استعمال کرتا رہتا ہے انہیں شمار نہیں کرتا لیکن اس دوران جو تکلیف اس پر گزرتی رہی اسے وہ گن گن کر رکھتا ہے۔ نعمتوں کو معمول کی باتیں سمجھتا ہے اور عمر بھر چند دکھوں کا رونا روتا رہتا ہے۔ اللہ کے نبیؑ اپنے وقت

کے بہترین انسان ہوتے ہیں اور امت کو بہترین طریقے سے اللہ کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ موسیٰؑ نے بھی بہترین انداز اختیار فرمایا اور اُمت کی توجہ اللہ کی ان نعمتوں کی طرف مبذول فرمائی تو پہلی بات یہ فرمائی اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ کہ تم میں سے انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے جو بارہ قبائل بنے اور بنی اسرائیل کہلائے۔ یہ لاکھوں کی تعداد میں ہوئے انہیں حکومتیں بھی عطا ہوئیں اور اپنے رویے کے باعث ادبار و مصائب زمانہ سے بھی دوچار رہے جو آج تک چلے آرہے ہیں۔ بنواسرائیل کو یاد دلایا جارہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک نبوت ہمیشہ بنواسرائیل میں ہی رہی۔ تمام انبیاءؑ ان ہی میں سے آئے سوائے حضور اکرم ﷺ کے۔ آپ ﷺ بنو اسمٰعیل میں سے آئے جو آخری نبیؐ اور امام الانبیاءؑ ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی ہے وہ اپنی نعمتوں کو خود تقسیم فرماتا ہے جسے جو دے وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور احسان مند رہے۔ دنیا کی نعمتیں بھی اسی کی عطا ہیں لیکن اُخروی نعمتوں کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں اسی لئے دنیا کی نعمتیں اللہ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی دے دیتا ہے۔ اطاعت گزاروں کو دیتا ہے تو نافرمانوں پر بند نہیں کرتا لیکن اُخروی نعمتیں صرف اپنے دوستوں کو دیتا ہے۔ دشمنوں کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتا۔

قرآن حکیم کا موضوع تاریخ نہیں ہدایت ربانی ہے:

گزشتہ قوموں کے قصے بیان کرنا قرآن کا موضوع نہیں ہے۔ قرآن حکیم کا مقصد انسانیت کی رہنمائی ہے۔ اس آیۃ مبارکہ میں یہی رہنمائی فرمائی جارہی ہے کہ اللہ کی اتنی نعمتیں ہیں جو ہر فرد و بشر استعمال کر رہا ہے اور نہایت تسلسل سے پوری کائنات اس کی خدمت پر کمربستہ ہے۔ انسانی وجود میں ان گنت کمالات رکھے جن کو استعمال کر کے وہ لامتناہی ایجادات کرتا چلا جائے گا۔ جوں جوں صلاحیتیں استعمال ہوتی جائیں گی حیرت ناک ایجادات بھی ظہور پذیر ہوتی چلی جائیں گی اور یہ سب کچھ وحدہٗ لاشریک قادرِ مطلق کے اپنے جاری کردہ نظام کے تحت ہوتا رہے گا لہٰذا ان نعمتوں کی قدر کی جائے اور اس کے احسانات کو یاد رکھا جائے۔ احسانات کا اندازہ کر کے بھی بندے نے اللہ پاک کو تو کچھ بھی نہیں دینا ہوتا۔ اللہ تو کسی کا محتاج نہیں اور انسان اللہ کا محتاج ہے تو اللہ کے احسانات کو شمار کرنے سے ایک احساسِ تشکر پیدا ہوتا ہے۔

احساسِ تشکر کیا ہے؟

انسان کو صرف یہ مان کر دینا ہے کہ رب کریم کے اس پر اتنے احسانات ہیں کہ وہ کبھی بھی ان کا شکر

ادا نہیں کرسکتا۔ اس بات کا یقین حاصل کرلینا کہ بندہ ہر وقت محتاج ہے اور وہ غنی و کریم ہے۔ ساری دنیا اور ساری مخلوق اس کی عظمت کا انکار کردے تو اس کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور ہر فرد اعلیٰ ترین درجے کا ولی اللہ ہو جائے تو اس کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

احساس تشکر کا نتیجہ:

جب یہ احساس ہو جاتا ہے تو کم از کم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے بندے کو حیا آنے لگ جاتی ہے۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کس ذات کریم کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اسی احساس کے نتیجے میں وہ معافی مانگتا ہے بارگاہ الٰہی میں گڑگڑاتا ہے اور دوبارہ نافرمانی کے راستے کی طرف نہیں جاتا۔ اس احساس تشکر کو بیدار کرنے کے لئے موسیٰؑ نے قوم سے فرمایا، اے بنی اسرائیل اللہ نے تمہیں اس عظمت سے نوازا ہے کہ سارے نبیؑ اور رسولؑ بنی اسرائیل میں پیدا فرمائے **وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا** اور اکثر انبیاءؑ بنی اسرائیل کو نبوت کے ساتھ سلطنت و حکومت بھی عطا فرمائی۔

دولت و اقتدار انعام الٰہی ہے:

بیشتر عرصہ سلطنت، تمہاری قوم کے پاس رہی یعنی خود نبیؑ بھی حاکم ہوئے اور بعض حاکم انبیاءؑ کے مطیع اور فرمانبردار ہو کر کار سلطنت انجام دیتے رہے تو اللہ کا احسان یاد رکھو جس نے تمہیں ریاست و سلطنت دی اور نبیؑ کے اتباع کی توفیق بھی دی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دولت و اقتدار کا ہونا انعام الٰہی ہے یہ بُری بات نہیں ہے۔ یہ اس وقت بُری ہو جاتی ہے جب اس کا حصول غلط طریقے سے ہو یا اس کا مصرف غلط ہو۔ فی نفسہ دولت و حکومت بُری چیز نہیں ہے یہ اللہ کا انعام ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نبیؑ بھی تھے اور بادشاہ بھی تو موسیٰؑ نے اللہ کی دونوں نعمتوں کو شمار کیا۔

اللہ کی نعمتیں استعمال کرنے کے لئے ہیں لیکن ان کا غلط استعمال بُرے نتائج پیدا کرتا ہے مثلاً جدید رائفل یا اسلحہ ایک محافظ کے پاس بھی ہے اور ایک ڈاکو کے پاس بھی۔ یہ اسلحہ جب کسی کی جان، مال یا آبرو کی حفاظت کے لئے استعمال ہو تو کار ثواب ہے اور غلط مقاصد کے لئے استعمال ہو تو گناہ عظیم ہے۔ اسلحہ فی نفسہ جائز یا ناجائز نہیں ہے اس کا استعمال اس کی اچھائی یا برائی کا گواہ ہوگا۔ اسی طرح حکمرانی اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اگر حکمران اقتدار و اختیار کو اللہ کی امانت سمجھ کر لوگوں کے ساتھ انصاف کریں۔ ان کے حقوق کا تحفظ کریں تو کروڑوں گنا اجر کے مستحق ہوں گے اور اگر نہیں کریں گے تو کروڑوں لوگوں کے حقوق تلف کرنے

کے جرم میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

نعمتوں کے حصول کے لئے بندہ خود مکلّف ہے:

انسان زندگی کے سارے امور میں انتخاب کرنے اور فیصلہ کرنے کا خود مکلّف ہے۔ دین میں اس کے لئے واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر درست فیصلہ کرنے کی توفیق مانگنا دعا ہے۔ اولاد کے لئے جوڑے تلاش کرنا، شریعت کی ہدایات کے مطابق فیصلہ کرنا یہ شرعی فریضہ ہے لیکن عیسائیوں سے مستعار لے کر ہم نے بھی یہ یقین کرنا شروع کر دیا ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ جوڑے آسمانوں پر نہیں بنتے۔ انسانوں کو بنانے پڑتے ہیں اور انسان اس کام کے مکلّف ہیں۔ اپنی طرف سے بھی اور بچوں کی طرف سے بھی دونوں طرح ذمہ داری والدین کی ہے کہ کیا اولاد کی نیک تربیت کا اہتمام کیا تھا؟ کیا ان کے لئے بہتر جوڑا تلاش کیا تھا؟ اگر نیک تربیت کی تھی تو پھر والدین بری الذمہ ہیں اور اگر اولاد کو آوارگی میں ڈال دیا تھا تو پھر والدین بھی ساتھ بھگتیں گے۔ دین تعلق بنانے سے لے کر تعلق نبھانے تک کے سارے امور میں رہنمائی کرتا ہے۔ اگر جوڑے آسمانوں پر بنتے تھے تو یہاں نکاح کی شرائط کیوں رکھی گئیں؟ بچی سے اجازت لینے اور بچے کے قبول کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ گواہوں کی کیا ضرورت ہے؟ عیسائیوں میں تو نکاح کے تعلق کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ بنے بنائے جوڑے ہیں جس کے ساتھ رہ لیا وہی جوڑا بن گیا۔ دین میں تو ہدایات موجود ہیں۔ عقلاً پرکھنا ضروری ہے۔ حقائق کو دیکھنا لازم ہے کہ جو جوڑ تلاش کیا جا رہا ہے اس کا اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ دین کے احکام کی کتنی پاسداری کرتا ہے؟ حلال و حرام کی تمیز رکھتا ہے؟ پھر دوسرے درجے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ روزگار کیسا ہے؟ کیا اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے؟ اگر دونوں باتوں میں بھلائی نظر آئے تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ احساس تشکر اللہ کی نعمتوں اور عطا کردہ صلاحیتوں کو اللہ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور جب دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو گناہ سے بچنے کی توفیق ہو جاتی ہے بندہ اللہ کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے۔ بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اطاعت پر کاربند ہو جاتا ہے۔

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا وہ انعام کہ اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو اقوام عالم کو پہلے نہ دیا تھا یعنی تم میں نبیؑ بھی پیدا کئے اور حکومت و سلطنت بھی صدیوں تمہارے پاس رہنے دی لہٰذا تمہیں اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

یٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَۃَ الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۲۱﴾ موسیٰؑ نے قوم سے فرمایا کہ زمین مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ جس کا فتح ہونا تمہارے لئے مقدر کیا جا چکا ہے اور اُلٹے قدموں نہ پھرو ورنہ تم نقصان اُٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ یہ مقدس شہر ہے برکات کا امین ہے یہیں تمہارا قبلہ ہے۔ اس میں داخل ہو جاؤ اللہ اسے تمہارے ہاتھ پر فتح کر دے گا لیکن اس میں داخل ہونا شرط ہے۔

ہر کام حکم الٰہی سے اور انسانوں کے کرنے سے ہوتا ہے:

اللہ کے نظام میں ہر کام کا وقت مقرر ہے لیکن اس کا فیصلہ انسان کی پسند پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نظام کے رائج کردہ قانون کے مطابق کرتا ہے یا بے ہمتی دکھا کر سب کچھ اللہ کے ذمے ڈال دیتا ہے۔ جیسے کھیتی کو نشو نما دینا تو اللہ کا کام ہے لیکن کھیتی تیار کرنا، بیج ڈالنا، اس کی حفاظت کرنا بندے کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ قادر ہے وہی میری کھیتی اُگا دے، مجھ سے تو کاشت کاری کرنے کی مشقت نہیں ہوتی مجھ سے تو ہل نہیں چلتا، فصل کاٹی نہیں جاتی اور غلہ بھوسے سے علیحدہ نہیں کیا جاتا اللہ خود ہی کر دے تو یہ کتنی بڑی گستاخی ہوگی۔ اللہ کے قانون اس کے اصولوں اور ضابطوں کے خلاف تمنا کرنا، توقع رکھنا یا دعا کرنا بہت بڑی حماقت ہے جس کا نتیجہ ناکامی ہے۔ اسی اصول کے تحت حکم الٰہی ہوا کہ اے بنی اسرائیل تم پر اللہ نے بہت بڑے احسان فرمائے تم میں موسیٰؑ اور ہارونؑ جیسے نبیؑ بھیجے۔ تمہیں فرعون اور قبطیوں سے نجات دلائی۔ تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لاؤ لشکر سمیت غرق کر دیا۔ تم نے اللہ کے احکامات کی ناسپاسی کی اور بچھڑے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ اس کی پوجا کی۔ موسیٰؑ کی دعا سے تمہاری توبہ قبول ہوئی تو ان احسانات کو مدنظر رکھو۔ اللہ کی محبت میں جہاد کرو۔ اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ یہ شہر تمہارے لئے فتح ہونا مقدر کر دیا گیا ہے۔ اور دیکھو اللہ کی نافرمانی کر کے اس کام سے انکار نہ کرو۔ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِکُمۡ واپس نہ چلو۔ مرتد نہ بنو۔ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۲۱﴾ اگر اللہ کی نافرمانی کرو گے تو ابھی تک جو نعمتیں تم پر مسلسل آ رہی ہیں ان کے بجائے عذاب آنے شروع ہو جائیں گے اور تم خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

علمائے تفسیر کے مطابق یہ عراق کا مرکزی شہر تھا۔ اس کی فتح سے سارے ملک کی فتح مراد تھی۔ اس وقت کے شام میں فلسطین کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو پیشگی بشارت دی تھی کہ یہ شہر انہیں عطا کر دیا گیا ہے شرط یہ ہے کہ وہ اللہ اکبر کہہ کر شہر میں داخل ہو جائیں۔ اللہ کے دو نبیؑ ہمراہ تھے اور کامیابی کی

ضمانت دے رہے تھے۔ان لوگوں کے ذمے صرف اطاعت رہ گئی تھی لیکن بنی اسرائیل عجیب قوم تھی اور موسیٰؑ کا ہی حوصلہ تھا۔اللہ کے نبیؑ کی ہمت اور حوصلہ بھی خداداد ہوتا ہے اور اس میں وہ اپنی امت میں ممتاز ہوتے ہیں۔قوم جواباً موسیٰؑ سے کہنے لگی قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ موسیٰؑ ہم سنتے ہیں کہ اس شہر میں جولوگ بستے ہیں وہ بہت جابر اور جنگجو ہیں۔یہ تو بھاگنے والے نہیں بلکہ مضبوط ڈیل ڈول کے اور مقابلہ کرنے والے لوگ ہیں۔ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا اگر اللہ نے اس شہر کو ہمارے مقدر میں کر دیا ہے تو پھر اللہ پہلے انہیں نکال دے۔شہر خالی کرا دے پھر ہم داخل ہوں گے۔ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وہ شہر خالی کر دیں تو ہم شہر میں داخل ہو جائیں گے ورنہ ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے۔یہ وہ انداز ہے جس سے قرآن حکیم نے منع فرمادیا ہے یہ صرف کم ہمتی نہیں۔یہ بہت بڑی گستاخی ہے۔اسلئے کہ یہ رویہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر اعتبار نہ کرنے کا ہے جو ایمان کے منافی ہے۔اللہ کا حکم تھا کہ شہر میں داخل ہو جاؤ لیکن وہ اللہ کی پیشگی بشارت کے باوجود قوم عمالقہ کے محض ڈیل ڈول رکھنے والے افراد سے ڈر گئے اور اللہ پر بھروسہ نہ کیا۔نبیؑ کے فرمان میں شک کیا تو پھر ایمان کہاں رہا۔

ایمان تو یقین کا نام ہے:

ایمان تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر اعتبار کرنے کا نام ہے اور جو نبیؑ کے ارشادات پر یقین کر لیتا ہے اس کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے کہ اللہ کی اطاعت کا نام ہی دین ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا مومن جو رزق حلال کماتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کو کھلاتا ہے اس پر بھی اسے اجر عطا ہوتا ہے عرض کی گئی کہ بیوی بچوں کا خرچ پورا کرنا تو مرد کی ذمہ داری ہے۔ذمہ داری پر ثواب؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری پوری کرنا عبادت ہے۔ہر عبادت پر اجر ملتا ہے جبکہ کافر کی ہر عبادت کا مقصد حصول دنیا ہوتا ہے وہ ہر رسم دنیا کے کاموں کے پورا کرنے کے لئے ادا کرتا ہے جسے وہ عبادت کہتا ہے۔یہی حال مشائخ کے ساتھ تعلق بنانے میں بھی ہوتا ہے۔کچھ لوگ دنیوی فوائد کے لئے،کاروبار کے لئے،دعاؤں کے لئے اور گھریلو مسائل کے حل کے لئے تعلق بناتے ہیں حالانکہ زندگی بسر کرنے کے لئے قرآن وسنت میں ہدایات موجود ہیں۔صحت و بیماری،اولاد و رزق ویسے ہی اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے مشائخ کے پاس جو حصول اخلاص کے لئے آئے اسے یقین کی دولت اللہ کریم عطا کر دیتے ہیں۔ذکر اذکار،مراقبات اور ترقی منازل کا حاصل یہ ہے کہ نیت میں خلوص آجائے،کردار میں اتباع سنت آجائے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی اپنے منازل

کے بارے میں پوچھ لیتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج اور تھا۔ میرا مزاج اچھا نہیں ہے میں جھڑک دیتا ہوں۔

محبت وخشوع' خوف الٰہی کا انعام استقامت:

میں کہتا ہوں کہ جس نے منازل دیکھنے ہوں تو اپنا خلوص اور کردار دیکھو۔ دوسروں سے مت پوچھو۔ کسی دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا بتاؤ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟ اس نے کہا اپنے دل سے پوچھو۔ جس قدر تمہارا دل بتائے اتنی ہے۔ جتنی ترقی درجات ہوگی اسی قدر خشوع قلب اور خضوع ظاہری نصیب ہوگا۔ کسی نے اپنے مراقبات دیکھنے ہوں تو اپنے دل میں جھانکے۔ صلوٰۃ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہوئے کتنا حضورحق حاصل رہا؟ کیا رٹے رٹائے الفاظ ادا ہوئے یا واقعی اللہ کے سامنے کھڑا ہوا؟ کیا وہ احساس زندہ رہا جس کے بارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان تعبداللہ کانك تراہٗ اللہ کی عبادت اس طرح کرگویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ فان لم تکن تراہ فانہٗ یراك اگر یہ کیفیت نہ پا سکو تو اتنا یقین رکھو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں اللہ کے روبرو ہوں۔ یہ کیفیت یقین حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے جس کے بارے میں اللہ پاک فرماتے ہیں۔ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآىِٕفِيْنَ ۬ (سورہ البقرہ آیت 114) مسجد میں داخل ہوں تو روئیں روئیں سے عظمت الٰہی کا اظہار ہوتا ہو۔ ہیبتِ الٰہی وجود پر طاری ہو۔

حضرت زین العابدینؒ ادائیگی صلوٰۃ میں مصروف تھے کہ مسجد کے ایک کونے میں آگ لگ گئی۔ شور اٹھا۔ لوگ پانی لائے۔ آگ بجھائی۔ جب آپ صلوٰۃ سے فارغ ہوئے تو مسجد میں ہجوم کو مصروف کار دیکھا تو پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ یعنی وہ اپنی صلوٰۃ میں اس طرح مشغول تھے کہ انہیں کسی شوروغل کو آواز سنائی نہ دی۔ خشوع خلوص نیت اور خلوص عمل کا مظہر ہے۔

یقین کی دولت ہی خشوع وخضوع نصیب کرتی ہے اور جس کے دل میں اللہ اور اللہ کے نبیؐ کے ساتھ خلوص ہو وہ صراط مستقیم پر قائم رہتا ہے۔ حالات میں لاکھوں تبدیلیاں آئیں اللہ اسے ثابت قدم رکھتا ہے۔ استقامت کے لئے قوت دے دیتا ہے۔ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ وہ دو اشخاص جنہیں اللہ نے استقامت عطا فرمائی تھی جو اللہ کی عظمت سے لرزاں وترساں تھے جن کی وجہ سے ان پر اللہ کا انعام تھا کہ انہیں استقامت نصیب ہوئی وہ کہنے لگے کہ داخل ہو جاؤ شہر کے دروازے سے۔ جب تم داخل

ہو جاؤ گے تو یہ تمہاری فتح ہو گی۔ وہ لوگ شہر چھوڑ جائیں گے۔ جب یہ بات اللہ نے فرمادی ہے۔ نبیؑ نے اللہ کا پیغام سنادیا ہے تو پھر اور کیا چاہتے ہو؟

اللہ کے وہ دو بندے جن پر اللہ کا انعام تھا کہ انہیں استقامت نصیب تھی وہ انہی کا حصہ تھے۔ اور ان بارہ سرداروں میں سے تھے جنہیں اس شہر کے بارے معلومات لینے کے لئے بھیجا گیا تھا جو فتح کرنا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ قوم عمالقہ کے کچھ لوگ تھے جو بڑے ڈیل ڈول اور قد وقامت میں طاقت ور نظر آتے تھے۔ یہ آگے بڑھے تو اس قوم کا ایک فرد ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا اور اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے وزیروں سے مشورہ کیا۔ ایک رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ دوسری رائے یہ تھی کہ یہ تو ہم سے خوفزدہ ہو گئے ہیں لہٰذا یہ واپس جا کر ہماری قوت سے دوسروں کو بھی خوفزدہ کریں گے اور ہمارے ساتھ جنگ کا پھر سوچ بھی نہ سکیں گے۔ انہیں چھوڑ دیا گیا۔ ڈرے سہمے، سراسیمگی کے عالم میں حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے اور حالات بیان کیے۔ موسیٰؑ نے انہیں منع فرمادیا کہ یہ حالات بنی اسرائیل کو نہ بتائے جائیں۔ سوائے دو کے باقی سب نے یہ بات اپنے اپنے دوستوں کو بتادی یوں یہ بات پوری قوم میں عام ہو گئی اور بنی اسرائیل نے اپنی روایتی بزدلی کے باعث جہاد سے اعلانیہ پہلو تہی کی۔ اس پر ان دو بندوں نے اپنی قوم کو سمجھایا۔ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ کہ اللہ پر بھروسہ کرو۔ اس شہر کے لوگ قد کاٹھ میں بڑے طاقتور نظر آتے ہیں اندر سے کھوکھلے ہیں۔ انہوں نے اگرچہ ہمیں گرفتار کر لیا تھا لیکن اس لئے چھوڑ دیا کہ ہم واپس آ کر تمہارے اندر بددلی پیدا کریں تاکہ حملہ کرنے سے باز رہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے حملے سے ڈرے ہوئے ہیں اس لئے اگر تم داخل ہو جاؤ گے تو وہ پچھلے دروازے سے بھاگ جائیں گے۔ جب تم داخل ہو گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ کریم نے کہہ دیا ہے کہ یہ شہر تمہارے لئے ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ جس ایمان کا تم دعویٰ کرتے ہو اگر اس میں سچے ہو تو اللہ پر بھروسہ بھی کرو۔ جب اللہ نے حکم دے دیا ہے تو پھر نتائج سے بے پرواہ ہو کر حکم کی بجا آوری کا اہتمام کرو۔ نتائج اس کے دست قدرت میں ہیں۔ اس نے تمہیں پیشگی اطلاع دے دی ہے کہ تم ہی غالب رہو گے لیکن ان نیک بندوں کا سمجھانا بھی کام نہ آیا۔ موسیٰؑ سے کہنے لگے قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا ہم تو کبھی بھی اس شہر میں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں مقیم ہیں۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ آپ جائیں اور اپنے رب کو ساتھ لے جائیں اور آپ دونوں جہاد کریں۔ ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں اور ہم یہاں سے ہلنے والے نہیں۔ جب آپ وہ شہر فتح کر لیں اور اسے خالی کروا لیں تو پھر ہم آ جائیں گے۔ موسیٰؑ بہت دل گرفتہ ہوئے اور دعا کی

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ یا اللہ! میرا اختیار میری اپنی جان پر ہے یا میرے بھائی پر جو میرے ساتھ ہے لیکن یہ قوم تیرے اتنے احسانات کے باوجود میری بات پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ یا اللہ ہم میں اور اس قوم میں تفریق کردے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے اور تیری جو حکم عدولی کی ہے اس کا فیصلہ تو اپنی بارگاہ سے فرمادے۔

اللہ کے فیصلے بھی نرالے ہوتے ہیں جب انہوں نے جہاد کی بجائے بیٹھ رہنے کو ترجیح دی جب انہوں نے کہا کہ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اس سے آگے تو ہم نہیں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ اب ان پر اس شہر میں داخلہ حرام کردیا گیا ہے یہ چالیس برس تک یہیں گھومتے رہیں گے کہیں نہیں جاسکتے۔ آپ اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کیجئے۔ عموماً تیس برس میں ایک نسل گزر جاتی ہے۔ اللہ نے ان پر چالیس برس مقرر کردیئے کہ یہ نسل اسی نظر بندی کی حالت میں ختم ہو جائے کہ نہ ملک شام کو جاسکیں نہ پیچھے واپس مصر کو جاسکیں۔ چالیس سال بعد ان کی آنے والی نسل اس سزا سے بچ سکے۔ اس وادی کا نام ہی تیہ پڑ گیا۔ وادی کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ تیس فرسق لمبی اور نو فرسق چوڑی تھی۔ قریباً نوے میل لمبی اور ستائیس میل چوڑی وادی تھی جس میں چالیس برس گھومتے رہے۔ سارا دن سفر کرتے ساری رات سفر کرتے صبح دیکھتے تو وہیں بیٹھے ہوتے جہاں سے چلے تھے۔ ہفتہ ہفتہ سفر کرتے اور پھر وہیں پہنچ جاتے جہاں سے چلے تھے۔ اللہ نے نبیوں کے طفیل ان پر اللہ کی اتنی مہربانی تھی کہ اس سارے عرصے میں انہیں دنیاوی مشکلات سے بچائے رکھا۔ دھوپ ہوتی تو ان پر بادل کا سایہ کردیا جاتا۔ کھانے کے لئے آسمان سے من وسلویٰ اتارا گیا۔ پیاس کی تسکین کے لئے موسیٰ ؑ کو ایک پتھر عطا ہوا۔ اللہ نے حکم فرمایا کہ اس پتھر پر عصا ماریں۔ عصا مارا تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔ پھر جب بھی انہیں پانی کی ضرورت ہوتی تو اس پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے۔ جب ضرورت پوری ہو جاتی تو وہ خشک ہو جاتا۔ اس طرح جہاں جاتے وہ پتھر اپنے ساتھ لے جاتے۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ بچے عمر میں بڑے ہو جاتے لیکن لباس تبدیل کرنے کی ضرورت نہ پڑتی نہ تو لباس میلا ہوتا نہ چھوٹا ہوتا۔ بچے کے ساتھ ساتھ لباس بھی بڑھا ہوتا جاتا۔ یہ سب نعمتیں حضرت موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کے ان کے درمیان موجود ہونے کے باعث انہیں عطا ہوئیں۔ اسی عرصے میں موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ کا وصال ہوگیا۔ انؑ کے بعد یوشعؑ بن نون کو اللہ نے مبعوث فرمادیا اور وہ اس دوران بھی نبوت جیسی نعمت سے بھی خالی نہ رہے۔ چالیس برس کی سرگردانی کے بعد جو نسل آئی اس نے یوشعؑ بن نون کی سرکردگی میں جہاد کیا۔ وہ شہر بھی فتح کیا اور ملک شام بھی ان کے زیرنگین آ گیا۔

سورہ المائدہ رکوع 5 آیات 27 تا 34

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ
اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا
يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ
مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ
قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا
يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ
يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ
اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ
اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي
الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ
اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۟ ثُمَّ
اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا
جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا
وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ
اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

اور آپ ان اہل کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے جب کہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی تو مقبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی وہ دوسرا کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا اس ایک نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔ ﴿۲۷﴾ اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لیے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لیے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔ ﴿۲۸﴾ میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جا اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔ ﴿۲۹﴾ سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے بڑے نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہوگیا۔ ﴿۳۰﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کو کھودتا تھا تا کہ اس کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپادے کہنے لگا کہ افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو بڑا شرمندہ ہوا ﴿۳۱﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بغیر کسی جان کے بدلے کے یا بغیر زمین میں فساد روکنے کے قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جو شخص کسی شخص کو بچالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضح لے کر آئے پھر

اس کے بعد بھی بہتیرے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے۔

﴿۳۲﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں۔ یہ ان کے لیے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذابِ عظیم ہو گا۔ ﴿۳۳﴾ ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے مہربانی فرما دیں گے۔ ﴿۳۴﴾

خلاصہ ومعارف

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا واقعہ صحیح صحیح بیان کر دیجئے۔ آپ ﷺ اصدق الصادقین ہیں۔ اس آیت میں صحیح صحیح فرمانے سے مراد یہ ہے کہ امت کے لئے اس میں تاکید ہے کہ حق بیان کرتے ہوئے احتیاط کو لازم رکھو۔

ہابیل اور قابیل کا واقعہ اور حاصل واقعہ:

قصہ یوں ہے کہ حضرت آدمؑ اور اماں حوّاؑ جب دنیا میں اکٹھے ہوئے۔ ان کی اولاد ہونا شروع ہوئی تو ان کے ہاں ہر مرتبہ توام یعنی جڑواں بچے پیدا ہوتے ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ چونکہ اولاد آدمؑ کے علاوہ تو کوئی فردِ انسانیت نہیں تھا تو جو بچے جڑواں پیدا ہوتے وہ سگے بہن بھائی کے حکم میں شمار ہوتے اور دوسرے جڑواں بہن بھائیوں سے پہلے توام بچوں کی شادی جائز ہوتی۔ ہابیل اور قابیل جب بڑے ہوئے تو قابیل نے کہا میرے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی ہے وہ خوبصورت ہے اور ہابیل کے ساتھ جو پیدا ہوئی ہے وہ خوبصورت نہیں ہے لہٰذا میں اپنی جڑواں بہن سے شادی کروں گا۔ اس پر حضرت آدمؑ نے فرمایا یہ بات شرعاً جائز نہیں۔ اس نے جھگڑا کیا اور اللہ کے نبیؑ کی اطاعت سے نکل کر اپنے نفس کی غلامی میں چلا گیا۔ حضرت آدمؑ نے اس مسئلے کو حل فرمانے کے لئے دونوں کو اللہ کے لئے قربانی کا حکم دیا اور فرمایا جس کی قربانی اللہ قبول فرمائیں گے آسمان سے آگ آکر اسے کھا جائے گی۔ جو قربانی ردّ ہو جائے گی وہ پڑی رہ جائے گی چنانچہ ھابیل اور قابیل

دونوں نے اللہ کی بارگاہ میں قربانی دے دی۔ فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ اللہ نے ایک کی قربانی قبول کر لی یعنی ھابیل کی کہ وہ حق پر تھا اور دوسرے کی قربانی قبول نہ کی یعنی قابیل کی۔ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ وہ کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کردوں گا قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ ھابیل نے کہا اللہ کے حضور جو بات قبول ہوتی ہے وہ ان لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو اللہ کے لئے خلوص سے اس کی اطاعت میں کرتے ہیں اور خالص اللہ کی رضا ہی ان کا مقصد ہوتا ہے۔ میں نے جو قربانی پیش کی وہ اللہ کی رضا کے لئے پیش کی اور وہ قبول ہوگئی۔تم نے جو پیش کیا اس کے پیچھے نیت ایک عورت سے شادی کرنے کی تھی۔تم نے اللہ کی رضا کے لیے پیش نہیں کی۔تمہارے دل میں اللہ کی چاہت نہیں تھی۔ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ تونے میرے قتل کا فیصلہ کرلیا ہے اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہے لیکن میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں تیری طرف ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کہ قتل ناحق تو اللہ کو ناراض کرنے کا سبب ہے اور میں اللہ کی رضا کو چھوڑ کر خون ناحق اپنے سر کیوں لوں؟ تو اگر ایسا کرنا چاہتا ہے تو تجھے اللہ کے حضور جواب دینا پڑے گا۔ مجھے تو اللہ سے حیا آتی ہے۔ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ میں ڈرتا ہوں۔ مجھے اس کی عظمت کا احساس ہے۔ مجھے یہ ڈر آتا ہے کہ وہ اتنا عظیم مالک ہے کہ ہر فرد کا خالق، مالک ورازق وہی ہے۔ اس کی بارگاہ میں گستاخی کوئی معمولی بات نہیں۔ میں ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ ھابیل نے کہا اگر تو مجھے قتل کردے گا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے خطا دانستگی یا نادانستگی میں ہوگئی ہے۔اس کی جو سزا میرے ذمے ہے وہ تیرے اس گناہ کے سبب اللہ تجھ پر ڈال دے گا اور تجھے دوزخ جانا پڑے گا کہ ظالم کی یہی سزا ہے۔غلط کاروں کو یہی نتیجہ نصیب ہوتا ہے۔

دیکھا جائے تو دنیا میں ہر ظالم کا یہی رویہ ہوتا ہے۔غلط کام کرتا رہتا ہے اور پرواہ نہیں کرتا لیکن جب انجام سامنے آتا ہے تو پھر بڑے بڑے متکبرین کا تکبر ہوا ہوجاتا ہے۔فرعون نے بھی موت کو سامنے دیکھ کر کہا تھا کہ میں ایمان لاتا ہوں۔موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ربّ پر اللہ پاک نے فرمایا اب وقت گزر چکا اب برزخ تیرے سامنے کھل چکا ہے ایمان تو میرے نبیؑ پر اعتبار کر کے غیب پر ایمان لانے کا نام تھا۔اس وقت تو اکڑتا رہا اور موسیٰؑ کے خلاف ڈٹا رہا۔

ہمارے ہاں بھی ایک جملہ زبان زدِ عام ہے کہ کس نے آخرت دیکھی ہے؟ کون مڑ کر آیا ہے بتانے کے لئے مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ یہ بظاہر معمولی سا جملہ ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک کفریہ جملہ ہے اور کہنے

والا ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کریم نے اپنی کتاب میں سب کچھ سمجھا دیا۔ ساری بات بتا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک بات کی وضاحت فرمادی۔ اس پر یقین نہیں ہے جو یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کوئی واپس کیوں نہیں آیا؟ مشرکین نے بھی یہی کہا کہ یہ نبیؐ ہمیں یہ کہتا ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ مردے زندہ ہو جائیں گے لیکن ہمارے آباؤ اجداد کیوں زندہ ہو کر اس نبی کی تصدیق نہیں کرتے؟ آج بھی جو لوگ حرام کھانے سے، بری محفلوں میں بیٹھنے سے، فضول اور بے ہودہ باتیں کرنے سے باز نہیں آتے ان کے دلوں پر ایسا اثر آجاتا ہے کہ پھر یہ کفریہ کلمات منہ سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ بالفرض برزخ میں پہنچے ہوئے تمام لوگ واپس آجائیں تو اتنا صحیح نہیں بتا سکتے جتنا اکیلے محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ اگر سارے مرنے والے بھی آجائیں تو ہر کوئی اپنا حال بیان کر سکے گا۔ جو اللہ نے بتایا، اللہ کے حبیب ﷺ نے بتایا وہ حقیقت حال بیان نہیں کر سکے گا۔ گناہ کا صدور ایک اور بات ہے اور اس کو معمولی سمجھنا، اس پر اکڑنا، احکام الٰہی کا تمسخر اُڑانا بڑی بدنصیبی کی بات ہے اور یہ ایسے بندے سے اس وقت سرزد ہوتی ہے جب وہ ایمان سے خالی ہو چکا ہوتا ہے۔

فرمایا ظلم کرنے والے کی سزا جہنم ہے۔ ظلم کے معنی ہیں **وضع الشیء فی غیر محلہٖ** کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کا مقام نہ ہو۔ اس لئے غلط کام کو ظلم کہا جاتا ہے اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے قرآن حکیم نے اسے ظلم عظیم کہا ہے **اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ** (سورہ لقمٰن آیت 13) اور ظلم کا انجام جہنم ہے۔ **فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ** پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر اُکسایا۔ اس آیۂ مبارکہ سے نفس کی اس حالت کا پتہ چلتا ہے جس میں وہ برائی پر اُکساتا ہے۔

نفس کیا ہے؟

انسانی وجود بدن اور روح کا مجموعہ ہے۔ بدن ایک آلہ ہے اور حقیقی انسان روح ہے۔ بدن ایک سواری ہے۔ روح اس سواری کو اس مادی دنیا میں استعمال کر کے آخرت کا سامان اکٹھا کرتی ہے اور دنیا میں آزمائش کا وقت پورا کرتی ہے۔ جس طرح روح کے اجزاء عالم امر سے ہیں اسی طرح بدن کے اجزاء آگ، مٹی، ہوا اور پانی ہے ان چار عناصر کے ملنے سے نفس پیدا ہوتا ہے۔ اگر نور ایمان نصیب ہو۔ نور نبوت نصیب ہو، وہ انوار قلب میں آجائیں جو قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے تقسیم ہوتے ہیں تو روح مضبوط ہوتی ہے۔ روح مضبوط ہو جائے تو نفسانی خواہشات دب جاتی ہیں۔

نفس کی تین حالتیں:

عناصر اربعہ سے بنے ہوئے نفس کی پہلی حالت **نفس امارّہ** ہے۔ **اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ** (سورہ یوسف آیت 53) یقیناً نفس برائی کی طرف بہت رغبت رکھتا ہے، برائی کا حکم دیتا ہے۔ جب نفس کی تربیت ہوتی ہے تو یہ تبدیل ہو کر **نفسِ لوامہ** یعنی برائی پر ملامت کرنے والا بن جاتا ہے۔ اگر اللہ روحانی قوت دے اور روحانی زندگی نصیب ہو، اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نصیب ہو جائے تو یہ ترقی کر کے **نفس مطمئنہ** بن جاتا ہے اور اللہ کی رحمت کا مستحق ہو جاتا ہے اگر انسان برکات نبوت سے دور ہوتا چلا جائے تو نفس گناہ کی طرف مائل ہوتا چلا جاتا ہے اور **نفس امارّہ** بن جاتا ہے۔

اس آیۂ کریمہ سے یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے **فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ** اس کا نفس چونکہ نفس امارّہ بن چکا تھا۔ نورِ نبوت قلب سے جا چکا تھا، دل میں خشیتِ الٰہی نہیں تھی تو اس نے اپنے بھائی کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا **فَقَتَلَهٗ** اس نے بھائی کو قتل کر دیا۔ **فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۳۰** اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔ بھائی کو قتل کرنے کے بعد اُسے احساس ہوا کہ بہت زیادتی ہوئی۔ ہر ظالم و بدکار کو گناہ کرنے کے بعد افسوس ہوتا ہے اسی لئے کسی ظالم کی زندگی میں سکون نہیں ہوتا۔ وہ گناہ کرتا رہتا ہے اور متاسف ہوتا رہتا ہے یوں اس کی زندگی خارزار بن جاتی ہے۔ حصول لذت کے لئے گناہ کرتا ہے لیکن حاصل پریشانی ہوتی ہے۔

چونکہ یہ پہلی موت تھی۔ اس سے پہلے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ مرنے والے کا کیا کیا جائے تو اللہ کریم نے **فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا** ایک کوا بھیج دیا جس نے ایک مردہ کوا اٹھا رکھا تھا۔ **يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ** اس نے اس کے سامنے زمین کریدنی شروع کی گڑھا بنایا۔ اس مردہ کوّے کو نیچے رکھ کر اپنے پنجوں سے اس کے اوپر مٹی ڈال کر برابر کر دیا۔ اللہ کریم نے یوں اُسے تعلیم دلوائی کہ بھائی کی لاش کی تدفین کیسے کرے۔ وہاں سے یہ فطری طریقہ شروع ہوا۔ مسلمان بحمد للہ مردوں کو غسل دیتے ہیں، جنازہ پڑھتے ہیں دفن کر کے اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہ فطری طریقہ اسے تعلیم دیا۔ اس وقت اسے اپنے بے عقل ہونے پر افسوس ہوا اور کہنے لگا **قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ** کہ مجھ میں اتنی عقل اور اتنا شعور بھی نہیں کہ مردے کو کیسے ڈھانپنا ہے۔ میں تو عقل و شعور

میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا ہوں۔ اس نے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۚ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٣١﴾ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ندامت اس کے گلے پڑ گئی۔

قابیل کی ندامت کس لئے تھی؟

قابیل کو ندامت اپنے فعل بد پر نہ تھی بلکہ اپنی کم عقلی اور اپنی کمزوری پر تھی۔ اسے یہ ندامت نہیں تھی کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کرنے کا بھیانک جرم کیا ہے۔ اسے ندامت یہ تھی کہ اسے یہ شعور کیوں نہ حاصل ہوا کہ میں لاش کو اس طرح چھپا دیتا۔ اسے اپنی کم عقلی اور اس کمزوری پر ندامت ہو رہی تھی کہ کوّے کو یہ شعور تھا اور اسے اتنا بھی شعور نہیں تھا۔ اگر اسے بھائی کے قتل پر ندامت ہوتی تو پھر وہ توبہ کی طرف آتا۔ رجوع الی اللہ کرتا۔ اللہ سے معافی مانگتا لیکن اپنے کئے پر نادم نہ ہونے کے باعث اسے توفیق توبہ نہ ہوئی۔

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٣٢﴾ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل سے بھی کہا تھا کہ انسان کا قتل ناحق اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہوگی یعنی جزو کو کل شمار کیا جائے گا۔ یہ عمل بہت بڑی گستاخی ہے۔ کوئی انسان کسی کو زندگی کا ایک لمحہ دے نہیں سکتا تو اس کی زندگی چھیننے کا اختیار اسے کہاں سے مل گیا؟

ایک انسان کا قتل ناحق پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے:

مالک صرف ایک ہے۔ جس نے زندگی دی ہے وہی لے سکتا ہے۔ کسی جرم کی سزا میں قتل کرنا یا جہاد میں قتال کرنا تو اللہ کے حکم کے تابع ہوتا ہے لیکن اپنی ذات کے لئے انتقاماً ایسا کرنا یا ذاتی مفاد کے لئے کسی کو قتل کرنا یا ذاتی غصے میں یہ اقدام کرنا اتنا بڑا جرم ہے جیسے کسی نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا اور ساری انسانیت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کے انسانوں پر محیط ہے۔ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ الناس کا اطلاق اولادِ آدمؑ پر ہوتا ہے۔ گویا وہ سب لوگوں کا قاتل ہے۔

اس آیت کے تناظر میں آج کے حالات اور ان کا علاج:

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ جس نے ایک فرد کو ظلماً قتل کیا اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔

ہمارے ہاں یہ ظلم اتنا سستا ہوگیا ہے کہ اسے جرم سمجھا ہی نہیں جاتا۔ جس کا جی چاہتا ہے وہ بم پھوڑ دیتا ہے۔ گولیاں برسا دیتا ہے۔ اس اسلامی ریاست میں صلوٰۃ ادا کرنے والوں کی حفاظت کے لئے بندوق بردار کھڑے کرنا پڑتے ہیں۔ آج کے قتل و غارت میں مقتول کو نہیں پتہ چلتا کہ اسے کس نے قتل کیا اور کیوں قتل کیا؟ قاتل کو کوئی ہوش نہیں کہ وہ کتنے بندے قتل کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟ نہ مارنے والا یہ تکلف کرتا ہے کہ بوڑھے، بچے، عورتیں، جوانوں کو وہ کیوں مار رہا ہے ان کا کیا قصور ہے؟ اور نہ مرنے والے اپنے جرم سے آگاہ ہیں۔ یہ ظلم کی انتہا ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر عمل کسی کام کا ردعمل ہوتا ہے۔ کچھ امور ایسے ہیں جو ہماری حکومتیں جان بوجھ کر کرتی ہیں جن کے ردعمل میں یہ قتل عام شروع ہوتے ہیں۔ یہ باتیں تلخ ہیں لیکن کسی بھی بیماری کے اسباب تلاش نہ کئے جائیں تو کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔ اور اصل سبب پتہ چل جائے اور وہ رفع کر دیا جائے تو بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے۔

پوری دیانتداری سے میں جو سمجھتا ہوں وہ کہہ رہا ہوں کہ میری رائے میں اس دہشت گردی کا اصل سبب ہمارا وہ غلط انداز حکمرانی ہے جس کے ردّعمل میں یہ قتل عام ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قتل عام کرنے والے بھی ظالم ہیں اور انگریز کے بنائے ہوئے اس غلامانہ نظام کو جاری رکھنے والے بھی ظالم ہیں۔ انگریز نے یہ ظالمانہ نظام اپنی حکمرانی کے لئے نافذ کیا تھا۔ اس نظام میں سودی معیشت تھی۔ غلام تیار کرنے کے لئے تعلیمی نظام تھا۔ مسلمانوں کے نظام سے مختلف عدالتی نظام تھا اور ایسا ہی سیاسی نظام تھا۔ انگریزوں کا قبضہ برصغیر پر سو سال رہا اور اس دوران سرفرشانِ توحید اپنی اپنی سطح پر اس نظام کے خلاف جانوں کی قربانی دے کر اسے باطل کہتے رہے۔ آخرکار لاکھوں لوگوں نے جان، مال، عزت و آبرو کی قربانیاں دے کر، بے گھر ہو کر اس نظام کو سرے سے ٹھکرا دیا اور ملک آزاد ہوگیا۔ پھر ارباب اقتدار کی ذمہ داری تھی کہ آزادانہ نظام ترتیب دیا جاتا آزاد ملک کا آزاد نظام حکومت، نظام عدل، نظام تعلیم اور نظام معیشت ہوتا جو سارے کا سارا اسلامی ہوتا۔ کیا اکسٹھ برسوں میں کچھ بھی اسلامی ہوا؟ نہیں۔ وہی غیر اسلامی نظام رائج رکھا گیا جس میں مزدوری کرنے والا کوئی اور ہوتا ہے اور فائدہ اٹھانے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ عوام کے حصے میں محنت و مشقت آتی ہے اور حکمران ثمرات لپیٹ کر عیاشی کرتے ہیں۔ یہ وہ عمل ہے جس کا ردعمل آ رہا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اور یہی سمجھتا ہوں کہ قتل عام اور بغاوت غلط ہے لیکن کیا یہ صحیح ہے کہ لوگوں کو اس غیر اسلامی نظام میں جکڑ کر انہیں غلام بنا کر ان پر ظلم روا رکھا جائے؟

آج کا اصل مسئلہ یہ ظلم ہے جو حکمران، حکمرانی کے نام پر کر رہے ہیں۔ جس کے ردعمل میں یہ قتل عام ہو رہا ہے۔ اب یہ انصاف تو اللہ کرے گا کہ کون قصوروار ہے اور کون بے قصور۔ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ یہ تو میدانِ حشر میں جا کر پتہ چلے گا کہ شہید کون ہے۔ کون مظلوم ظلماً قتل ہو گیا اور کون ظلم کرتے ہوئے مارا گیا؟ آخر فرعون بھی تو مارا گیا تھا۔ اسے کون شہید کہے گا؟ آج اس ظلم کو جاری کرنے والے اور ظلم کے جواب میں ظلم کرنے والے دونوں ظالم ہیں۔ جو ایک انسان کو ظلماً قتل کر رہا ہے وہ اپنے لئے عذاب عظیم اکٹھا کر رہا ہے۔ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ اور جس کسی نے کسی مظلوم کی مدد کی، کسی مظلوم کو قتل ہونے سے بچا لیا تو اسے اتنا اجر ملے گا گویا اس نے ساری انسانیت کو بچا لیا۔

وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ؗ اور میرے رسولؐ ہمیشہ واضح دلائل لے کر تشریف لاتے رہے۔ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ۝ لیکن لوگ انبیاءؑ کی تعلیمات کے باوجود دنیا پر ظلم و زیادتی کرتے رہے۔

جب مسلمان اپنے عہد سے پھرے تو اللہ نے اپنی حفاظت اُٹھالی:

پاکستان کلمہ طیبہ کے نفاذ کے وعدے پر بنایا گیا۔ پھر حکمران اور عوام نے اس وعدے کو بھلا دیا۔ بڑا عرصہ دیواروں پر یہ نعرہ لکھا جاتا رہا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ پھر ہمارے حکمرانوں نے حکماً اس نعرے کو دیواروں سے مٹا دیا کہ جانے دو یہ بات پرانی ہو گئی۔ جب انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو کہا کہ جانے دو یہ پرانا ہو گیا ہے تو جو وعدہ اللہ نے ہم سے کیا تھا کہ تمہاری حفاظت کروں گا پھر اس نے بھی کہا کہ جانے دو۔ جب حفاظت الٰہیہ اٹھ گئی تو قوم باہم دست و گریبان ہے۔ ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہی ہے۔ یہ معمولی بات نہیں عذاب الٰہی ہے اور بہت بڑا عذاب ہے کہ داڑھیاں بھی رکھی ہیں، اذانیں بھی دے رہے ہیں، نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل بھی کر رہے ہیں۔ حکومت پاکستان نے پاکستانی شہریوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ یہ دنیا کا نرالہ اعلان جنگ ہے جو ملکی فوج ملکی شہریوں کے خلاف کر رہی ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ کافروں کو خوش کرنے کی بجائے اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی رضا کے لئے اللہ کا دین نافذ کریں۔ غیر ملکی استعماری نظام کو مکمل طور پر ختم کر کے اللہ کے بھروسے پر اللہ کے لئے اس کام میں تندہی سے لگ جائیں۔ اللہ سے وعدہ پورا کریں اللہ کی حفاظت آ کر رہے گی اور تمام مصیبتیں کٹ جائیں گی۔

فساد فی الارض:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ ان کی بھی یہی سزا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کیا ہے؟ اور ایک مشتِ غبار کی حیثیت ہی کیا ہے۔ کہ وہ یہ جنگ کرے۔ بھلا بندہ ہو کر خالق سے اور اس کے رسول ﷺ سے کیسے لڑ سکتا ہے۔ فرمایا **وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا** جو لوگ اللہ کی زمین پر فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ یقیناً اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ انسانی مزاج ایسا ہے کہ یہ اپنے ہر کام کیلئے جواز تراشتا ہے ہر آدمی جو خود کرتا ہے اسے صحیح سمجھتا ہے جو دوسرا کرتا ہے اسے فساد کہتا ہے۔ لیکن اس رویہ سے یہ متعین کرنا ممکن نہیں ہے کہ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے۔ یاد رکھیں معیار حق اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ جسے اللہ کے رسول ﷺ نے فساد کہا وہ فساد ہے اور جسے حضور ﷺ نے حق کہا وہ حق ہے۔ لہٰذا جو بھی احکام شریعت کی خلاف ورزی کرے گا وہ فساد کرنے والا ہے۔

وطن عزیز میں فساد کی وجہ اور اس مسئلے کا حل:

یوں تو اس وقت پوری دنیا ہی فساد کی لپیٹ میں ہے۔ لیکن ہمارے ہاں تو فساد کی حد ہوگئی ہے۔ وطن عزیز آج کل انتہائی تکلیف دہ حالات سے دوچار ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ فوج اپنے ہی ملک میں اپنے ہی لوگوں سے لڑ رہی ہے۔ اور وہ لوگ جو اسی ملک کے شہری ہیں اور فوج سے برسر پیکار ہیں وہ فوج سے کیا چاہتے ہیں۔ ان کا مطالبہ کیا ہے؟ اور حکومت کا مطالبہ کیا ہے؟ دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ جب کہ دونوں طرف کے مرنے والے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق شہید کہلاتے ہیں۔ اس کا فیصلہ اللہ کریم نے ان آیات میں کر دیا ہے۔ جو زمین پر فساد کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق کے حقوق سلب کرتا ہے۔ ان پر ظلم ڈھاتا ہے وہ فسادی ہے۔ اور اللہ کی زمین پر فساد کرنے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فساد ہوتا ہے تو بہت سے لوگ لوٹ مار کیلئے یا اپنے ذاتی مفادات کے لیے اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور فساد کو بڑھاتے ہیں۔ تو ان کے فساد کی ذمہ داری بھی انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ جو اس فساد کی ابتدا کرتے ہیں تو ان آیات میں اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر فساد کرنا انسانوں کو مبتلائے عذاب کرنا ان کے حقوق سلب کرنا۔ انہیں تکلیف پہنچانا یہ اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ ہے۔

ہم آج ایک عجیب صورتحال سے دوچار ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہماری بنیاد، ہماری روایات اور ہمارا ماضی بہت مستحکم اور شاندار ہے۔ برصغیر پر مسلمان صدیوں حکمران رہے اور اسلامی نظام حکومت کو رائج کیا۔ ہمارے آج کے دانشور اس بات کو ماننا نہیں چاہتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس وقت کے مسلمان حکمرانوں کے نافذ کردہ قوانین اسلامی آج فتاویٰ کی شکل میں موجود ہیں۔ اور علماء اس سے استفادہ کر کے فتوے دیتے ہیں۔ اس عہد کا نظام تعلیم ایسا تھا کہ انگریز جب یہاں آئے اور انہوں نے جو رپورٹ برطانیہ بھیجی اس میں لکھا کہ مسلمانوں کے ستاسی فیصد سے زائد لوگ پڑھے لکھے تھے۔ مسلمانوں نے مدارس کو جاگیر وقف کر کے خود کفیل کر دیا تھا جنہیں اپنے وقت کے مخلص اور ایماندار لوگوں پر مشتمل بورڈ چلاتے تھے۔ وہاں بچوں کو خوراک، کتابیں، تعلیم اور یونیفارم مفت ملتا تھا۔ انہی مدرسوں میں اور جامعات (یونیورسٹی) میں عام آدمی سے لیکر حکمران کے بچوں تک سب یکساں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انہی جامعات سے طلبہ مختلف شعبہ ہائے حیات کے لئے تربیت پاتے تھے۔ انہی اداروں کے پڑھے ہوئے لوگ بہادر جرنیل بنتے، مشفق طبیب اور محنتی سائنسدان بنتے۔ دیانتدار، کاروباری اور تاجر بنتے۔ مخلص علمائے دین تربیت پاتے اور مصلح شاعر وادیب بنتے۔ جتنا خوبصورت نظام تعلیم تھا اتنا ہی مضبوط نظام عدل اور مستحکم معاشی نظام تھا۔ مسلمانوں کے بعد برصغیر میں سکھ قابض رہے۔ لیکن مسلمانوں کی عظیم تہذیب کے اثرات بہت بعد تک موجود رہے۔ **1820**ء تا **1822**ء میں ایک انگریز لارڈ نے برطانیہ کی کونسل میں ایک تقریر کی جس کی نقل میرے پاس موجود ہے۔ اس نے کہا کہ اس نے مسلمانوں کے برصغیر کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب تک سفر کیا ہے لیکن نہ تو کوئی گداگر نظر آیا ہے اور نہ کوئی چور دیکھا اس لیے کہ یہ اپنی روزی کمانے میں اتنے خود کفیل ہیں کہ چوری اور گداگری ان کے ہاں مفقود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "I have seen no beggers and no theives" وہ مزید کہتا ہے کہ ایسی خوشحال اور خوددار قوم پر حکومت کرنا اور انہیں غلام بنانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر انہیں غلام بنانا ہے تو سب سے پہلے ان کا نظام تعلیم بدلنا ہوگا جو ان کی ریڑھ کی ہڈی ہے انہیں ایسا نظام تعلیم دینا ہوگا جو ہماری تہذیب ہمارے طور طریقوں کو ان کی نظر میں عالی شان قابل عزت ومحترم بنائے۔ اور ان کے اپنے شرعی اسلامی طریقوں کو اور ان کے آباؤاجداد کے طریقوں کو ان کی نگاہ میں کم تر کردے۔ اور وہ ہمارے جیسا بننے میں فخر محسوس کریں

اور مسلمانوں جیسا نظر آنے میں شرم محسوس کریں۔ اگر اس کام میں ہم کامیاب ہو گئے تو یہ قوم ہماری غلام بن جائے گی۔ چنانچہ انگریز نے اس پر بھرپور کام کیا۔ معیشت میں حلال کی جگہ سود کو رواج دیا۔ عدالتی نظام میں سستے اور فوری انصاف پر مبنی اسلامی نظام عدل کی بجائے پیچیدہ اور طویل عدالتی کارروائیوں پر محیط نظام عدل رائج کیا۔ جس کا مقصد عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھنا تھا۔ اسی طرح اس نے ایسی فوج بنائی جس میں دینی حمیت و غیرت کے بجائے شاہ کی وفاداری بنیاد رکھی۔ جو حق و باطل کو نہ دیکھے صرف شاہ کے وفادار رہے۔ ان ہتھکنڈوں کے ساتھ انگریز ایک صدی برصغیر پر حکومت کرتے رہے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد ایک پوری صدی انگریز کے خلاف اور اس کے نظام کے خلاف لڑتے رہے۔ پھر بین الاقوامی حالات ہی ایسے بن گئے کہ انگریزوں کو ملک چھوڑنا پڑا۔ انگریز چلے گئے اور ہم آزاد ہو گئے۔ لیکن یہ سمجھنا ایک خود فریبی ہے ہم کب آزاد ہوئے؟ ہم اگر آزاد ہوتے تو انگریز کا دیا ہوا نظام تعلیم بدل دیا جاتا آزاد حکومت اور آزاد عوام اپنے لئے نئے سرے سے وہ نظام تعلیم بناتے جس میں اسلامی عقیدے اور شریعت مطہرہ کے مطابق دنیاوی علوم اور دینی علوم پڑھائے جاتے۔ آزاد تو ہم تب ہوتے جب ہماری معیشت سود سے پاک حلال طریقوں پر استوار ہوتی۔ لیکن ہوا یہ کہ انگریز کے جانے کے بعد سب کچھ وہی رہا صرف گورے آقا کے بجائے دیسی آقاؤں نے مسند حکمرانی سنبھال لی۔ اب تک انگریز کے وہی قانون ہیں اور وہی نظام جاری ہے جو اس نے غلاموں کے لئے بنایا تھا۔ آج وہی طبقاتی نظام تعلیم رائج ہے وہی سودی معیشت ہے وہی غلاموں کے لئے وضع کیا گیا عدالتی نظام ہے وہی سیاسی جوڑ توڑ اور وہی فوجی نظام ہے جو انگریز نے وضع کیا تھا یعنی عوام کے پاؤں میں وہی بیڑیاں ہیں اور وہی ہتھکڑیاں ہیں اور گردنوں میں وہی طوق ہیں۔ وطن عزیز کے کچھ لوگ جو انگریزوں کے وفادار اور ملک کے دشمن تھے جنہیں انگریز نے نواب اور خان بہادر کے خطاب دیئے۔ مسلمانوں کی جامعات اور مدرسوں سے چھینی ہوئی جاگیریں دیں۔ انہی لوگوں کو انگریز جاتے ہوئے حکومت کی باگ دوڑ سونپ گیا اور قوم غلامی کی انہی زنجیروں میں بدستور جکڑی رہی۔ اب جب اکسٹھ برس سے بدستور وہ نظام نہیں بدلا تو انگریز کے نظام کے خلاف ہمیشہ بغاوت ہوتی رہی تو میرا خیال ہے کہ اکسٹھ برس کے بعد لوگوں کی برداشت جواب دے گئی ہے اور وہ اس مطالبے کے ساتھ میدان میں کود پڑے ہیں کہ وہ یہ نظام نہیں چاہتے وہ اس نظام کو توڑ دینا چاہتے ہیں۔ حکومت کا موقف یہ ہے کہ جو اس نظام کے خلاف ہے وہ فسادی ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جنہوں نے یہ کافرانہ نظام نافذ کر رکھا ہے وہ فسادی ہیں۔ نیتوں کا جاننے والا تو اللہ ہی ہے فیصلہ تو

اللہ ہی کرے گا کہ کون فسادی ہے لیکن دنیا میں فیصلے شریعت مطہرہ کو معیار بنا کر ہی کیے جا سکتے ہیں۔ اگر حکومت شریعت سے مخلص ہے تو اسے چاہیے کہ وہ پورے ملک میں اسلامی نظام نافذ کر دے۔ پھر دیکھتے ہیں کہ کون بندوق اٹھا کر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ حکومت اگر پورے ملک میں بینکوں کو بلاسود کر دے، نظام تعلیم میں دین و دنیا کی تعلیمات کو شامل کر کے خوبصورت گلدستہ بنا دے، غریب اور متوسط طبقے کے ذہین اور باصلاحیت افراد کو حکومت میں آنے کے لئے برابر کے موقع دے جو خود عوام کے مسائل سے آگاہ ہوں اس طرح حکومت اگر خود اسلامی نظام کو زندگی کے تمام شعبوں میں حکومتی طاقت کے ساتھ نافذ کر دے تو عوام کو خود بخود تمام حقوق مل جائیں گے اور ہر طرف امن ہو جائے گا۔

یہ کون سا نظام رائج ہے جس میں امیروں کے بچوں کے لئے ایچیسن اور برن ہال جیسے پر تعیش سہولیات سے مزین ادارے ہوں اور غریب کے بچے کو ٹاٹ اور بوری بھی نصیب نہ ہو وہ دھوپ میں بیٹھے یا درخت کا سایہ تلاش کرے۔ یہ کیسا نظام تعلیم ہے جس میں ساری عمر پڑھتے چلے جائیں تو کبھی کسی جگہ یہ دو بنیادی جملے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں سکھائے جاتے بڑے بڑے ڈاکٹر اور پروفیسر بن جاتے ہیں لیکن ان دو جملوں سے آشنائی نہیں ہوتی۔ یہ کیسی جمہوریت ہے کہ گنے چنے لوگوں کو ہی ہر بار حکومت مل جاتی ہے جمہوریت تو تب ہوتی کہ ایک مرتبہ نوابوں کی حکومت آ گئی تو اگلے الیکشن میں کاشتکار آ جاتے پھر اگلی مرتبہ مزدوروں کا نمائندہ حکومت میں آ جاتا پھر تو پتہ چلتا کہ یہ جمہوریت ہے اور ہر ایک کو برابر مواقع مل رہے ہیں۔ اکسٹھ برس سے ہر الیکشن کے بعد وہی خاندان کسی نہ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ ہو کر حکومت میں رہتے ہیں اگر اسی نظام کو جاری رکھنا تھا تو یہاں سے بہتر طور پر یہ نظام ہندوؤں میں رائج ہے پھر پاکستان بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ تقسیم ملک میں لاکھوں لوگ راستوں میں شہید ہوئے اس کی کیا ضرورت تھی لاکھوں گھر اجڑ گئے اور بہو بیٹیوں کی عزتیں پامال ہو گئیں۔ کس لئے؟ اگر یہی نظام جاری رکھنا تھا تو ہندوؤں کے ساتھ ہی گزارہ کر لیتے اور اگر علیحدہ ملک بنایا تھا تو پھر اس نعرے کو یاد رکھتے جو تقسیم ملک کے وقت انہیں دیا تھا جنہوں نے گھروں کی جانوں کو اور اپنی آبرو کی قربانیاں دیں۔ یہ نعرہ تھا پاکستان کا مطلب کیا **لا الٰہ الا اللّٰہ**۔

اے ارباب اقتدار! اپنے اس وعدے پر واپس آؤ۔ اس ظالمانہ نظام کو بدلو۔ دینی نظام نافذ کرو پھر جو تمہارے خلاف بندوق اٹھائے گا وہ واقعی مفسد ہو گا اور قرآن کے مطابق واجب القتل ہو گا۔ آج کوئی اگر آپ سے مطالبہ کرتا ہے کہ آپ اسلام نافذ کریں اور اس مطالبے پر آپ اس پر گولی چلاتے ہیں جواباً وہ آپ پر گولی چلاتا ہے تو ہم اس کے جج نہیں ان کا انصاف اللہ کریم خود کرے گا کہ کون پورے خلوص سے اسلام کو نافذ

کرنے کے لئے لڑ رہا ہے اور کون پورے خلوص سے کافرانہ نظام کو جاری رکھنے کے لئے لڑ رہا ہے۔

فساد فی الارض کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ نے جو حقوق انسانوں کو دیئے ہیں ان کے وہ حقوق ان تک نہ پہنچائے جائیں بلکہ ان سے ان کے حقوق چھینے جائیں اللہ نے ہر انسان کو عقیدہ رکھنے کا حق دیا ہے۔ اسے ایمان لانے کی استعداد دی ہے اپنے نبی ورسولؐ بھیجے، اپنی ہدایات بھیجیں اب بندے کا ذاتی فیصلہ ہے کہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے کوئی اس سے جبراً کلمہ نہیں پڑھوا سکتا۔ اسی طرح اللہ نے زندہ رہنے کا حق ہر ایک کو دیا ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ کیا کافر اسی فضاء میں سانس نہیں لیتا؟ اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق دیتا ہے اور بلاتفریق دیتا ہے۔ اسی نے انسان کو زندگی کے لمحات دیئے ہیں اتنی فرصت اور مہلت دی ہے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانے اور اپنے رب کو پہچان کر خوبصورت زندگی گزارے جس پر اس کی آخرت کی اچھی تعمیر ہو۔ اللہ نے اپنی کائنات انسان کے سامنے بچھا دی ہے فرماتا ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (سورہ البقرہ آیت 29) میں نے تمہارے لئے روئے زمین کو نعمتوں سے بھر دیا ہے اب میرا مطالبہ صرف یہ ہے کہ میری عطا کردہ نعمتوں کو میرے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کیا جائے۔ میری عظمت اور میری توحید تمہارے دلوں میں قائم رہے اور تم نعمتوں پر میرا شکر ادا کرتے رہو۔ یہ اتنی سادہ سی بات ہے اور سمجھنے کے لئے نہایت آسان۔ اس کے بعد ہر بندہ اپنے دل میں خود یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ جو یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسلام نافذ کیا جائے وہ فساد کر رہا ہے یا وہ فساد کر رہا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہی انگریزی نظام ہی جاری رہے گا اور اسی میں ملک وقوم کی بہتری ہے۔

اس عجیب صورتحال سے بے شمار دوسرے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں کہ کوئی پرانی دشمنیوں کے بدلے چکا رہا ہے کوئی لوٹ مار کا بازار گرم کر رہا ہے لیکن اللہ کی باز پرس سے کوئی بھی بچ نہ سکے گا ان لوگوں کو اس سب تباہی کا جواب دینا ہوگا جنہوں نے اس فساد کی ابتدا کی۔

اللہ کا عطا کردہ نظام عدل:

اللہ کریم نے اپنے نظام عدل میں دو طرح کی سزائیں رکھی ہیں جن جرائم کی سزائیں اللہ نے خود مقرر کردی ہیں انہیں حدود کہتے ہیں کچھ جرائم کی سزا کے لئے اصول دے دیئے ہیں ان کی روشنی میں سزا مرتب کرنا قاضی یا منصف کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے انہیں تعزیر کہتے ہیں۔ جو حقوق اللہ نے بندوں کو دیئے ہیں انہیں چھیننے پر حد جاری ہوتی ہے۔ حدود جاری کرنے سے پہلے قاضی یا منصف صرف شہادتیں جمع کرنے کا ذمہ

دار ہے۔ گواہیاں جمع ہو جائیں اور منصف کے سامنے جرم ثابت ہو جائے تو بھی قاضی اپنی طرف سے سزا دینے کا مجاز نہیں، وہی سزا نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے جو اللہ نے مقرر کر دی ہے۔ جیسے اللہ نے ہر کافر و مومن کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اللہ نے اس پر حد جاری کر دی ہے۔ منصف اللہ کی جاری کردہ حد کو نافذ العمل بنائے گا۔ اسی طرح کوئی کسی کا مال زبردستی چھینتا ہے تو اللہ نے اس کی سزا مقرر کر دی ہے۔ اس کے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے۔ کوئی چوری کرتا ہے تو اس نے اللہ کے دیئے ہوئے حق میں دراندازی کی۔ اللہ نے کسی کو مال عطا کیا اور دوسرے نے چرا لیا تو اس پر اللہ نے سزا مقرر کر دی کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اسی طرح کوئی کسی کی آبرو سے کھیلتا ہے تو جرم ثابت ہونے پر اس پر حد جاری ہوگی۔ اسے سنگسار کیا جائے گا۔ ان سزاؤں کو حدود کہتے ہیں۔ اور جن جرائم کی سزا قاضی یا منصف یا جج کی صوابدید ہو انہیں تعزیرات کہتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے عطا کردہ حقوق کو انسانوں سے چھیننے والا فسادی ہے۔ اگر زندہ رہنے کے حق کی تفسیر کی جائے تو زندہ رہنے کے لئے زندگی کی تمام ضروریات اس میں آجاتی ہیں کہ اگر زندہ رہنے کا حق ہے تو اس کے مال کی حفاظت، اس کی آبرو کی حفاظت اس کے علاج معالجے کا اہتمام، اہل وعیال کے لئے تعلیم و رہائش اس کے روزگار کے مواقع ان سب امور کو بہم پہنچانا ان تمام ضروریات کی تکمیل کا انتظام کرنا زندہ رہنے کے حق میں شامل ہو جاتا ہے یہ اہتمام کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور بلا تفریق قوم و مذہب کرنا لازم ہے۔ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ ہر شہری کو خواہ وہ مومن ہے یا کافر اس کی جان کی حفاظت کی ضمانت دی جائے اس کے مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دی جائے اور روزگار سے لے کر علاج معالجے اور تعلیم سے رہائش تک تمام امور کی ضمانت دی جائے اور اگر کوئی عوام کے ان حقوق کو چھینے گا تو اس آیت مبارکہ کے مطابق جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کرتے ہیں وہی زمین پر فساد پھیلانے والے ہیں۔ سو فرمایا **وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ** جو اللہ کی زمین پر فساد کرتا ہے، اللہ کی مخلوق کے حقوق سلب کرتا ہے، انہیں گھروں سے بے گھر کرتا ہے، لوٹتا ہے اور تباہ کرتا ہے وہ اللہ کی مخلوق پر یہ ظلم ڈھا کر اللہ سے گویا جنگ کر رہا ہے سو ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جائے جو لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ **أَنْ يُقَتَّلُوٓا أَوْ يُصَلَّبُوٓا** یا اسے سولی پر لٹکایا جائے یعنی سزائے موت دی جائے **أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ** یا ان کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے۔ **أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ** یا پھر انہیں ملک سے نکال دیا جائے یہ قاضی کی صوابدید پر ہے کہ حالات و واقعات اور شہادتوں کے مطابق قاضی فیصلہ کرے۔

موجودہ حالات ایک بڑے جہاد کی تمہید ہیں:

وطن عزیز کی موجودہ صورت حال میں بہت سے عجیب عوامل کارفرما ہیں۔ جب افغانستان میں انقلاب آیا تو دو جماعتیں یا دو گروہ روس کے خلاف لڑے روس افغانستان سے نکل گیا تو یہ آپس میں لڑنے لگے یہ دیکھ کر مدارس کے چند طلباء ان دونوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ملک میں امن وامان قائم کرنے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ان طلباء نے دونوں گروہوں سے ملک لے لیا اور عنان اقتدار سنبھال لی پشتو میں طلبہ کو ہی طالبان کہتے ہیں کچھ عرصہ انہوں نے افغانستان پر حکومت کی اور جتنا عرصہ افغانستان پر طالبان کی حکومت رہی وہ افغانستان کی معلوم تاریخ میں سب سے زیادہ پرامن زمانہ ہے جس میں عدل وانصاف ہوا۔ عزت وآبرو محفوظ ہوئی۔ نشے کا مکمل خاتمہ ہوا۔ چوری اور غارت گری ختم ہو کر امن قائم ہوا اور تاریخ میں پہلی بار عوام اسلحے کے بغیر رہے انہیں اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ رکھنے کی ضرورت نہ رہی۔ پورے ملک میں امن و امان ہوا یہ امریکہ کو گوارا نہ تھا دیگر بہت سے مفادات کے ساتھ یہ امن ان کی تہذیب کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا لہٰذا نائن الیون کا افسانہ گھڑا گیا اور اپنے اہداف پورے کرنے کے لئے مغرب سرگرم عمل ہو گیا پھر طالبان کے نام کو اس طرح رگیدا گیا کہ جہاں کوئی جھگڑا فساد کرے اسے طالبان کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ امریکی دانشوروں نے لفظ طالبان کو ایک اصطلاح بنا کر اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ جو شخص شراب نہ پیتا ہو، بدکاری نہ کرتا ہو، داڑھی رکھے اور مسجد میں باجماعت صلوٰۃ ادا کرے وہ طالبان کا فرد ہے یا ان کی نمائندگی کرتا ہے۔ انہوں نے اس کام کے لئے دانشوروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس نے ریسرچ کر کے ایک کتاب چھاپی اس میں بتایا گیا کہ طالبان کون ہیں اور ان فسادی لوگوں کی کیا علامات ہیں؟ اوّل یہ ہے کہ اس کی داڑھی ہو مزید یہ کہ وہ صلوٰۃ کا پابند ہو، حرام اشیاء اور حرام کاموں سے دور رہتا ہو، بے حیائی وغیرہ سے بچتا ہو۔ یعنی ان کے مشورے اور تہذیب کے خلاف عمل پیرا ہو تو وہ طالبان کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے دانشور، سیاستدان اور حکمران طالبان کو فسادی کہتے ہیں اور انہیں فسادی قرار دے کر ان پر چڑھائی کا جواز پیش کرتے ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ کچھ مولوی حضرات آیات الٰہی کو ان کے سیاق سباق سے ہٹا کر انہیں بتاتے ہیں کہ انہیں ان لوگوں پر چسپاں کر دیں۔ اللہ کے احکام قرآن حکیم کی آیات حق ہیں انہیں حق حاصل نہیں کہ وہ آیت کو نکال کر کسی غلط جگہ چسپاں کر کے غلط اقدام کا جواز پیش کریں۔ قرآن حکیم جاننے والوں کو آیات الٰہی بعینہٖ پہنچانے کا حق ادا کرنا چاہیے اگر کسی بھی آیت کو اپنی سمجھ سے معنی پہنائے گئے تو سخت گناہ گار

ہوں گے۔

آج کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔حکومت،حکمران اور سیاسی جماعتوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہی ظالمانہ نظام تعلیم، نظام عدل، نظام حکمرانی چلتا رہے،عوام کا استحصال ہوتا رہے اسی لئے سب اسی جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں اور جو بھی اس نظام کا مخالف ہے وہ فسادی ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا یہاں اللہ کا دین نافذ ہو اور حکومت مسلمانوں کی ہو اسلام نافذ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ایسے لوگوں کو ایسی سوچ رکھنے والوں کو حکومت فسادی کہتی ہے۔فسادی کون ہے؟ اس کا فیصلہ اللہ کرے گا اور اللہ کی کتاب نے بتا دیا ہے۔سمجھ یہ نہیں آتی کہ دونوں طرف کلمہ گو ہیں نماز روزہ کرنے والے ہیں بے شمار لوگ اللہ کو یاد کرنے والے ہیں مگر مجبور و بے بس ہیں اپنی اپنی ملازمتوں کے باعث مجبور ہیں چھوڑ کر کہاں جائیں۔چور اُچکے اور بدمعاش لوگوں کو غیر ملکی ایجنسیاں پیسے دے کر پاکستان کے خلاف کام کروا رہی ہیں۔ ہندوستان تو اس کام میں مکمل طور پر ملوث ہے امریکہ بھی اس میں شامل ہے وہ بھی چاہتا ہے کہ پاکستان کے سارے بدچلن اور پاکستان کی فوج آپس میں لڑتی رہیں تاکہ ملک کمزور ہو جائے۔حکومت کو سود پر رقم دیتا ہے بدچلن لوگوں کو مفت دیتا ہے یہ سود لے کر خوش ہیں وہ مفت لے کر لڑ رہے ہیں۔اس وقت لوٹ مار کا بازار گرم ہے کس کے روپ میں کون ہے؟ یہ اللہ جانے۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون واقعی خلوص نیت سے نفاذ اسلام کے لئے کام کر رہا ہے اور کون امریکی ڈالر یا ہندوستانی دولت لوٹنے کے لئے لڑ رہا ہے؟ دلوں کا حال اللہ ہی جانے۔

اللہ کے سامنے ہم سب کو پیش ہونا ہی ہے۔عوام سے لے کر حکمران تک سب ایک ہی جگہ جمع ہوں گے گھبرانے کی بات نہیں دلوں کو کھرا کرنے کی بات ہے فیصلہ تو ہو چکا۔خطرہ نہ اسلام کو ہے نہ ملک کو ہے۔خطرہ مفاد پرستوں کو ہے۔یہ بھی ایک رواج ہو چکا ہے کہ یہ جملہ دہرایا جائے کہ ملک کو خطرہ ہے جب سیاستدانوں کا اقتدار خطرے میں پڑتا ہے تو کہتے ہیں کہ ملک خطرے میں ہے مولوی کے مفادات پر زد پڑے تو وہ کہتا ہے کہ اسلام خطرے میں ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ اسلام کو خطرہ ہے نہ پاکستان کو۔اسلام قیامت تک کے لئے اللہ نے قائم رکھنا ہے کہ یہ اس کا دین ہے انشاءاللہ ہمیشہ رہے گا اور پاکستان بھی رہنے کے لئے بنا ہے یہ بھی انشاءاللہ رہے گا۔جو اس ملک کے مٹنے کی باتیں کرتے ہیں وہ خود مٹ جائیں گے۔

موجودہ حالات اس بڑے جہاد کی ایک جھلک ہے۔ جنگ تو کفر اور اسلام میں ہوگی اس سرزمین پر ہوگی برصغیر پر ہوگی جس میں پاکستان بھی ہے اور ہندوستان بھی اور وہ غزوہ الہند ہوگا جس کے بارے میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے خبر دی تھی کہ وہ غزوۃ الہند میں برپا ہوگا تو اسلام کی فتح ہوگی۔

انشاء اللہ جب یہ برپا ہوگا تو اسلام کی فتح ایسی ہوگی کہ سارا ہندوستان، پاکستان بن جائے گا اس لئے کہ پاکستان اللہ کے دین کے نام پر بنا ہے یہ قائم رہنے اور پھیلنے کے لئے بنا ہے۔ یہ مٹنے کے لئے نہیں بنا۔ انشاء اللہ پورا برصغیر پاکستان بنے گا اور لال قلعے پر پاکستان کا جھنڈا لہرائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ موجودہ حالات اس جنگ کی تمہید ہے اس کی جھلک ہے۔ اس میں کون حق پر ہے کون ناحق ہے۔ یہ فیصلہ اللہ کرے جو نیتوں کا حال جاننے والا ہے اللہ کی آیت فساد فی الارض کی سزا بتا رہی ہیں۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

ان کی بھی یہی سزا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں انہیں قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔ یہ ذلت ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یعنی جو کسی کو ناجائز قتل کرے اسے قتل کیا جائے یا اسے سزائے موت دی جائے۔ جو ڈاکہ اور راہزنی کرے اس کے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹا جائے تاکہ وہ لوٹنے کے قابل نہ رہے اور عبرت بنے یا پھر ایسے لوگوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ یہ سزائیں اسلئے ہیں کہ وہ دنیا میں اپنے ان کاموں کے باعث ذلیل ورسوا ہو جائے۔ محتاج و بدنام ہو جائے۔ دوسروں کے لئے عبرت کا سامان ہو اور امن عامہ میں خلل ڈالنے کا کوئی سوچ بھی نہ سکے اور آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ الگ ہوگا۔ یہ بڑا عذاب ان پر مسلط کیا جائے گا جو دنیا میں اللہ کی زمین کو اپنی ذاتی ریاست اور ملکیت سمجھ کر اللہ کے احکام کے خلاف ڈٹے ہوئے تھے۔

اللہ کی ذات بے حد کریم ہے اگلی آیت اس کی وسعت کریمی بیان کر رہی ہے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ مگر جنہوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسلمانوں کے قابو آنے سے پہلے پہلے اللہ کی رحمت کو پالے۔ اپنے کئے پر ندامت کرے۔ آئندہ کے لئے گناہ سے بچنے کا ارادہ کر لے تو اللہ معاف فرما دیتا ہے۔

سورہ المائدہ رکوع 6 آیات 35 تا 43

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ
وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ
اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ
عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا
جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ
مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ
مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ
الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ
يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ
اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ
اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ
عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ
وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ
وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تلاش کرو اس کی طرف (پہنچنے) کا وسیلہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ ﴿۳۵﴾ یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تا کہ وہ اس کو دے کر روزِ قیامت کے عذاب سے چھوٹ جائیں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جائیں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ ﴿۳۶﴾ اس بات کی خواہش کریں گے کہ وہ دوزخ سے نکل آئیں اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا۔ ﴿۳۷﴾ اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑے قوت والے ہیں ﴿۳۸﴾ جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں، بڑی حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پھر جو شخص توبہ کرے اپنی اس

زیادتی کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے ﴿۳۹﴾ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے ﴿۴۰﴾ اے رسول جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین نہیں لائے۔ اور خواہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں وہ بہت جھوٹ سننے کے عادی ہیں۔ بہت جاسوسی کرنے والے ہیں دوسری قوم کے لئے جو آپ کے پاس نہیں آئی کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے۔ بدلتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا، اور جس کا گمراہ ہونا اللہ ہی کو منظور ہو، تو اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوا۔ ان لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لیے سزائے عظیم ہے ﴿۴۱﴾ یہ لوگ جھوٹ سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کھانے والے ہیں تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ مختار ہیں خواہ آپ ان میں فیصلہ کردیجئے یا ان کو ٹال دیجئے اور اگر آپ ان کو ٹال دیں تو ان کی مجال نہیں کہ وہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کیجئے۔ بیشک حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں۔ ﴿۴۳﴾

خلاصہ ومعارف

وسیلہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

فرمایا اے ایمان والو! اللہ سے اپنا تعلق درست رکھو۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ کا اردو ترجمہ اللہ سے ڈرو، کر دیا جاتا ہے لیکن تقویٰ سے مراد کسی رشتہ کے خراب ہونے کا ڈر ہے۔ اللہ سے ایسا تعلق ہو کہ کوئی بات کرنے یا کسی حرکت کے کرنے سے یہ اندیشہ ہو کہ اس سے اللہ کریم ناراض ہو جائیں گے اس ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ تقویٰ ایمان کا نتیجہ ہے کہ اللہ سے ایسا تعلق ہو کہ اس کی نافرمانی کرتے ہوئے بندے کو حیا آجائے ورنہ محض ڈر ایمان کی حقیقت نہیں ہے کہ بندہ زبان سے کہتا رہے لیکن دل میں کیفیات ایمان نہ آئیں۔

اللہ سے تعلق قائم کرنے کے لئے فرمایا وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اس تک پہنچنے کا اس کا قرب تلاش کرنے کا کوئی ذریعہ تلاش کرو۔ ایسا ذریعہ جو تمہیں اللہ تک پہنچا دے۔ وسیلہ کے موضوع پر طویل بحثیں کی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں اور کچھ کے پاس اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں تو اس کی حقیقت کیا ہے؟ وسیلہ جب حرف س سے لکھا جائے تو اس کا معنی ہے کسی سے محبت اور پیار کے ساتھ جڑ جانا۔ جب یہ لفظ اللہ کریم کے حوالے سے استعمال ہو تو اس سے مراد بندے کا اللہ سے محبت کا تعلق استوار ہونا ہے جب یہ لفظ حرف ص سے لکھا جائے تو اس سے وصل اور وصال کے الفاظ وضع ہوتے ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے مطلق جڑنا۔ اس جڑنے میں کسی کیفیت کا ہونا ضروری نہیں۔ اس آیۃ کریمہ میں وسیلہ حرف س سے ہے اس کا معنی ہے اللہ سے محبت کے ساتھ پیوست ہو جانا۔ اللہ کی عظمت کے احساس کے ساتھ اللہ سے محبت کرنا۔ اللہ سے محبت کرنے کا سب سے بڑا وسیلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی ہے۔ سارا قرآن ہم نے آپ ﷺ سے حاصل کیا۔ سارا دین آپ ﷺ سے ملا۔ خود اللہ کا تصور آپ ﷺ سے ملا۔ اللہ کی ذات سے آشنائی بھی خود آپ ﷺ کی ذات سے حاصل ہوئی۔ اللہ سے محبت کرنے کا ذریعہ اللہ کریم نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو قرآن حکیم میں یوں بتایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورہ ال عمران آیت 31) سب سے بڑا وسیلہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کیا جائے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ نے کہلوایا کہ آپ ﷺ انہیں بتا دیں کہ اگر تم اللہ کی محبت کے طالب ہو تو میرا اتباع کرلو۔ بلا چوں وچرا اطاعت

کرو۔ محبت کے ساتھ دلی گرویدگی کے ساتھ اطاعت کرلوتو اللہ تمہیں محبوب بنائے گا۔

اتباع کے مختلف مراحل:

جب اللہ کے نبیؐ کو نبی مان لیا تو جس بات کو نبیؐ نے اوّلیت دی اسے اوّلیت دینا ہی اتباع نبوی ﷺ ہے۔ آپ ﷺ نے فرائض کی ادائیگی کو اوّل رکھا ہے۔ جو شخص فرائض کو اللہ کا حکم سمجھ کر، نبی پاک ﷺ کا فرمان سمجھ کر خوب صورتی سے، اہتمام سے اور پابندی سے ادا کرتا ہے تو یہ یقیناً بہت بڑا وسیلہ ہے اور اتباع میں اوّلیت فرائض کو ہے۔ فرائض کے بعد سنت کی باری آجاتی ہے۔ سنت وہ عمل ہے جو آپ ﷺ نے سرانجام دیا۔ فرائض کے ساتھ جسے سنت کی توفیق ہوئی تو اس کے تعلق باللہ میں مزید مضبوطی آئی اسے اللہ سے تعلق مضبوط کرنے کا ایک اور ذریعہ حاصل ہوگیا۔ سنتوں کے بعد مستحبات کی باری آتی ہے۔ ایسے کام کئے جائیں تو بہت اچھی بات ہے اور نہ کئے جائیں تو کوئی جرم نہیں۔ روزمرہ کے معمولات میں اگر مستحبات کی پیروی کی جائے تو نورٌ علی نور ہے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اس طرح پیروی کی کہ حضرت عمر فاروقؓ کے احوال میں ملتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کرتے کا بازو لمبا نکلا اسے کاٹنے کے لئے آپؓ نے چھری استعمال کی۔ بیٹے نے استفسار کیا تو فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو یہی صورت حال درپیش ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے چھری استعمال فرمائی تھی۔ یہ عمل سنت نہیں ہے۔ امور عادیہ میں سے ہے شاید اس وقت قینچی دستیاب نہ ہوئی ہو۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا آقائے نامدار ﷺ سے ایسا تعلق تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے کسی انداز کو اپنائے بغیر نہ چھوڑا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابن عمرؓ کا ہے۔ آپؓ مکہ مکرمہ جارہے تھے۔ ایک جگہ سے گزرتے ہوئے خود کو اونٹ کے پالان تک جھکا لیا۔ تھوڑا آگے جا کر واپس سیدھے ہوگئے۔ کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا ایک زمانے میں حضور اکرم ﷺ یہاں سے گزرے تھے تب یہاں ایک درخت تھا جو بہت پھیلا ہوا تھا تو آپ ﷺ اسی طرح پالان سے لگ کر گزرے تھے۔ پوچھا کہ یہاں اب درخت تو نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا میں اس لئے تو نہیں جھکا کہ یہاں درخت ہے بلکہ میں تو اس لئے جھک کر گزرا ہوں کہ میرے محبوب ﷺ کا یہاں سے گزرنے کا یہ وہ انداز ہے جسے میں نے دیکھا تھا۔ یعنی وہ انداز اختیار کرنا جو بندے کو اللہ کی محبت اور قرب سے نوازنے کا ذریعہ بنے۔ یہی **وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ** ہے۔

اللہ کریم تک رسائی کا اوّلین وسیلہ ذات محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ بہت بڑا وسیلہ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے ایک ایک انداز کے امین ہیں۔ پوری دنیا کو تعلیمات نبوت صحابہ کرامؓ کی وساطت سے

پہنچیں۔صحابہ کرامؓ ہی وہ خوش قسمت ہستیاں ہیں جو قیامت تک کے لئے اللہ کے نبی ﷺ اور آنے والے تمام انسانوں کے درمیان تعلیمات نبوت کو پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

اس کے بعد ہر وہ شخص وسیلہ بن جاتا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی بات ان تک پہنچاتا ہے۔اسی طرح نیک اعمال اللہ تک رسائی کا وسیلہ ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں درج مشہور حدیث ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین آدمی طوفان سے بچنے کے لئے کسی غار میں داخل ہوئے اور اچانک غار کا دہانہ کسی بھاری پتھر کے گرنے سے بند ہو گیا۔انہوں نے مل کر زور لگایا لیکن پھر ہٹا نہ سکے پھر تینوں نے اپنے اپنے اعمال کے واسطے سے اللہ سے دعا کی اور ہر مرتبہ وہ پتھر سرکتا گیا اور دعاؤں کے قبول ہونے کے سبب راستہ بن گیا نیک اعمال کے علاوہ متبرک مقامات بھی مقبولیت دعا کا سبب ہیں۔ایک دعا انسان اپنے گھر میں مانگتا ہے اور پھر مسجد میں مانگتا ہے تو مسجد کی اپنی برکت ہے اسی طرح کوئی حرم کعبہ اور حرم نبوی میں دعا مانگتا ہے تو ان مقدس مقامات کی اپنی برکت ہے۔مختلف جگہوں کے حساب سے اس کی تاثیر اور قبولیت کے انداز بدلتے ہیں تو کسی جگہ کی برکت وسیلہ بن جاتی ہے۔اسی طرح اہل اللہ، اولیاء اللہ حصول محبت الٰہی کا وسلیہ بن جاتے ہیں۔ ان کے قلوب برکات نبوت سے سیراب ہو کر محبت بانٹتے ہیں۔ان کا یہ حال طالبوں کے دلوں میں منتقل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں اطاعت الٰہی کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے اور وہ ان انوارات و برکات کو قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے لے کر آگے دوسروں تک پہنچانے کا سبب اور وسیلہ بن جاتے ہیں۔وسیلہ کو اگر اس کے اصلی معنی میں لیا جائے تو وہ اللہ سے محبت کا تعلق پیدا کرنے کا سبب ہے۔اس آیۃ کریمہ میں اللہ کا یہی حکم ہے کہ وہ ذرائع اختیار کرو جن سے اللہ سے محبت کا تعلق اور قرب الٰہی نصیب ہو۔قرآن حکیم نے اتباع نبوی ﷺ کو قرب الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ ارشاد فرمایا ہے۔اتباع نبوی ﷺ میں فرائض سرفہرست ہیں پھر درجہ بدرجہ واجبات، سنن، نوافل اور مستحبات ہیں۔جس جس درجے میں، جس جس کام میں کوئی حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرتا چلا جائے گا اتنی ہی اسے اللہ کریم سے محبت ہوتی جائے گی۔

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٣٥ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ کامیاب ہو جاؤ یعنی وسیلہ کے ساتھ مجاہدہ شرط ہے۔جب حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات ہمارے اور اللہ کریم کے درمیان وسیلہ ہیں تو مجاہدہ کیا ہوگا؟ ہر لمحہ اطاعت پیغمبر ﷺ کے لئے کمربستہ رہنا ہو گا یعنی اپنے ہر عمل پر یہ نگاہ رکھنا کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق ہے؟ مخالف تو نہیں؟

جہاد دو طرح سے ہیں، جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس:

ظالم کے ظلم کو روکنے کے لئے، یا لوگوں کو کفر کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے۔ احیائے دین کے لئے، دین کی حفاظت کے لئے، دینی ریاست کے تحفظ کے لئے جب اسلحہ لے کر لڑا جاتا ہے۔ قتال کیا جاتا ہے تو یہ جہاد ہے۔ اس میں کوئی جان سے گزر جاتا ہے تو وہ شہید ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے حدیث قدسی ہے کہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اللہ کے نزدیک شہید کے خون کا ایک قطرہ اس سے زیادہ قیمتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾** (سورہ البقرہ آیت 154) جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو۔ وہ مرتے نہیں۔ زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی انسانی شعور اور انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک انسان قتل ہو جائے اس کے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں اسے قبر میں دفن کر دیا جائے پھر بھی وہ زندہ ہے۔ اللہ کریم کے ہاں سے رزق دیا جاتا ہے۔ اس زندگی کی سمجھ انسانی عقل وفہم میں نہیں آسکتی۔ اس بات پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرما دینے سے یقین آجاتا ہے۔ یہ جہاد بالسیف ہے جو کبھی فرض عین ہو جاتا ہے کبھی فرض کفایہ۔ جب لوگ ظلم کے خلاف نبرد آزما ہوں اور ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ انہیں مدد کی ضرورت پڑے تو ساتھ والوں پر یہ فرض عین ہو جاتا ہے پھر بھی ضرورت موجود رہے تو اسلامی ہمسایہ ملک پر فرض عین ہو جاتا ہے ورنہ سب پر فرض کفایہ ہے۔

جہاد بالنفس:

یہ جہاد اپنی ذات کے ساتھ ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک غزوہ سے واپس تشریف لاتے ہوئے فرمایا **رجعنا من الجهاد الاصغر من الجهاد الاكبر** ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے ہیں۔ اسلحہ لے کر دشمن کے خلاف میدان کارزار میں لڑنے اور جان دینے کو حضور اکرم ﷺ نے چھوٹا جہاد فرمایا اور اپنے نفس کے ساتھ دن رات، ہر وقت مجاہدہ کرنے کو، خود کو اطاعت الٰہی پر کاربند رکھنے کی کوشش کو جہاد اکبر فرمایا اگر جہاد اصغر میں لڑنے والے مجاہد اور جان دینے والے شہید ہیں تو جو ساری زندگی جہاد اکبر کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ ان کا مزاج حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں ڈھل جائے۔ ان کے معاملات حضور اکرم ﷺ کی پسند کے مطابق ہوں۔ انہیں حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی تمیز رہے۔ وہ حق پر کاربند رہیں۔ کوئی لالچ اور کوئی خوف انہیں حضور اکرم ﷺ کے اتباع سے ہٹا نہ سکے تو وہ زندگی بھر جہاد کرنے کے باعث مجاہد ہیں اور یقیناً شہید ہیں۔

وسیلہ کے ساتھ مجاہدہ شرط ہے:

کسی عالم باعمل کا ساتھ ہو جائے تو کام ختم نہیں ہوتا۔ کام اب شروع ہوتا ہے۔ سیکھنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ محنت کر کے سیکھے اور عمل کرے۔ اسی طرح شیخ کامل مل جائے اور دل میں روشنی آ جائے تو بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی کہ شیخ نے توجہ دی اور کام ختم۔ نہیں بلکہ اب کام شروع ہو گیا۔ اب ساری زندگی اس طالب کو مجاہدہ اور جہاد کرنا پڑے گا کہ وہ ان کیفیات کو قائم رکھے، ان کی حفاظت کرے اور ان میں ترقی کرے۔ کیفیات ایمان کیسے قائم رہیں گی؟ اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع اور آپ ﷺ کی غلامی سے۔

یوں تو ساری مخلوق کا اللہ سے رشتہ مخلوق ہونے کا ہے کہ اللہ ہی اپنی ساری مخلوق کو رزق دے رہا ہے۔ کافر و نافرمان کو بھی روزی دے رہا ہے لیکن صرف دینا اور بات ہے اور محبت سے دینا اور بات ہے۔ مومن کا یہ امتیاز ہے کہ اسے جو بھی ملے اس میں اللہ کی محبت شامل ہو اور وہ جو بھی کرے اس میں اللہ کی محبت شامل ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں کئے جانے والے سجدے محبت بھرے ہوں۔ اللہ کی راہ میں خرچ محبت بھرا ہو۔ اس کے فیصلے اور اقدام محبت بھرے ہوں۔ اس کے اعمال سے اللہ کی محبت ٹپکتی ہو۔ اس کے لئے مومن کی پوری زندگی مجاہدہ ہے جہاد ہے اور مومن کا ہر لمحہ حصول محبت الٰہی سے بھرپور ہے۔ **وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾** اللہ کو پانے کے لئے جہاد، محنت اور مجاہدہ کرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ فلاح یعنی کامیابی پاؤ۔ قرآن حکیم نے فلاح کے معنی ایسی کامیابی بتائے ہیں جو دنیا و آخرت کی منزلوں پر محیط ہیں۔ اس کا معنی ہے زندگی میں کامیابی، موت، مابعد الموت، برزخ، قیامت، میدان حشر اور ابد الآباد تک ہر جگہ کی کامیابی کا حاصل ہو جانا۔ یہ تمام کامیابیاں صرف اتباع پیغمبر ﷺ میں ہیں۔

زمانے کے حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی دولت آ جاتی ہے کبھی افلاس، کبھی جوانی آتی ہے پھر وہ ڈھل جاتی ہے۔ صحت عطا ہوتی ہے پھر بیماری بھی آ جاتی ہے۔ بیماری دور ہو کر دوبارہ صحت عطا ہو جاتی ہے۔ جیسے سورج نکلتا ہے، صبح سہانی ہوتی ہے، پھر تپش بڑھتی ہے، دوپہر ہو جاتی ہے، پھر دن ڈھلتا ہے اور سہ پہر آ جاتی ہے۔ زندگی بھی اسی طرح چلتی رہتی ہے اس لئے کامیابی کا معیار یہ نہیں ہے بلکہ کامیابی کا معیار یہ ہے کہ بدلتے حالات میں بندہ اللہ کے در پر قائم رہا یا ہوائے نفس کا شکار ہوا۔ بدلتے حالات تو بندے کی پرکھ کے لئے آتے ہیں، کبھی انسان کی آزمائش اللہ پاک اس طرح کرتے ہیں کہ اسے دولت و اختیارات، عہدہ و حکومت دے دیتے ہیں مقصد یہ ہوتا ہے کہ دیکھا جائے کہ بااختیار ہو کر فرمانبردار رہتا ہے یا نافرمان

ہو جاتا ہے۔ کبھی افلاس بھیج کر بیماری بھیج کر آزماتا ہے مشکل میں اللہ کا دامان رحمت تھامتا ہے یا کسی اور کے دروازے پر بھٹکتا ہے۔ مقصد تو بندے کی آزمائش ہے۔

''اللہ بندے کی آزمائش کرتا ہے'' سے کیا مراد ہے؟

اللہ تو اپنی مخلوق کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ مخلوق کی تخلیق سے پہلے ان کے انجام سے باخبر ہے تو پھر بندے کی آزمائش کا کیا معنی ہے؟ وہ بندے کو ثابت کرنے کا موقع دیتا ہے۔ بندہ اپنے کردار سے ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ اس نے بندہ کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے کہ وہ مہلت دنیا میں اپنا راستہ خود منتخب کرے۔ اس لئے زمانے کے نشیب وفراز سے گزار کر انسان کو موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے آزاد ارادے اور اختیار سے اپنے لئے فیصلہ کرے۔ جو بندہ تنگی ترشی میں بھی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اطاعت رسول اللہ ﷺ کا دامن نہیں چھوڑتا، فراخی وقوت نصیب ہو جائے تو بھی اس کی نگاہ اطاعت رسول اللہ ﷺ پر رہتی ہے وہ نقوش کف پا کو نہیں چھوڑتا اور ہر حال میں ثابت قدم رہنے کیلئے مجاہدہ کرتا ہے وہ فلاح پا جاتا ہے۔

مجاہدہ ایک مسلسل عمل ہے۔ جس نے کلمہ طیبہ کا اقرار کر لیا وہ اسلام میں داخل ہو گیا اب اسے اتباع رسالت ﷺ کے لئے محنت کرنا پڑے گی اور زندگی بھر کرنا ہو گی جیسے ہر روز وضو کے لئے اہتمام کرنا پڑتا ہے صلوٰۃ ادا کرنے کے لئے بستر سے اٹھنا پڑتا ہے، برائی سے بچنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ نیکی کرنے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ حق پر قائم رہنے کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے اور یہی جہاد اکبر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو پانے کا سب سے بڑا وسیلہ اللہ کے نبی کریم ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن حکیم ہے۔ آپ ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرامؓ ہے۔ خیرُ القرون کی عہد ساز ہستیاں ہیں۔ درجہ بدرجہ اولیاء اللہ ہیں علماء حق علماء ربانی ہیں۔ جو محبت الٰہی کی کیفیات سے سرشار ہوتے ہیں اور طالبوں کو بتوفیق الٰہی سیراب کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ان کیفیات کے نتیجے میں بندے کے فکر و عمل میں اخلاص اور خشیت در آتی ہے۔ علماء ربانی عام دنیاوی لیڈروں کی طرح انسانی جذبات کو ہوا دے کر جمع کرنے کا کام نہیں کرتے۔ یہ بندے کے جذبات کو ابھارتے نہیں بلکہ جذبات پر کنٹرول سکھاتے ہیں۔ یہ اللہ کی محبت سینوں میں انڈیل دیتے ہیں پھر بندہ اللہ کی محبت میں ڈوب کر اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس کے لئے محنت کرتا ہے۔ خود کو اتباع رسول ﷺ پر کار بندہ رکھتا ہے۔ یہی فرمایا گیا کہ اللہ اور نبی کریم ﷺ پر ایمان

لانے والو! اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں ڈھال لو۔ اس راستے پر چلانے والے ذرائع اور وسیلے اختیار کرو۔ اگر کسی ولی اللہ سے رشتہ استوار ہو گیا ہے تو انوارات و برکات لینے کے لئے مجاہدہ کرو۔ ان کی حفاظت کے لئے مجاہدہ کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝۳۵ تاکہ کامیابی پاسکو۔

اُخروی حقائق سے منہ موڑنے کا سبب:

انسان خالق کائنات کا ایک شاہکار ہے اور اس کی خلقت اپنے اندر بڑے عجائبات رکھتی ہے جن سے کماحقہٗ آگاہ ہونا شاید اس دنیا میں ممکن نہیں۔ اس کا وجود خاکی ہے مادی اجزاء سے مرتب ہے لیکن اس میں روح عالم امر سے پھونکی گئی ہے۔ امر صفت باری ہے جس طرح اللہ کی ذات ازلی ابدی ہے اور اس کی صفات بھی ازلی ابدی ہیں۔ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ انسان کی تخلیق میں اللہ نے فانی شئے کو لافانی کا جوڑ لگا کر انسان کو بقاء دائمی عطا کر دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (سورہ الاعراف 54) عالم خلق بھی اللہ کا ہے اور عالم امر بھی اسی کا ہے۔ بدن انسانی مادی اور عالم خلق میں فنا ہے بدن میں روح عالم امر سے ہے اور عالم امر کو فنا نہیں۔ جب روح کو فنا نہیں تو بدن کو اس کے ساتھ مل کر بقاء مل جاتی ہے اس طرح بدن روح کا لباس ہے اور اس کے لئے سواری کی حیثیت رکھتا ہے۔ روح کو دوام ہے اور دنیا عارضی ہے اس عارضی دنیا میں کام کرنے کے لئے بدن ہے جب روح سلامت رہے گی تو اس کے کام کرنے کے لئے بدن بھی سلامت رہے گا جیسے زندہ انسان کو جب تک زندگی رہے اسباب و وسائل کی ضرورت رہتی ہے اور جب زندگی نہ رہے ان وسائل کی بھی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح روح اصل انسان ہے اور بدن اس کا آلہ ہے۔

تخلیق انسانی کے کئی مراحل ہیں۔ ارواح اللہ کے پاس ہیں وجود زمین میں منتشر رہتے ہیں جب اللہ کریم چاہتا ہے اس انسان کے اجزائے مادی جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں جب کسی کی تخلیق کا وقت آجاتا ہے تو مٹی میں سے کہیں اس کے لئے غذا بن کر باہر آتی ہے، کہیں دوا، کہیں پھل کی صورت میں، کہیں غلے کی صورت میں۔ والد جب غذا کھاتا ہے تو اولاد کے حصے کی جو مٹی غذا کی صورت میں اس کے جسم میں داخل ہوتی ہے وہ اس کے صلب میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ انسانی زندگی کے سفر کا ایک حصہ یہ ہے کہ پھر وہ اجزاء صلب پدر سے شکم مادر میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ شکم مادر میں جب انسانی وجود مکمل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کریم اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دیتے ہیں وہ نہ تو ہمیشہ صلب پدر میں رہتا ہے نہ ہمیشہ شکم مادر میں رہتا ہے پھر وہ دنیا میں آجاتا ہے دنیا میں جتنا وقت اسے اللہ نے عطا فرمایا ہے اتنا مقررہ وقت یہاں گزار کر وہ برزخ چلا جاتا

ہے۔ دنیا سے جانے والوں کے لئے برزخ ایک انتظارگاہ ہے جہاں سب میدانِ حشر کا انتظار کرتے ہیں جب قیامت قائم ہوگی تب تک سارے انسان وہاں پہنچ چکے ہوں گے عرصے کے اعتبار سے یا قیام کی مدت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو برزخ اور میدان حشر طویل عرصہ ہیں اور ان کی نسبت دنیا میں گزارا جانے والا عرصہ مختصر ہے۔ انسانی سفر میں اس کی زندگی کا وہ حصہ جو وہ دنیا میں بسر کرتا ہے وہ چھوٹا بھی ہے اور امتحانوں سے پُر بھی ہے اس میں اس کی ایک ہی آزمائش ہے زندگی کے ہر امتحان میں ایک ہی جانچ اور پرکھ ہے کہ اس کا انتخاب کیا ہے؟ کیا وہ اللہ کی رضا کا طالب ہے یا اس کے غضب کو دعوت دیتا ہے؟ دنیا میں رہتے بستے ہوئے دونوں میں سے ایک راستہ منتخب کرنا ہی پڑتا ہے۔ جس راستے کا انتخاب کرتا ہے اس کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

دنیا مادی ہے دنیا میں رہنے کے لئے مادی تقاضے ہیں جو مادی طریقوں سے پورے ہوتے ہیں دنیا میں رہنے بسنے کے لئے مادی عقل دی گئی ہے۔ حواس دیئے گئے ہیں۔ دنیا کو دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سامنے ہے۔ قریبی شئے کو دنیا کہتے ہیں چونکہ دنیا قریب ہے اور آخرت اوجھل ہے تو اوجھل کو قریب سمجھنے کے لئے انبیاءؑ کی رسالت کی ضرورت ہے۔ دنیا کی لذتیں ہمیں اس لئے محسوس ہوتی ہیں کہ دنیا ہمارے سامنے ہے اسے ہم خود دیکھتے ہیں ان لذتوں کو براہ راست چکھتے ہیں آخرت کو ہم نے دیکھا نہیں وہ ہم سے دور ہے۔ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔ آخرت کو ماننے کے لئے حضور نبی کریم ﷺ پر اعتبار، اعتماد اور یقین چاہیے۔ جتنا زیادہ اعتماد نصیب ہوتا چلا جاتا ہے اتنا آخرت قریب محسوس ہوتی ہے۔ آخرت ایک حقیقت بن کر سامنے رہتی ہے لیکن جب انسان بھٹکتا ہے تو دنیاوی لذات پر فریفتہ ہوکر رہ جاتا ہے چونکہ دنیاوی لذات کو حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ مال و دولت ہے۔ پھر انسان ہر صورت مال جمع کرنے میں محو ہو جاتا ہے نہ اسے آخرت یاد رہتی ہے نہ یادالٰہی۔ نہ حلال حرام کی تمیز رہتی ہے نہ اس کا احساس۔ ہر حال میں بس یہی ایک دھن سوار رہتی ہے کہ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ مال جمع ہو جائے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل کرسکے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہورہا ہے کہ جس نے کفر کا راستہ چن لیا ایمان کا راستہ نہ چنا۔ جس نے تعلیمات نبوت کا انکار کیا اور صرف مال جمع کرنے میں عمر ضائع کردی تو اس کے مال و دولت کا انجام کیا ہوگا؟ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾**

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے انسان کی جان پر جب کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ جان بچانے کے لئے جتنا مال بھی خرچ ہوتا ہے ہو جائے اور جان بچ جائے لیکن ایسا شخص جس نے ایمان کا راستہ

چھوڑ کر کفر کا راستہ اختیار کیا وہ اگر چاہے کہ مال دے کر جان بچا سکے تو ایسا ہونا ممکن نہیں۔ فرمایا کہ اگر دنیا کی ساری دولت بھی کسی کو مل جائے جو کہ محال ہے اور اس کے علاوہ بھی روئے زمین کا سارا سرمایہ اکٹھا ہو کر کسی ایک آدمی کے پاس آ جائے جو کہ محال ہے اور وہ اس سرمائے کو دے کر کفر کی مصیبت سے اپنی جان چھڑانا چاہے تو اللہ کریم اسے قبول نہیں فرمائیں گے کہ میدان حشر میں مال و دولت کی نہ کوئی حیثیت ہے نہ اس کا کوئی فائدہ۔ وہاں صرف یقین آخرت، ایمان بالغیب، اور اطاعت الٰہی و اتباع رسول ﷺ کی دولت کام آئے گی۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ جبکہ کفر پر مرنے والوں کو بہت دردناک عذاب ہوگا۔

حق یہ ہے کہ دنیا میں بیٹھ کر آخرت کی نعمتوں اور آخرت کے عذابوں کو سمجھنا مشکل ہے۔ ہم چاہیں بھی تو نہیں سمجھ سکتے سوائے اس کے کہ اللہ کریم اپنے فضل سے نبی کریم ﷺ سے ایسا تعلق عطا فرما دے کہ آپ ﷺ کے ارشادات پر ایسا یقین نصیب ہو کہ اُخروی حقائق حقیقت بن کر محسوس ہوں۔

ہمارے ایک ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکپن میں ہمیں جنت کی نعمتوں کے بارے ایک لیکچر دیا جس میں انہوں نے فرمایا کہ اللہ کریم نے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی ہیں انہیں ہم دنیا میں سمجھنا چاہیں تو جان نہیں سکتے۔ جس طرح ہم کسی ایسے شخص کو ریل گاڑی اور اس کے سفر اس کی برق رفتاری اس کی لذتوں کے بارے نہیں بتا سکتے۔ جس نے کبھی پہیہ کا زمانہ نہ پایا ہو۔ جو پہیے کی ایجاد سے پہلے کے زمانے کا شخص ہو اسے جتنی بھی معلومات ریل گاڑی کی دی جائیں گی وہ اسکے لئے بے معنی ہوں گی کیونکہ وہ انہیں سمجھ ہی نہیں سکے گا۔ اسی طرح ہم آخرت کے عذابوں اور اس کی تکالیف کو نہیں جان سکتے۔ ہم جتنا بھی چاہیں سوچ لیں۔ ہم یہاں بیٹھ کر نہیں سمجھ سکتے نہ اس کی شدت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہ اللہ کریم کی ناراضگی کا مظہر ہیں۔ اللہ پناہ دے لیکن سمجھ نہیں آتی۔ سمجھ صرف حضور اکرم ﷺ پر اعتماد کرنے سے آتی ہے اور ان عذابوں سے بچنے کی توفیق بھی عطا ہوتی ہے۔

شریعت اللہ کا حکم ہے اور حق ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جو فرمایا اس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ قرآن حکیم نے جنت کی نعمتوں کے فزوں تر ہونے کے بارے جو ارشاد فرمایا وہ حق ہے اور کفر پر عذاب الیم کی جو وعید سنائی یہ بھی حق ہے۔ ان حقائق کو موجودہ سائنس نے اس طرح واضح کیا ہے کہ ہر انسانی وجود مختلف چھوٹے چھوٹے ذرات کا مجموعہ ہے سرتا پا سب ذرات جمع کئے جائیں تو اڑھائی کھرب سیل بنتے ہیں۔ ان کا ایک اپنا جہان ہے، کتنے سیل مرجاتے ہیں اور نئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر چھ ماہ میں وجود میں تمام نئے سیل ہوتے اور تمام پرانے سیل جھڑ چکے ہوتے ہیں۔ اس حساب کتاب سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جب اللہ کریم کی نافرمانی کر کے، ایمان چھوڑ کر کوئی شخص کفر اختیار کر لیتا ہے تو دنیا میں جتنا عرصہ وہ رہتا ہے اتنے عرصہ کے تمام

ذرات اکٹھے ہو کر اس کی آخرت میں اس کے عذاب میں شریک ہوں گے۔ اگر اسے عذاب کی تکلیف ہوگی تو ہر سیل کا درد الگ ہوگا۔ اگر اسے کفر کے انتخاب پر آگ کا عذاب ہوگا تو ہر سیل کو اس کے گناہ کے برابر جلایا جائے گا۔ یوں سمجھنے کے لئے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کھربوں قسم کا درد آگ کے ایک ایک بگولے میں ہوگا۔ یہ تکلیف کتنی شدید ہوگی۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جبکہ قیامت کو یہ حقیقت بن کر سامنے نظر آنے لگ جائے گا۔

اس آیت میں اللہ کریم یہی بات ارشاد فرما رہے ہیں کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور کفر پر ہی مر گئے انہوں نے عذاب الٰہی کی پرواہ نہیں کی اور دنیا میں صرف مال جمع کرنے پر ہی لگے رہے وہ جب حشر میں ہوں گے اور عذاب الیم کی صورت دیکھیں گے تو وہ چاہیں گے کہ سارا مال و دولت دے کر اس عذاب سے بچ جائیں تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ اس بات کو اللہ کریم یوں سمجھا رہے ہیں کہ اگر کسی کے پاس روئے زمین کی ساری دولت بھی جمع ہو جائے اور وہ ساری دولت دے کر جان بچانا چاہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہ اس دولت کو قبول نہیں فرمائیں گے کہ مال ہو یا دولت یہ تو اللہ کی ملکیت ہیں۔ اس نے دنیا میں استعمال کے لئے دی تھی۔ اس کے حصول کا طریقہ بتایا تھا۔ استعمال کا سلیقہ سکھایا تھا لیکن انسان نے اتباع رسالت ﷺ کا دامن نہ پکڑا اللہ کے مال کو ناجائز ذرائع سے حاصل کیا۔ ناجائز طریقوں سے خرچ کیا۔ اب اس کا نتیجہ بھی انہیں خود ہی بھگتنا ہے۔

اسی طرح جنہیں نجات نصیب ہوگی ان کے بھی سارے سیل وجود کا حصہ بنیں گے۔ ہر نعمت جو جنتی کو نصیب ہوگی اس میں ہر سیل تک وہ راحت پہنچے گی۔ اس لئے کہ جسم کے ذرات دنیا میں نیکی کرتے وقت اس کے جسم کا حصہ تھے۔ یوں ایک ایک لقمے میں ہزاروں لذتیں نصیب ہوں گی جو یہاں شمار نہیں کی جاسکتیں۔

اس دنیا میں بس یہی آزمائش ہے کہ انسان اپنے لئے کون سا راستہ اختیار کرتا ہے؟ اس آیت میں پہلے تاکید کی گئی ہے **وَابْتَغُوٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ** اللہ کی رضا' اللہ کے قرب اور اس کی محبت کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے اور اگر اس راستے سے ہٹ گئے اور کفر پر مر گئے تو پھر خواہ ساری زندگی مال جمع کرنے پر لگادی ہو، ملے گا اتنا ہی مال جتنا مقدر تھا۔ ساری دنیا پھر بھی نہیں ملے گی۔ اور بالفرض کسی کے پاس ساری دنیا بھی آجائے تو وہ اس کو اللہ کی گرفت سے اور اس کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۳۶﴾ ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہوگا۔ عذاب تو خود عذاب ہے ویسے ہی سخت تکلیف دہ چیز ہے اس پر اللہ کریم ''الیم'' کا اضافہ کردیں تو کیا کیفیت ہوگی؟ اللہ پناہ دے **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ** وہ تو

چاہیں گے کہ اس آگ سے جہنم کی آگ سے کسی طرح نکل جائیں **وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا** لیکن اس آگ سے نکل نہ سکیں گے اس آگ سے نکلنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔ **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** ﴿۳۷﴾

عذاب مقیم:

یہ عذاب ان پر ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ چونکہ انسان کو ابدالآباد کی زندگی جینا ہے خواہ کفر کے نتیجے میں جہنم میں پہنچے یا ایمان وعمل صالح کے نتیجے میں اللہ کی رحمت پاکر جنت میں داخل ہو وہ ہمیشہ رہے گا انسان کو ختم نہیں ہونا۔ اسی طرح عذاب مقیم سے بھی یہی مراد ہے کہ نہ انسان کو موت آئے گی نہ اس کا عذاب ختم ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ اس پر رہے گا۔

دنیا میں انسان کے لئے دونوں راستے کھلے ہیں دعوت الی اللہ مل رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالی موجود ہیں۔ کتاب الٰہی اور اس کی تفسیر سنت رسول اللہ ﷺ موجود ہے۔

آج ہم مسلمان اپنے سارے اسلامی علوم رکھتے ہوئے عبادات ونیکی کے کام کرنے کے باوجود کیوں بحیثیت مسلمان قوم تباہی کا شکار ہیں؟ کیوں ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ جب اللہ کریم کسی سے ناراض ہو تو اس پر یہ عذاب آتا ہے کہ وہ قوم فرقوں اور گروہوں میں طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ہر گروہ دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ یہ اجتماعی عذاب ہے جو قوم پر آچکا ہے۔

اس آیت کے تناظر میں، ملکی مسائل اور ان کا حل:

ملک میں حالات یہ ہیں کہ بلوچستان میں سو سے زیادہ تحریکیں چل رہی ہیں جو متشدّد اور مسلح ہیں اور اسلحہ بھی استعمال کر رہی ہیں یہ ساری علیحدگی پسند تحریکیں ہیں۔ یہ چاہتی ہیں کہ انہیں ایک ٹکڑا زمین دے دیا جائے اور یہ علیحدہ ملک بنالیں۔ لیکن وہ جنہیں کبھی طالبان، کبھی عسکریت پسند اور کبھی دہشت گرد کہا جاتا ہے کیا انہوں نے کسی علیحدہ ملک کا مطالبہ کیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر لڑائی کس بات پر ہے؟ ہمارے سیاست دان کہتے ہیں کہ وہ اپنے خود ساختہ اسلام کو پورے ملک پر نافذ کرنا چاہتے ہیں ان کا مطالبہ ہے کہ نظام ریاست، نظام سلطنت، نظام حکومت کو اسلامی کیا جائے۔

ہم یہ مان لیتے ہیں کہ انہوں نے تشدد کا راستہ اپنا کر اسے اسلام قرار دے دیا ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ وہ غلطی کر رہے ہیں اور یہ ان کی بہت بڑی زیادتی ہے کہ اگر وہ اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں تو اس کے لئے بندوق اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ کوئی کافر ملک نہیں ہے۔ ان کے سامنے بھی مسلمان ہیں۔ ان سے دلیل سے بات

کریں۔ گولی چلانے اور بم پھینکنے کی قطعاً ضرورت نہیں اور ان کا یہ عمل سراسر زیادتی ہے۔ لیکن ہمارے سیاست دان دینی جماعتیں خود کیوں اسلام نافذ نہیں کر رہے؟ طالبان کو تو چھوڑو کہ ان کا طریقہ درست نہیں ہے جس اسلام کو طالبان لانا چاہتے ہیں اسے بھی رہنے دو لیکن جو صحیح اسلام ہے اسے تو نافذ کرو۔ جس اسلام کے لئے پاکستان بنا تھا اسلام کو نافذ کرنا تو حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہے حکومت خود اس کو نافذ کر دے۔ ملک میں چوٹی کے علماء موجود ہیں۔ حکمران اور علماء مل کر اسلام نافذ کریں۔ لیکن بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کے سیاستدانوں کو حکمرانوں کو اور مقتدر طبقے کو نفاذ اسلام قبول نہیں وہ اسلام نافذ کرنا نہیں چاہتے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ پھر پاکستان کیوں بنا؟ اگر اسلام نافذ نہیں ہونا تھا تو پھر جب انگریز برصغیر سے جا رہے تھے تو متحدہ ہندوستان بن جاتا جو نظام سلطنت انگریز نے دیا تھا حکمران اس کے مطابق اسے چلاتے رہتے۔ پھر پاکستان کیوں بنایا گیا؟ پاکستان اس لئے بنایا گیا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی حکمرانی ہو اور انگریز کا غلامانہ نظام ختم ہو۔ پاکستان پر اسلام کا نظام قائم ہو جہاں ہر ایک کو ملک کا شہری ہونے کے ناطے مساوی حقوق حاصل ہوں۔ ہر فرد کو زندہ رہنے کا حق ملے۔ اس کے بچوں کو تعلیم ملے۔ علاج معالجے کی سہولتیں ملیں۔ تعلیم اور روزگار کے مواقع ملیں۔ اسلام کا نظام عدل ہو جس میں فوری سستا اور حقیقی انصاف ملے۔ بلاشک عسکریت پسند اور دہشت گرد جو غلطی کر رہے ہیں ہم ان کی مذمت کرتے ہیں لیکن اسلام نافذ نہ کر کے اور عوام کو ظلم کی چکی میں پیسنے کا جو جرم حکمران طبقہ کر رہا ہے ہمیں اس کی بھی تائید نہیں کرنی چاہیے۔ کم از کم اب تو ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے کہ انگریز نے جو ظالمانہ نظام نافذ کیا تھا وہ اس کی پوری قوت کے باوجود زیادہ دیر نہ چل سکا۔ لوگوں نے بغاوت کر دی اور انہیں ملک چھوڑنا پڑا۔ برسر اقتدار چالیس خاندانوں نے بھی اکسٹھ برس یہ نظام چلا لیا اور یہ ان کی بڑی کامیابی ہے۔ ان کی دو نسلیں عیش کر گئیں اب رک جائیں۔ بس کر دیں۔

فرقوں اور گروہوں میں بٹ جانا عذاب الٰہی ہے۔ اپنی بنیاد پر واپس آئے بغیر امن محال ہے۔ ہماری ملت کی بنیاد اسلام ہے۔ گذشتہ حالات پر نظر ڈال کر دیکھا جا سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان کیوں جدا ہوا؟ دانشور سیاستدان بہت کچھ کہتے ہیں کبھی کسی کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کبھی کسی کو۔ لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہمارے اکٹھا ہونے کی بنیاد اسلام تھی۔ باوجود مختلف زبان، مختلف رہن سہن، مختلف موسم، مختلف حالات کے ہم اکٹھے ہوئے تھے جس قوت نے ہمیں اکٹھا کیا تھا وہ اسلام تھا۔ جب نظام کو اسلامی نہیں کیا گیا تو انہیں اکٹھا رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں کافرانہ نظام کے تحت ہی رہنا تھا، انگریز کے تیار کردہ غلامانہ نظام کو ہی جاری رکھنا تھا تو پھر

انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنی حکومت ایک ہزار میل کی دوری پر کسی کو سونپتے؟ انہیں علیحدہ ہونا تھا سو وہ الگ ہو گئے ۔ یہ بات کوئی سیاستدان حکمران یا دینی سیاسی جماعتوں کے سربراہان بھی نہیں کہتے ۔ کوئی اسلام اور اسلامی نظام کا نام نہیں لیتا ۔ دینی مدارس کے سربراہ بھی نہیں لیتے ۔ ہر کوئی عیش کر رہا ہے ۔ اسلام کے لئے گنجائش کسی کے پاس نہیں ۔

عوام کو محنت کرنا ہے لیکن محنت کی کمائی پر جبراً ٹیکس لیا جاتا ہے اور پھر حکمرانوں کی عیاشیوں کی نذر ہو جاتا ہے ۔ انگریزوں نے برصغیر پر ظلماً' جبراً قبضہ کیا عوام پر ٹیکسوں کی بھرمار کی ۔ اس لئے کہ ہم اس وقت غلام تھے ہمارے آج کے حکمرانوں نے ملک فتح تو نہیں کیا لیکن اسی فیصد ایسے ٹیکس ہم پر لاگو ہیں جو نظر نہیں آتے ۔ کفن کے کپڑے پر بھی ستر قسم کے ٹیکس ہیں ۔ آبیانہ کی مد پر ٹیکس ہے ، تیل پر ٹیکس ہے ، ٹریکٹر ، کھاد ، روئی ، سوت پر ٹیکس ہے ۔ کپڑا رنگنے پر ، کپڑا مارکیٹ میں لانے پر ، پرچون کی دکان پر ، پرچون کی اشیاء پر ٹیکس ہے ۔ اشیائے ضرورت میں سے بالفرض کوئی شئے پانچ روپے کی ہے تو اس پر پندرہ روپے ٹیکس ہے ۔

یہ ہے وہ جمہوریت جس میں عوام پستی ہے اور حکمران ، سیاستدان ، دینی سیاسی جماعتوں کے سربراہاں سب عیش کرتے ہیں اور جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں ۔

قرآن حکیم کھول کھول کر بیان کر رہا ہے ۔ صرف یہی دنیا نہیں ہے جہاں لوگوں کو غلام بنا کر لوگ عیش کر لیں گے بلکہ اس سے آگے بھی ایک دنیا ہے ۔ جو حقیقی ہے ، دائمی ہے ، جہاں ہر ایک کو اپنا اپنا حساب دینا ہے ۔ جس کے پاس حکومت ہے اسے ان کروڑوں لوگوں کے حقوق غصب کرنے کا حساب بھی دینا ہے ۔

موجودہ دہشت گردی میری ذاتی رائے میں عذاب الٰہی ہے ۔ عذاب الٰہی تیروں توپوں اور بندوقوں سے نہیں ٹلا کرتا ۔ عذاب توبہ کرنے سے ٹلا کرتا ہے ۔ حکمرانوں کو ، علماء کو ، مشائخ کو اور پیروں کو اور عوام الناس کو سب کو چاہیے کہ اللہ کریم سے توبہ کریں ۔ معافی مانگیں جو گزر گیا اس پر نادم ہوں آئندہ کے لئے تمام بنی نوع انسان کو انسانی حقوق دیں ۔ اپنے ذاتی معاملات میں ملکی معاملات میں انصاف لائیں ۔ جب ہر فرد کو اس کا حق دلانے کی پوری کوشش کی جائے گی تو اللہ عذاب ہٹا دے گا ۔ وہ بڑا کریم ہے ۔ جہاں کوئی ارادہ کر لے کوشش شروع کر دے اللہ کریم اصلاح کی توفیق عطا کر دیتے ہیں ۔

اللہ کریم فرماتے ہیں مومن کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ صرف مال جمع کرتا رہے اور اللہ کی اطاعت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے ۔ یہ تو کافر کا خاصہ ہے کہ اسے آخرت کا یقین نہیں ۔ اسے اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں اور وہ ہر صورت مال جمع کرنے میں لگا رہتا ہے لیکن اس کا انجام یہ ہوگا کہ جب آخرت کا عذاب

سامنے ہوگا تو وہ چاہے گا کہ دنیا بھر کا مال دگنا ہوتا اور اس کے پاس ہوتا تا کہ وہ دے کر جان چھڑا لیتا۔ لیکن وہ اس وقت اپنی جان عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا۔ اس عذاب سے نجات کا طریقہ دنیا میں دعا کرنا ہے۔ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ ہر بندہ توبہ کر کے اپنی اصلاح میں لگ جائے۔ دوسرا صحیح نہیں ہے تو ہم اپنے آپ کو صحیح کر لیں کیا پتہ اللہ کس کی توبہ قبول کر لے اور قوم پر رحم فرمائے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

چوری کرنے والا مرد ہے یا چوری کرنے والی عورت ان کے لئے اللہ کی مقرر کردہ سزا یہ ہے کہ ان کا دائیاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

اللہ کریم نے معاشرے کا احتساب صرف آخرت پر نہیں اٹھا رکھا:

آخرت یقینی ہے لیکن اللہ کریم نے تمام معاملات کو آخرت پر نہیں چھوڑا بلکہ دنیا میں معاشرے کی سلامتی کے لئے جزا و سزا کے قیام کو ضروری قرار دیا ہے۔ معاشرے کو عدل کے اصول عطا کئے ہیں۔ جو قوم بھی ان اصولوں کو دیانتداری سے اپنائے گی اسے من حیث القوم حیات ملتی رہے گی۔

اسلام میں سزاؤں کی دو اقسام ہیں۔ حدود اور تعزیرات۔ جن جرائم پر حد جاری ہوتی ہے وہ ڈاکہ، چوری، بدکاری، شراب خوری، اور زنا کی جھوٹی تہمت لگانا ہے۔ یہ سزائیں ہیں جو اللہ کریم نے خود مقرر کی ہیں۔ اسلامی عدالتی نظام کے ذمے شہادت جمع کرنا ہوگا۔ مجرم خود اقبال جرم کر لے یا اس پر ایسی بھرپور شہادت مہیا ہو جائے جو ثابت کر دے کہ یہ مجرم ہے تو اس پر حد جاری ہوگی اور وہی سزا دی جائے گی جو اللہ نے مقرر کر دی ہے۔ عدالت یا قاضی اپنی طرف سے سزا دینے کا مجاز نہیں ہے۔ شہادت قبول کرنے کے لئے بھی بہت سی شرائط رکھی گئی ہیں۔ مثلاً گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھی شہرت کا حامل ہو۔ سزا یافتہ نہ ہو۔ کسی طور پر داغدار کردار کا مالک نہ ہو۔ اخلاقی طور پر مُسلّم ہو۔ اس حد تک احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جو شخص چلتے پھرتے کھاتا پیتا ہو یعنی سڑک پر جا بھی رہا ہو اور کھا پی بھی رہا ہو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی شہادت قبول کی جائے۔ یہ اصول قائم کئے گئے ہیں کہ جتنا بڑا جرم ہے اتنی بڑی سزا ہے اس لئے حدود جیسی سزاؤں کے لئے شہادت کا ضابطہ بھی بہت سخت ہے۔

مذکورہ بالا جرائم کے علاوہ دیگر تمام جرائم کو تعزیرات کہا جاتا ہے۔ ان کی سزا عدالت کی صوابدید پر چھوڑی گئی ہے۔ نظام عدالت مختلف جرائم، ان کی نوعیت، حالات اور وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے شہادتوں کو پرکھ کر قاضی کی صوابدید پر چھوڑتا ہے کہ اسے اس کی عمر، اور اس کے حالات کے مطابق سزا دے۔ خواہ جرمانہ

کرے یا قید کرے یا کوئی اور سزا دے۔

اسلامی سزائیں اصلاح معاشرہ کی ضامن ہیں:

اسلام میں سزا کا مقصد مجرم کو محض تکلیف پہنچانا نہیں ہے بلکہ سزا کا مقصود معاشرے کی اصلاح ہے۔ جیسا کہ قصاص لینے کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۹﴾ (سورہ البقرہ آیت 179) اے اہل دانش! بدلہ لے لینے میں قوموں کی زندگی ہے۔ جو قومیں انصاف کرتی ہیں وہ زندہ رہتی ہیں جو انصاف نہیں کرتیں وہ ظلم کے راستے پر چل پڑتی ہیں۔ ایک دوسرے کی دشمنی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ خانہ جنگی کا شکار ہو کر مٹ جاتی ہیں۔ اسلام نے انسانیت کو وہ روشن دور دیا ہے جس میں اصلاح معاشرہ کا نظام عملاً جاری ہوا اور بعد میں آنے والی تمام اقوام نے اسلام کے سدا بہار پودے سے خوشہ چینی کی اور اپنی اقوام کو بام عروج پر پہنچایا لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم قرآن کے ضابطہ سزا و جزاء کی رحمتوں سے ناواقف ہو چکے ہیں اور جو اسلامی احکام معاشرے کی بقا کے ضامن ہیں انہیں ہم دوسری اقوام کے حوالے سے پہچاننے میں فخر محسوس کرتے ہیں مثلاً قرآن حکیم نے واضح اصول دیا ہے کہ قوموں کی زندگی اور وقار عدل و انصاف میں ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۹﴾ (البقرہ آیت 179) لیکن ہمارے دانشور اور سیاستدان اسی بات کو چرچل کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ جب تک ہمارے ہاں عدالتیں انصاف کرتی رہیں گی ہم بچے رہیں گے۔ یہ ہماری ذہنی غلامی کی انتہا ہے۔ اقوام مغرب کی موجودہ ترقی کا سارا فلسفہ اور ساری تفصیلات اسلامی نظام حیات سے مستعار ہیں۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جب اسلام عدل کا درس دے رہا تھا تو امریکہ مفروروں کی آماجگاہ تھا۔ ہر ملک کے مجرم مفرور وہاں پناہ لیتے تھے۔ اہل مغرب نے مسلمانوں کے درخشاں ماضی کی کھوج لگا کر معلوم کیا کہ کن اصولوں کی پاسداری نے اس قوم کو ہر جگہ ہر قسم کے مختلف حالات میں کامران و سرفراز کیا تھا اور انہوں نے اپنے ملکوں میں اسے نافذ کر کے فلاحی ریاستیں بنا ڈالیں ورنہ جب اسلامی ریاست میں روشنیاں اور تعلیم عام تھی یورپ میں تہذیب نام کی کوئی شئے نہ تھی۔ ہم آج بھی مغرب سے اپنے کھوئے ہوئے اصول سیکھنے کے بجائے ان کے خلافِ اسلام رسومات و عادات اپناتے ہیں اور بے راہروی کو تہذیب سمجھ کر ان سے مرعوب ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ انگریز کی برصغیر پر سو سالہ حکومت میں ہماری چند نسلیں گزر گئیں۔ غلامی کے جو جراثیم ہمارے ذہنوں میں گھسے ہیں وہ آگے منتقل ہوتے گئے۔ اور آج بھی ہم انگریز کو برتر سمجھ کر ان کی طرح رہنا سہنا اخلاق و تہذیب یہاں تک کہ گفتگو کے انداز تک کو نقل کرنے میں عزت سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے

جو صاحب حیثیت ہو جاتے ہیں ان کا صاحب بنے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ یوں تو سب انسان آدمؑ کی اولاد ہونے میں برابر ہیں لیکن جب معاشرہ قبیلوں، خاندانوں اور شعوب میں بٹ جاتا ہے تو ہر خاندان و قبیلے کے کچھ مخصوص عادات واطوار ہوتے ہیں جو اگلی نسل کو تربیت اور موروثیت کے سبب منتقل ہوتے رہتے ہیں پھر معاشرے میں جو خاندان جس حیثیت سے زندگی گزارتا ہے جن پیشوں سے منسلک ہوتا ہے وہی اندازِ فکر اگلی نسلوں میں سرایت کرتا چلا جاتا ہے اور یوں اولادِ آدمؑ ہونے کے باوجود ذہن وفکر عادات واطوار میں فرق آجاتا ہے۔ ہمارے اندر بھی بحیثیت قوم انگریز کی غلامی ذہنوں میں اس طرح جم گئی ہے کہ ابھی تک ہماری قیادت میں کوئی آزاد ذہن نظر نہیں آتا۔ کاش! ہم نے انگریز سے لڑ کر غلامی لی ہوتی اسے اس کی تہذیب سمیت ٹھکرایا ہوتا تو آج ہم آزاد ہوتے۔ فرمایا جو مرد یا عورت چوری کرے اس پر چوری ثابت ہو جائے شرعی شہادتوں کے ساتھ ثابت ہو جائے **فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا** ان کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ **جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾** یہ ان کے برے عمل کی سزا ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔ وہ ایسا حکیم ہے کہ اس کے سارے فرمان حکمت سے پر ہیں۔ اس کے احکام میں انسانیت کی بہتری ہے اور قوموں کی حیات ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ بڑے سے بڑا گناہ کرنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص تائب ہو جاتا ہے اصلاح احوال کر لیتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ کسی پر چوری ثابت بھی ہوگئی۔ اس کا ہاتھ بطور سزا کٹ بھی گیا اور اس نے آئندہ کے لئے توبہ کر لی۔ پچھلے گناہ پر نادم ہو گیا تو اللہ کی رحمت بھی بہت وسیع ہے وہ اس کی اُخروی سزا معاف فرما دے گا۔

ظلم وزیادتی کے بعد توبہ کیا ہے؟

اللہ کے حضور زبانی توبہ کرنے کے ساتھ اصول یہ ہے کہ اگر کسی کا مال لیا ہے تو اسے لوٹائے۔ کسی کی توہین کی ہے تو اس سے معافی چاہے۔ کسی عہدے پر رہ کر کوئی جرم کیا ہے تو ازالہ کرے۔ کسی حقدار کا حق غصب کیا تھا تو اگر وہ موجود ہے تو اس کا ازالہ کرے۔ کسی امانت میں خیانت کی ہے یا مال ہڑپ کیا تھا تو انہیں لوٹائے اگر وہ لوگ کہیں چلے گئے یا فوت ہو گئے تو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اس کا ثواب انہیں پہنچائے۔ آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پکا عہد کرے اور اللہ سے معافی چاہے۔ **وَاَصْلَحَ** جو جرم ہو چکا ہے اس کی اصلاح کرے۔ آئندہ کے لئے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرے۔ **فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ** تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ اسے نیکی کی توفیق دے گا۔ اسے آخرت کی رسوائی سے پناہ

دے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اللہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا رحیم ہے اور بخشنے والا ہے۔ انسانی علم اور عقل اس کی رحمت کا احاطہ نہیں کر سکتی، ہم نہیں جان سکتے کہ وہ کتنا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کیا تو نہیں جانتا کہ زمینوں اور آسمانوں کی سلطنت اور بادشاہی صرف اللہ کی ہے۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ اس نے جزا و سزا کا جو نظام مقرر کیا ہے وہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور وہ حقیقی مالک ہے جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کرے کوئی اعتراض کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود اس کی سزا میں بھی حکمت ہے اور جزا میں بھی حکمت ہے اس کے فیصلے ہر طرح سے خیر اور بھلائی اور حکمتوں سے پر ہیں۔ اگر انسان کی ناقص عقل اس کی حکمت کو نہیں سمجھ سکتی تو پھر اسے اعتراض کرنے کا بھی حق حاصل نہیں۔ انسان مخلوق ہو کر خالق کے فیصلوں پر کیونکر اعتراض کر سکتا ہے؟ کیا اس کی کسی حیثیت سے خالق کے کاموں میں شراکت ہے؟ مخلوقات کی موت و حیات میں یا انہیں رزق دینے میں یا زمینوں و آسمانوں کی تخلیق میں؟ کہاں اس کی شراکت ہے کہ وہ خود کو اعتراض کے قابل سمجھتا ہے! اس کی اپنی حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حقیر پانی سے تخلیق ہوا۔ بچہ تھا تو خود پر سے مکھی نہیں ہٹا سکتا تھا اللہ نے اسے طاقت دی۔ بڑا کیا۔ ذہن اور صلاحیتیں دیں۔ زندگی دی۔ کل کو موت آجائے گی تو زیر زمین دفن ہو جائے گا کیڑے مکوڑوں کو اپنے وجود سے دور نہ کر سکے گا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ اے میرے حبیب ﷺ آپ ان کے لئے دکھ محسوس نہ کریں جو کفر میں اندھا دھند آگے بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ ۚ یہ زبان سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ پر ایمان لائے۔ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے۔ اگر ان کے دل مانتے تو یہ آپ ﷺ کا اتباع کرتے۔ احکام الٰہی پر عمل کرتے۔ اگر ان کے دل مانتے تو یہ آپ ﷺ کی غلامی میں آجاتے لیکن ایمان ان کے دلوں میں نہیں ہے اس لئے یہ لین دین اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ ہر کام میں یہ خود مختار ہیں معیشت میں سود کو روا رکھتے ہیں۔ چوری ڈاکہ اور جھوٹ جو چاہیں کر لیتے ہیں اور یہ ان کا روزمرہ کا معمول ہے اور پھر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں ان کے دل ایمان نہیں لائے صرف زبانیں کہہ رہی ہیں۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں یہ منافق ہیں۔

یہ بڑی غور طلب بات ہے کہ قرآن حکیم گزشتہ اقوام کے گمراہ کن رویے کا ذکر کر کے مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اس طرزِ عمل سے باز رہو تو ہمیں بھی قرآن حکیم پڑھتے ہوئے ان باتوں پر غور کرنا چاہیے کہ وہ زبانی کہتے تھے کہ ان کا اللہ پر ایمان ہے لیکن ان کا کردار بتاتا تھا کہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے دوستی

کافروں کے ساتھ کردار کافروں جیسا۔ سود کھانے اور شراب پینے میں کافروں جیسے دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں دیدہ دلیر اور ہر برائی پر بے خوف ہو کر عمل کرنے والے۔ فرمایا یہ آپ کو دکھ پہنچانے کا سبب ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دکھی نہ ہوں۔ خواہ وہ منافق لوگ ہوں یا ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں۔ یہ دونوں طرح کے لوگ جھوٹ سننے کے عادی ہیں۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یہ اپنے علماء کی جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں جو ان کی کتاب میں تحریف کر کے انہیں سنائی جاتی رہیں یعنی ان کے مغضوب وملعون ہونے کی ایک ہی وجہ کافی ہے کہ یہ جھوٹ سننے کی عادی ہیں۔ اگر جھوٹ سننا اتنا بڑا جرم ہے کہ دل کو سیاہ کر دیتا ہے تو جھوٹ کہنا کتنا بڑا جرم ہوگا۔ اور اگر یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات سنتے بھی ہیں تو صرف اس لئے کہ مسلمانوں کے احوال کی جاسوسی کر کے کافر اقوام کو بتائیں۔ اور جو کچھ سنتے ہیں وہ بھی سچ نہیں بتاتے بلکہ اس میں تحریف کرتے ہیں جیسی اپنی کتاب میں تحریف کی۔ یعنی اس میں تبدیلی کر دیتے الفاظ بدل دیتے اور اپنے مطلب کی باتیں گھڑ لیتے۔ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ اور اپنے لوگوں کو کہتے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہیں یہ حکم ملے تو قبول کر لینا۔ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ اگر اس کے خلاف کوئی اور ہو تو رہنے دینا۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ سلوک کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کی ایذا کا سبب بننا اور غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ ان کا یہ جرم ایسا ہے کہ اس کے بدلے اللہ نے انہیں فتنوں، فساد، خانہ جنگی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی میں مبتلا کر دیا لہٰذا جسے اللہ عذاب دینے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟

مسلمانوں کے لئے سبق:

بحیثیت قوم ہمیں ان آیات مبارکہ کو بہت غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اپنا دل کھول کر سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم کہتے کیا ہیں اور ہمارا کردار کیا ہے؟ تبلیغ کے لئے چلے لگاتے ہیں داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں فرائض کے علاوہ تہجد اور نوافل کی پابندی ہو رہی ہے لیکن سود کھا رہے ہیں۔ یہ نفاق ہے کہ اللہ کے آگے سجدے بھی ہو رہے ہیں اور سود کھا کر اللہ سے اعلان جنگ بھی کر رکھا ہے۔ قرآن حکیم نے کہا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (سورہ البقرہ آیت 279) یہ کیا ہے یہ دوغلہ پن ہے کہ زبان سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور اسلام پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ یہ روّیہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب ہے کہ صرف زبان کہتی رہے

کہ ہم مسلمان ہیں اور دل اسلام سے نہیں بلکہ کفر کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ ایذائے رسولؐ ایذائے پیغمبر ﷺ اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ نہیں چاہتا ہے کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلت کا شکار ہوتے ہیں اور آخرت میں بہت بڑے عذاب سے دوچار ہوں گے۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ یہودیوں کا ایک بہت بڑا ظلم یہ تھا کہ وہ جھوٹی باتیں سننا پسند کرتے تھے۔

اسلام میں اس بات کو سخت ناپسند کیا گیا ہے کہ بندہ وہ تعریف سننا چاہے جو خوبی اس میں نہیں ہے۔ اسلام نے تعمیر شخصیت کے لئے اصول یہ رکھا ہے کہ بندہ خود اپنی حیثیت کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو اور اس کی بنیاد یہ عقیدہ ہو کہ عظمت صرف اللہ کے لئے ہے۔ دنیا میں اگر اللہ نے اسے حکمران بنا دیا ہے تو یہ اللہ کی عطا ہے۔ صدر ہو یا عوام، افسر ہو یا ماتحت، بڑا ہو یا چھوٹا ہو بندہ ہونے میں سب برابر ہیں ایک جیسے ہیں۔ آج زندگی اور توفیق عمل نصیب ہے تو کل موت بھی آئے گی۔ محاسبہ بھی ہوگا اور اللہ کریم کے روبرو حساب دینا ہوگا۔ لہٰذا اپنے بندہ ہونے کا احساس رہے تو درست ہے ورنہ اپنی جھوٹی حیثیت بنانے کا شکار ہو جائے گا۔ ایسا کرنا بھی جھوٹ سننے کے زمرے میں آئے گا۔ سوچنا چاہیے کہ اگر جھوٹ سننا اتنا بڑا جرم ہے تو جھوٹ بولنا کتنا بڑا جرم ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ کسی بندے کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات آگے پہنچا دے اور یہ تحقیق نہ کرے کہ وہ بات صحیح ہے یا غلط۔ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ اور حرام کھاتے ہیں۔ علماء حق نے سُحت کی تعریف یہ کی ہے کہ جس کام کے کرنے کی کوئی تنخواہ لے رہا ہو اسی کام کے کرنے کے لئے وہ زائد رقم وغیرہ کا مطالبہ کرے یعنی لوگوں کے جائز کاموں کو وہ بغیر پیسے لئے نہ کرے تو وہ سُحت ہے اور حرام ہے اور اگر کوئی کام ہی غلط کروائے اور پیسے دے کر کروائے تو یہ رشوت ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ (بخاری مسلم) اللہ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر۔

رشوت اور سُحت:

رشوت یہ ہے کہ کوئی شخص وہ چیز لینا چاہے جو اس کا حق نہیں ہے اور اس کے حصول کے لئے کسی کو پیسے دے اور دوسرا پیسے لے کر وہ چیز اسے دے دے۔ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں حرام کام کے مرتکب ہوتے ہیں اور دونوں کے لئے جہنم کی وعید ہے۔

اگر کسی کا جائز کام ہے۔ اس کو اپنا حق لینا ہے۔ اس کے لئے اس نے سرکاری ادارے سے کام

کروانا ہے لیکن وہ لوگ کام نہیں کرتے جب تک انہیں پیسے نہ دیئے جائیں تو جو شخص اس طرح پیسے لے گا وہ سُحت ہوگا۔ سُحت لینے والے کے لئے حرام ہے اور دینے والے کے لئے ایسا ہے جیسا کسی ڈاکو نے چھین لیا۔

فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْــٴًـا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾ اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ آپ ﷺ فیصلہ فرما دیں یا ان سے اعراض کریں۔ واقعہ یہ تھا کہ ان کے کسی امیر زادے سے جرم ہوگیا وہ اسے سزا سے بچانا چاہتے تھے اس پر یہودیوں کا آپس میں تنازعہ ہوگیا۔ انہوں نے یہ حیلہ سوچا کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جا کر جھوٹ بول کر، جھوٹی شہادت دے کر مقدمہ اپنے حق میں کرا لیتے ہیں۔ یہ سوچ کر یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس مقدمہ لے کر آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرما دیا کہ یہ بے دین اور منافق لوگ ہیں ان کے کردار کے سبب اللہ نے ان کے دل سیاہ کر دیئے ہیں۔ یہ جھوٹ سننے کے عادی ہیں اور حرام کھانے والے ہیں۔ یہ آپ کے پاس مقدمہ لے کر آئیں گے لیکن ان کی نیت صاف نہیں ہے۔ اس لئے اے میرے حبیب ﷺ آپ کو اختیار ہے کہ آپ ان کے جھگڑے کا فیصلہ فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ دونوں صورتوں میں اللہ آپ سے راضی ہے اور اگر آپ ان کے لئے فیصلہ صادر فرمائیں تو اپنی شان رسالت کو پیش نظر رکھ کر عین عدل کے مطابق فیصلہ فرمائیں اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾ اللہ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ وَ كَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ان کے پاس تورات ہے تو پھر اس میں جو فیصلہ ہے اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر تو ان کا ایمان ہی نہیں ہے تو جس کتاب پر ان کا ایمان ہے اور اس میں اللہ کے احکام موجود ہیں تو پھر انہیں فیصلہ اپنی کتاب سے لینا چاہیے۔ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ لیکن یہ وہ ہیں جو اپنی کتاب کو ماننے، پڑھنے، سمجھنے کے بعد اس سے پھر جاتے ہیں۔ اس پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔ اور اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے سے بچنے کے لئے آپ ﷺ سے جھوٹ بول کر اپنے حق میں فیصلہ لینے کے لئے یہ سارا تکلف کر رہے ہیں وَمَاۤ اُولٰٓىٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۳﴾ یہ ہرگز ایمان والے نہیں۔ یہ اپنی کتاب کو ماننے کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں اگر اس پر عمل نہیں کرتے اس کے فیصلے نہیں مانتے تو یہ اپنی کتاب پر بھی ایمان رکھنے والے نہیں ہیں۔

یہ آیات ہمارے لئے آئینہ ہیں۔ جس میں ہم اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہیں کہ صبح سے شام تک ہم زندگی کے کتنے امور قرآن حکیم کے مطابق انجام دیتے ہیں اور کتنے ایسے اعمال کرتے ہیں جن سے قرآن کریم ہمیں منع فرماتا ہے۔

سورہ المائدہ رکوع 7 آیات 44 تا 50

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ
أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن
كِتَـٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا
تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ
هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَ
ٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ
وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ
يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِم
بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَـٰهُ
ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَ
هُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ
فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَـٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾
وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ
عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ
شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَلَـٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِى مَآ ءَاتَىٰكُم

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ
ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ
يَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کی اقراری ہو گئے تھے سو تم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کے بدلہ میں متاع قلیل مت لو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں ﴿۴۴﴾ اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا اور جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں ﴿۴۵﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا اور اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتی تھی۔ اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ﴿۴۶﴾ اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے

موافق حکم کیا کریں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں ﴿۴۷﴾ اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے تو ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا تا کہ جو دین تم کو یاد ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمائیں تو مفید باتوں کی طرف دوڑو تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۴۸﴾ اور ہم مکرر کر دیتے ہیں کہ آپ ان سے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھیے کہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلا دیں پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس اللہ ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعض جرائم پر ان کو سزا دیں اور زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں یہ لوگ پھر کیا زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے اچھا کون ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک ﴿۵۰﴾

خلاصہ ومعارف

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰٮةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ فرمایا یقیناً ہم نے

تورات نازل فرمائی، فِيهَا هُدًى اس میں راہ حق کی راہنمائی تھی۔ سچے اور مبنی برحق فیصلے کرنے کے لئے اصول وضوابط تھے۔ وَنُورٌ ایک روشنی تھی جو دنیا کی تاریکیوں میں راستے روشن کر دیتی تھی۔ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا اللہ کے برگزیدہ بندے کلی طور پر اللہ کے فرمانبردار اور مطیع انبیاءؑ ورسلؑ اسی نور یعنی کتاب الٰہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ اور یہود کے علمائے ربانی اور علماء ظاہر کتاب الٰہی کے مطابق ہی احکام الٰہی یہود کو بتاتے تھے اس لئے کہ انبیاءؑ نے انہیں اللہ کی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری عطا کی تھی اور انہوں نے اس کا اقرار کیا تھا۔

پہلی کتابوں کو وہ حفاظت الٰہیہ حاصل نہیں تھی جو قرآن حکیم کو حاصل ہے۔ سو علمائے ربانی اور علماء ظاہر کو انبیاءؑ نے حکم دیا تھا کہ وہ کتاب الٰہی کی حفاظت کریں یعنی الفاظ کی بھی حفاظت کریں، مفاہیم کی بھی اور اس کے احکام پر عمل کر کے اس کی حفاظت کا حق ادا کریں۔ علماء ربانی انہیں کہتے ہیں جن کے پاس علم بھی ہو اور برکات نبوت سے جن کے سینے بھی روشن ہوں یعنی اہل اللہ اور احبار سے مراد علماء ظواہر ہیں جن کے پاس دین کا علم تو ہو کیفیات قلبی نہ ہوں۔ علوم دین علمائے ربانی کے قلوب میں راسخ ہوتے ہیں اس لئے ان سے بددیانتی محال ہے لیکن علماء ظواہر کے پاس علم ظاہری ہوتا ہے کیفیات قلبی نہیں ہوتیں اس لئے ان سے کوتاہیاں ممکن ہوتی ہیں۔ فرمایا وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ان علماء ربانی اور علماء ظواہر نے اس ذمہ داری کا اقرار بھی کیا اور اس کی گواہی بھی دی کہ وہ ایسا ہی کریں گے فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا فرمایا ایسا نہ ہو کہ لوگوں سے ڈر کر میرے احکام بدل دو۔ لوگوں سے نہ ڈرو، اللہ کی عظمت سے ڈرو۔ یہ کیا بات ہوئی کہ بندوں کو خوش کرنے کے لئے اللہ کا حکم بدل دیا جائے۔ کیا حشر میں حساب اللہ کے حضور پیش کرنا ہے یا بندوں کو دینا ہے کہ ان کے رعب میں آکر یا مال ودولت لے کر احکام الٰہی کی غلط تعبیریں بتاؤ۔ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا اور دنیا کے معمولی فائدے کے لئے میری آیات کو مت بیچو۔ اگر ساری دولت بھی ایک شخص کے پاس جمع ہو جائے تو بھی آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے۔ یہ تھوڑا سا وقتی فائدہ ہے جسے چھوڑ کر چلے جانا ہے تو اس زندگی کے لئے جو کل ختم ہو رہی ہے، اللہ کی کتاب میں تبدیلی نہ کرو۔ حق کے مطابق فیصلے کرو۔ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾

اللہ کریم کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا کافر ہے:

اسی آیت میں یہ اصول بیان فرمایا ہے جو قیامت تک کے لئے قانون ہے کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ آئین و دستور کے مطابق فیصلے نہیں کرتے فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ تو وہ لوگ کافر ہیں۔ جسے اللہ کریم کافر کہہ دے اس سے بڑی سزا کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کسی کا کافر ہو کر مرنا یہ وہ جرم ہے جو ہمیشہ ہمیشہ بندے کو دوزخ میں رکھے گا۔ حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ دوزخ میں جلنے والوں کا حشر کیا ہوگا۔ اللہ پناہ دے۔ قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا (سورہ النساء آیات 56) جب جہنم میں پھینکے جائیں گے تو جہنم کی تیز آگ ان کی کھالوں کو جلا دے گی تو ہم فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا سیدنا فاروق اعظمؓ اور حضرت سعدؓ اس آیۃ کریمہ کی تفسیر پر بات کر رہے تھے حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ انہوں نے سنا تھا کہ دوزخ کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ دوزخی کی کھال ایک لمحے میں ایک سو بیس مرتبہ بدل دی جائے گی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات انہوں نے آپ ﷺ سے خود سنی تھی۔ تو کافر ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ جہنم کے تو اور بھی بے شمار عذاب ہیں ان سے قطع نظر صرف اس ایک عذاب پر ہی یقین آ جائے کہ ایک لمحے میں ایک سو بیس مرتبہ کھال بدل جائے اور پھر بدلتی چلی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جہنم کتنی تکلیف دہ جگہ ہے۔ اور یہاں اللہ کریم نے خود فرمایا کہ جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔

میں کسی کو کافر نہیں کہتا نہ آپ کسی کو کافر کہیں۔ لیکن مجھے بھی اور آپ کو بھی حکمرانوں کو اور عوام کو بھی اپنے فیصلوں کے بارے سوچنا چاہیے کہ ہمارے فیصلے قرآن کے مطابق ہیں۔ صرف حکومت ہی تو فیصلے نہیں کرتی ہم بھی تو دن بھر فیصلے کرتے ہیں۔ معاملات کے فیصلے، لین دین کے فیصلے، دوستی دشمنی کے، اہل خانہ کے اہل قرابت کے ساتھ تعلقات کے تو کیا ہمارے فیصلے قرآن کے مطابق ہیں؟ اور خدانخواستہ اگر نہیں ہیں تو اللہ نے اسے کفر کہا ہے۔ اللہ معاف کرے ہم میں سے ہر ایک کی ساری اُمیدیں اس ایک بات سے وابستہ ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ شافع محشر ہیں۔ آپ ﷺ کی شفاعت ہمیں قبر سے حشر تک کام آئے گی اور ہم بخشے جائیں گے یہ امید ہر اس بندے کے دل میں ہے جس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ شاید ایسے بھی لوگ ہوں گے جنہیں اپنے اعمال پر ناز ہوگا لیکن اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جنہیں اپنی خطاؤں کمزوریوں کا احساس ہے اور انہیں اللہ کی بخشش کی امید ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت ہیں۔ آپ ﷺ کی شفاعت سے ان کی

بخشش ہو جائے گی۔لیکن شفاعت کے لئے ایمان تو شرط ہے۔اس آیت میں بات تو یہود کی ہو رہی ہے کہ یہ لوگ اپنی کتاب میں تحریف کر دیتے تھے۔ انہیں چاہیے تھا کہ انبیاءؑ نے جو درس انہیں دیا تھا یہ اس پر قائم رہتے۔کتاب اللہ کی حفاظت کرتے۔اس کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اللہ کریم نے قیامت تک کے لئے یہ قانون بنا دیا ہے **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ** ﴿۴۴﴾ کہ جو کوئی قرآن کے فیصلوں کو پسند نہیں کرتا وہ اپنی انا پر اڑا ہوا ہے تو اس کے لئے اس آیت میں انجام مذکور ہے اور جو غلطی سے کرتا ہے وہ اقرار تو کرے کہ جو اس نے کیا وہ غلط ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اسلام کا نظامِ عدل، سب کے لئے برابر انصاف:

فرمایا ہم نے ان کی کتاب میں بھی ان کے لئے ایسے ہی احکام نازل فرمائے تھے مثلاً **اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ** جان کے بدلے جان لی جائے گی **وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ** آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت **وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ** اور اگر کوئی کسی کو زخم لگاتا ہے تو اس کے بدلے میں ویسا ہی زخم اس کو لگایا جائے گا **فَمَنْ تَصَدَّقَ** اور اگر کوئی معاف کر دے **فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ** تو معاف کرنے والے کے بھی بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا کسی کی جو زیادتی کوئی معاف کرتا ہے تو اللہ کریم اس کی بہت سی خطائیں معاف کر دیتے ہیں لیکن یہ اصول یاد رکھیں **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** جو کچھ اللہ کریم نے نازل فرمایا ہے وہ طریقے اور قاعدے، احکام عدل، جزا و سزا کے قانون، معاش کے اصول، معاشرت کے دستور یعنی اللہ نے جو پورا نظام عدل نازل فرمایا ہے اگر کوئی اس کے خلاف فیصلے کرتا ہے اس کے خلاف حکم دیتا ہے **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۴۵﴾ تو ایسے لوگ ظالم ہیں، غلط کار ہیں۔یہ دین برحق ہے۔لوگوں کے بنائے ہوئے مذہب کی بات نہیں ہے۔دین برحق میں اور ادیان باطلہ میں یہ واضح فرق ہے ان میں آخرت کا تصور نہیں ہے کہ لوگوں کے بنائے ہوئے مذاہب جو ہیں وہ حصول دنیا کے لئے ہیں کہ اس دیوی کی پوجا کرو تو اولاد ہو جائے گی اس دیوتا کی نذر مانو تو دولت آ جائے گی یعنی بے دینوں کا دین بھی دنیا ہے جب کہ مومن کی دنیا بھی دین ہوتی ہے مومن دنیا کا کام بھی کرتا ہے تو آخرت کو مدنظر رکھ کر کرتا ہے وہ سوچتا ہے کہ یہ کاروبار میں کر رہا ہوں تو اس سے پیسے تو مجھے آ جائیں گے لیکن آخرت میں اس کا کیا نتیجہ ہو گا؟ اگر وہ آخرت کے لئے

درست ہے تو پھر کرتا ہے دین میں دو طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ایک اخبار دوسرے احکام۔اخبار جو ہیں وہ تبدیل نہیں ہوتے خبر ہمیشہ ایک ہی سچی ہوتی ہے۔لہٰذا دین میں اخبار ہمیشہ وہی رہتی ہیں آدمؑ سے لے کر تمام انبیاءؑ و رسلؑ نے آقائے نامدار ﷺ نے بھی وہی ارشاد فرمایا۔اللہ کی توحید، آخرت، حشر، حساب کتاب، عذاب وثواب، جنت ودوزخ، محاسبہ، اُخروی زندگی، فرشتوں کا وجود یہ ساری چیزیں خبر سے تعلق رکھتی ہیں لہٰذا ہر نبیؑ کے دین کا جزو اول رہا ہے لا الہ الا اللہ۔آدمؑ نے بھی لا الہ الا اللہ پڑھوایا نوحؑ نے بھی اور بعد میں آنے والے سارے انبیاءؑ نے بھی۔آقائے نامدار ﷺ تک کلمے کا پہلا جزو لا الہ الا اللہ ہے۔اخبار میں تبدیلی نہیں ہوتی۔رہ گئے احکام تو احکام اطاعتِ الٰہی کے لئے ہوتے ہیں اور وہ مالک ہے، وہ قادر ہے، وہ حکیم و دانا ہے۔لوگوں کے احوال، ان کی استعداد، ان کی علمی استعداد، ان کی جسمانی استعداد، ان کی روحانی استعداد کے مطابق احکام تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔آدمؑ کے زمانے میں کچھ اور تھے۔نوحؑ کے زمانے میں کچھ اور تھے۔موسیٰؑ کے اور ابراہیمؑ کے زمانے کے کچھ اور تھے۔احکام میں تبدیلی وقت کے لحاظ سے ہوتی چلی آئی۔نئی کتاب آئی، نئی شریعت آئی، کچھ احکام لوگوں کی استعداد اور وقت کی ضرورت کے مطابق تبدیل کردیئے گئے۔اب جب آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے تو حضور اکرم ﷺ ساری کائنات کے لئے اور تمام انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے اور ایسا پہلی اور آخری مرتبہ ہوا اور اس لئے ہوا کہ اس کے بعد کسی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔آدمؑ کے بعد ان کی اولاد اور جو محدود افراد تھے ان کے لئے احکام تھے۔نوحؑ کے زمانے میں ممکن ہے کچھ بدل گئے ہوں لیکن جو کتابیں مُنزل من اللہ ہیں ان سب کتابوں میں وہ زبور ہو، تورات ہو، انجیل ہو ان میں جو احکام نازل کئے ان کے بارے میں علماء حق فرماتے ہیں کہ ان میں سے اگر کسی حکم کو قرآن نے تبدیل نہیں کیا تو وہ آج بھی نافذ العمل ہے۔لیکن اب اس حکم پر عمل قرآن کے مطابق ہوگا اور جس کو قرآن نے برقرار رکھا وہ برقرار رہا۔لہٰذا احکام وقت کے ساتھ بدلتے رہے لیکن جو احکام آقائے نامدار ﷺ پر نازل ہوئے وہ قیامت تک کے لئے ہیں اب ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔یہ ناقابل تبدیل ہیں، ناقابل تردید ہیں، اس سے پہلے جو آیہ کریمہ گزری اس میں فرمایا کہ جو اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وہ کافر ہیں۔ان کا ایمان نہیں ہے۔یہاں فرمایا کہ اللہ کریم نے نظام عدل دیا ہے اور نظام عدل میں یہ بنیادی بات ہے کہ جتنی زیادتی کسی نے کی ہو اس سے اتنا بدلہ لیا جائے۔انصاف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔جس کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے اس کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے جس نے زیادتی کی ہے اس کے ساتھ بھی ظلم نہ کیا جائے اسکے ساتھ بھی عدل

کیا جائے۔ جتنی اس نے زیادتی کی ہے اتنی سزا کا وہ مستحق ہے زیادہ کا نہیں۔ اگر کسی نے قتل کر دیا ہے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے اس نے جرم ہی ایسا کیا ہے۔ اگر اس نے کسی کا کان کاٹ دیا ہے تو اس کو قتل نہ کیا جائے اس کا کان کاٹ دیا جائے اگر کسی نے ناک کاٹ دی ہے تو ناک کاٹ دی جائے دانت توڑا ہے تو دانت توڑ دیا جائے یا زخم لگایا ہے تو زخم لگایا جائے اور اس کے ساتھ پھر ایک خوبصورت بات اس نظام عدل میں رکھی ہے کہ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اگر وہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص تائب ہو گیا ہے، اس نے اپنی اصلاح کر لی ہے آئندہ اس طرح کی زیادتی نہیں کرے گا لیکن اسے دکھ پہنچا ہے تو اس کا حق بنتا ہے کہ وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر اسے معاف کر دے گا تو معاف کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ اللہ کی رضا کا کام ہے۔ اس کے بدلے اللہ اسکے بے شمار گناہ معاف کر دے گا۔ یہ ترغیب دلا کر معاشرے کو جھگڑوں سے پاک کیا ہے۔ اسلام کے نظام عدل نے قصاص کو نافذ کر کے معاشرے میں ہر ایک کو انصاف فراہم کیا ہے ورنہ انتقام در انتقام کی روش جاری ہو جاتی۔ اسلام نے عدل کو سب کے لئے برابر قرار دیا ہے زیادتی کرنے والے کو جو سزا دی جائے گی وہ اتنی ہی ہو گی جتنی اس نے زیادتی کی ہے۔ اس کے ساتھ بھی ظلم روا نہیں رکھا جائے گا اور پھر اس میں یہ گنجائش رکھی ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے شاید اس کی اصلاح ہو جائے۔ معاشرے کا بہتر فرد بن جائے۔ سزا دینا مقصد نہیں مقصد جرم کا خاتمہ کرنا ہے لیکن معاف کرنے کا حق نہ حکومت کو ہے نہ صدر کو ہے نہ وزیر اعظم کو ہے، معاف کرنے کا حق اس شخص کو ہے جس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے جس کا نقصان ہوا ہے اس کو حق ہے کہ وہ معاف کر دے۔ اگر وہ معاف کر دے تو اللہ کریم نے فرمایا اس کے بے شمار گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اللہ اس کے بے شمار گناہ معاف کر دے گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں **وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** جو لوگ ایسے فیصلے کرتے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق نہیں ہوتے **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۵﴾** یہ لوگ بڑے ظالم ہیں۔

اس آیہ کریمہ کی روشنی میں اصلاح احوال:

الحمد للہ پاکستان میں، پاکستان کے بننے سے پہلے بھی ایسے چند مسلمان تھے اور آج بھی ہیں جو اپنی طرف سے پوری کوشش کر کے انصاف کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں تو یہ بات بڑی قابل توجہ ہے کہ وہ فیصلہ تو انصاف سے کرتے جو حالات واقعات وشواہد کی روشنی میں درست لگے وہ فیصلہ کرتے ہیں رشوت نہیں لیتے رشوت نہیں مانگتے۔ انصاف کرتے ہیں لیکن فیصلہ کس ضابطے کے تحت کرتے ہیں؟ کیا منزل من اللہ ضابطے کے تحت کرتے ہیں؟ یا پھر جو انسانوں کا بنایا ہوا ہے اس کے تحت کرتے ہیں؟ ہماری تو بدقسمتی ہے کہ پاکستان

بننے کو اکسٹھ باسٹھ برس ہونے والے ہیں اور یہاں وہی غلامانہ نظام ہے جو انگریز نے مفتوح اور غلام لوگوں کے لئے بنایا تھا۔ قانون شہادت بھی وہی ہے، دفعات بھی وہی ہیں، جرائم کی سزا بھی وہی ہے جو انگریز نے مقرر کی۔ لہٰذا آج جو جج صاحبان بڑے انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں وہ بھی ظلم کرتے ہیں کہ وہ قرآن کے مطابق نہیں کرتے۔ انگریز کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق کرتے ہیں اور یہ ہمارا پورا معاشرہ قرآن سے اس قدر ہٹ چکا ہے کہ یا تو انہوں نے قرآن کریم کو عملیات کی کتاب سمجھ لیا ہے یا وظائف کی۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ قرآن بھی پڑھیں گے تو چند مخصوص آیات پڑھیں گے کچھ سورتیں پڑھیں گے کہ یہ پڑھنے سے مسائل حل ہوں گے۔ اس سے بیماری ٹھیک ہوگی اس سے روزی ملے گی یا پھر مرنے والے کے لئے قرآن پڑھتے ہیں کوئی مر رہا ہو تو سرہانے قرآن لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ علامہ مرحوم نے ایک شعر کہا تھا۔ اس کا دوسرا مصرعہ ہے کہ ''از یٰسین روح آسان بمیری'' کہ تو قرآن کی سورہ یٰسین کا ختم اس لئے کرتا ہے کہ مرنے والا آسانی سے مر جائے یعنی جو کتاب حیات تھی جو ایسی زندگی دینے والی کتاب تھی جو اس عالم میں بھی سربلندی عطا کرے اور آخرت میں بھی سرفرازی عطا کرے اسے تم نے مرنے والے کے لئے مخصوص کر دیا۔ یہ تو کتاب حیات ہے اس سے دونوں عالم کی سرفرازی حاصل کرو اس کی بجائے تم نے یہ سمجھ لیا کہ قرآن پڑھو، بندہ جلدی مر جاتا ہے۔ تو ہمارے ہاں یہ ظلم تب سے ہو رہا ہے جب سے پاکستان بنا ہے۔ یہاں کے کسی کام اور کسی عدالتی فیصلے کو انصاف نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ وہ انصاف ہے بھی تو قرآن کے مطابق نہیں ہے۔ اسلام کے مطابق نہیں ہے۔ انگریزی قانون کے مطابق ہے قانون شہادت وہی ہے جو انگریز کا تھا۔ پاکستان کا شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جو اسلام کے قانون شہادت کی شرائط پوری کرتا ہو۔ اسلام کے نزدیک گواہ کو سنجیدہ، سچا اور مخلص ہونا چاہیے۔ اگر کسی پر جھوٹ ثابت ہو جائے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ اگر کوئی سزا یافتہ مجرم ہے تو اس کی گواہی نہیں لی جا سکتی۔ بلکہ یہاں تک کہ راستہ چلتے ہوئے جو شخص کھاتا، پیتا ہوا چلتا جاتا ہے شرعاً اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی کہ یہ آوارہ سا آدمی ہے اس کو تمیز نہیں ہے کہ کھانے پینے کے لئے بیٹھ کر آرام سے کھائے راستہ چلتے ہوئے کھاتا جا رہا ہے لہٰذا یہ کوئی معقول آدمی نہیں ہے اس کی گواہی کیسے قبول کی جائے۔ تو ہمیں جو انصاف بھی ملتا ہے وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہوتا۔ اتفاقاً مماثلت ہو جاتی ہے۔ اتفاقاً مماثلت ہو جائے تو وہ انصاف تو نہ ہوا۔ فرمایا **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** یہ تو ظالم ہیں ظلم کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے پہلے بہت سخت لفظ استعمال فرمایا تھا **الْكٰفِرُوْنَ**۔ اب فرمایا ہے **الظّٰلِمُوْنَ** یہ ستم ہی نہیں ہے یہ تو ظلم کی انتہا ہے۔

فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (سورہ لقمان 13) شرک سب سے بڑا جرم ہے۔ کفر ہوتا ہے اللہ کا انکار۔ شرک ہوتا ہے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اللہ کے برابر سمجھنا اب اگر ہم اللہ کا قانون چھوڑ کر غیر کے بنائے ہوئے، کفار کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں تو یہ بات شرک سے بھی بڑھ گئی کہ ہم نے ان کو اللہ کی عظمت پر اہمیت دی تو فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ جو لوگ ایسے فیصلے کرتے ہیں جو اللہ کے قانون اور اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق نہیں ہوتے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہ لوگ ظالم ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ اسی طرح جس طرح پہلے رسولؑ تھے تورات وزبور نازل ہوئیں انہیں کے نقش قدم پر ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اپنے سے پہلے جو انبیاءؑ اور احکام مُنزل من اللہ تھے ان کے حق ہونے کی انہوں نے تصدیق فرمائی مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ تورات کے احکامات کی بھی انہوں نے تصدیق فرمائی اور انہیں ہم نے صاحبِ کتاب نبیؑ مبعوث فرمایا انہیں ان کی کتاب انجیل عطا فرمائی۔ انجیل بھی مُنزل من اللہ کتاب تھی۔ اس میں بھی وہ خوبیاں موجود تھیں جو پہلی کتابوں میں موجود تھیں فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ اس میں ہدایت تھی۔ کسی بھی کام کو کرنے کے صحیح طریقہ کار کو ہدایت کہتے ہیں۔ عقائد سے لے کر اعمال تک ہدایت چلتی ہے۔ اللہ کو صحیح وحدہٗ لاشریک ماننا ہدایت ہے، نبی کریم کی نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار، تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کی نبوت کا اقرار ہدایت ہے، فرشتوں کا وجود، ضروریات دین کا اقرار ہدایت ہے، اور احکام جو مُنزل من اللہ ہیں ان کو حق سمجھنا اور اپنی ساری کوشش اس پہ صرف کرنا کہ عمل ان کے مطابق ہو یہ ہدایت ہے اور جو مُنزل من اللہ کتابیں ہیں، ان میں صرف ہدایت نہیں ہوتی۔ ان میں نور ہوتا ہے، روشنی ہوتی ہے، کیفیات ہوتی ہیں، دل روشن ہو جاتا ہے، سینے منور ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ دنیا میں بڑے بڑے اہل علم ہوئے ہیں ان میں علم کے مختلف شعبے ہیں۔ مثلاً بڑے نامور شعراء ہوئے ہیں، ادیب، مورخ، مقرر، بڑے فلاسفر، فلسفے کے ماہر، بڑے طب کے ماہرین ہوئے ہیں۔ لیکن نبیؑ اور غیر نبی کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ نبیؑ کی تعلیم میں پہلی بات ہے ھُدیٰ یعنی نبیؑ کی تعلیم یقینی طور پر سچ ہوتی ہے۔ اس میں شبے کی گنجائش نہیں ہوتی اور اسی میں ہدایت ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی عالم جو بات بتاتا ہے وہ اس کا اپنا ذاتی تجربہ، ذاتی مطالعہ ہے یا ذاتی سمجھ کی بات ہے۔ جو قطعی ہوتی ہے حتمی نہیں ہوتی۔ لیکن جو بات اللہ کا نبیؑ بتاتا ہے اس میں غلطی کا کوئی ذرہ برابر امکان نہیں ہوتا۔ دوسرا فرق یہ ہوتا ہے کہ کوئی عالم، کوئی فلاسفر، کوئی حکیم و دانا جو بات کسی کو بتاتا ہے اس بات کے الفاظ اس تک منتقل ہوتے

ہیں اس کے ساتھ کوئی کیفیت منتقل نہیں ہوتی۔ نبیؐ جب ارشاد فرماتا ہے وہ صرف بات سچی نہیں ہوتی اس کے ساتھ کیفیت بھی ہوتی ہے۔ دل میں وہ کیفیت بھی آ جاتی ہے۔ برکات نبوت بھی انہیں علوم کو کہا گیا ہے **فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ** اس میں دو باتیں ہوتی ہیں بات بھی کھری ہوتی ہے سچی ہوتی ہے اور حق ہوتی ہے اس میں اللہ کا نور ہوتا ہے کیفیات ہوتی ہیں۔ بندہ اللہ کو دیکھتا نہیں لیکن دیکھ رہا ہوتا ہے یعنی دیکھنے سے زیادہ یقین ہو جاتا ہے اسے توحید باری پر بعض چیزیں اگر وہ دیکھتا ہے تو دیکھنے کے بعد بھی اسے شبہ رہتا ہے کہ مثلاً جب وہ ایک درخت کو دیکھتا ہے خوبصورت ہے، اچھا ہے، بڑا گھنا ہے لیکن اسے شبہ تو رہتا ہے کہ شاید اندر سے خالی ہو۔ شاید اس کے اندر کیڑا لگا ہو۔ خود جو چیزیں بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں ویسی نہیں ہوتیں جیسی ہم دیکھتے ہیں ان میں کچھ اور چیزیں گڈ مڈ ہو جاتی ہیں۔ ایک بندے کو ہم دیکھتے ہیں بڑا صحت مند ہے اگر اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا جائے تو کسی ایسے مرض کا نام بتاتا ہے جس سے کانوں کو ہاتھ لگانے کو جی چاہتا ہے کہ اللہ اس سے پناہ دے۔ وہاں سامنے تو ہمیں نظر نہیں آ رہا لیکن جو اللہ کا نبیؐ بتاتا ہے وہ سب کا سب حق ہوتا ہے اس میں شبے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسری بات اس میں یہ تھی کہ اس میں نور ہوتا ہے۔ روشنی ایک نور ہے جو اندر چلا جاتا ہے اور دل کو روشن کر دیتا ہے اور نبیؐ کی اس بات پر وہ یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے جو دیکھنے سے نہیں آتا۔ تو فرمایا تورات میں بھی یہی وصف تھا۔ انجیل میں بھی یہی وصف تھا۔ **وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ** ﴿۴۶﴾ ہاں اپنے سے پہلے تورات کی تصدیق انجیل نے کی، انبیاءؑ کی، انبیاءؑ کے حق ہونے کی اور ساری خبر کی تصدیق کی۔ احکام میں کوئی تبدیلی آئی تو **وَهُدًى** اور رہنمائی کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کی نازل کردہ کتابیں جو ہیں وہ رہنمائی کا حق ادا کر دیتی ہیں اور **وَّمَوْعِظَةً** اور نصیحت کرتی ہیں۔

قرآن حکیم سے استفادہ کے لئے قلبی رجحان شرط ہے:

پہلی قوموں کے قصے سنا کر سمجھایا جاتا ہے۔ ان کے انجام دکھا کے سمجھایا جاتا ہے۔ دینوی مثالیں دے کر سمجھایا جاتا ہے لیکن دین کو سمجھنے کے لئے ایک بات ضروری ہے وہ ہے **لِّلْمُتَّقِيْنَ** قرآن کا پیغام سب کے لئے ہے، قرآن سب کو مخاطب کرتا ہے، نبیؐ سب کو ارشاد فرماتا ہے لیکن سمجھتا وہ ہے جس کا اپنی قلبی رجحان بھی اللہ کی طرف ہو، انسان کو اللہ نے بے شمار خصوصیات دی ہیں۔ جو دوسری مخلوق میں نہیں ہیں۔ ایک ٹی وی پروگرام میں کوئی دانشور انسان کی وہ خصوصیات شمار کر رہے تھے جو ان کے خیال میں کسی دوسری مخلوق میں نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے دانشور جو ارشاد فرما رہے تھے وہ صحیح نہیں ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ

چیزیں جوانہوں نے گنیں وہ دوسری مخلوق میں بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان سوچ سکتا ہے لیکن کوئی اور مخلوق ایسا نہیں کرسکتی اس کی سوچ محسوس نہیں کرسکتی کہ اس کے ساتھ اچھا ہوا ہے یا برا ہوا ہے لیکن انہوں نے غلط کہا جانور بھی یہ سوچتے سمجھتے ہیں اور پیڑ پودے بھی یہ سوچتے سمجھتے ہیں آپ ایک پودے کو پیار محبت سے پانی دیں تو اس کے پھلنے پھولنے کا انداز اور ہوگا اور کسی کو ویسے ہی پانی دیتے رہیں تو وہ اور طرح پھلے پھولے گا۔ آپ کسی جانور کو اپنے سے ہلا بھی دیں اور پیار بھی کریں اس کا ردعمل اور ہوگا اور اس کے ساتھ کے دوسرے جانور کو خوراک دیتے رہیں پیار نہ کریں اس کا ردعمل اور ہوگا۔ اس کا مطلب ہے جانور بھی سمجھتے ہیں۔

انسان کی خصوصیت:

ایک خصوصیت صرف ایسی ہے جو انسان میں زائد ہے اور کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہے حتیٰ کہ فرشتوں میں بھی نہیں اور وہ ہے معرفت الٰہی۔ فرشتے جو ہمیشہ اطاعت الٰہی کرتے ہیں۔ حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ انہیں حاکم کی بارگاہ کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت نہیں ہے۔ یہ انسان ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی پہلا سوال جو اس کے دل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کون ہے؟ تو فرمایا جو اس سوال سے متاثر ہو کر اللہ کو پانا چاہے گا وہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے مستفید ہوگا اور جس کا دل ہی سیاہ ہو گیا یا پھر گیا یا دوسری طرف لگ گیا جس کا مطمع نظر ہی دنیاوی عہدہ ہوگا یا دنیاوی دولت ہوگی اللہ کی عظمت سے اسے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اسے سارا قرآن سناتے رہو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کی بات بتاتے رہو وہ ٹس سے مس نہیں ہوگا۔ یہی حال ہمارے حکمرانوں اور ہمارے ارباب اقتدار کا ہے۔ کیا یہ قرآن کو نہیں سمجھتے؟ کیا یہ نبی کریم ﷺ کو نہیں جانتے؟ مرنے لگیں تو شہادت کا اور شہید ہونے کا تو پتہ ہے، زندگی میں اللہ کی توحید کی گواہی دینے کا کوئی پتہ نہیں۔ شہید کا معنی ہوتا ہے گواہ اور شہید اُسے کہتے ہیں جس نے جان دے کر عظمتِ الٰہی کی گواہی دی اس لئے جان دی کہ اس کے جان دینے سے توحید باری کی تصدیق ہو۔ اُسے شہید کہتے ہیں اس لئے کہ وہ گواہ ہے اللہ کی توحید پر، اللہ کی عظمت پر، دین کی حقانیت پر، محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر، یہ آپ اور میں آپس میں لڑ کر مرنے والے کیسے شہید ہو گئے؟ فسادوں میں لوگ شہید نہیں ہوتے۔ شہید کے لئے بنیاد ہے دین کی تصدیق اور دین کی عظمت۔ عظمت الٰہی کو منوانے کے لئے شہید ہوتے ہیں۔ ظالموں، لٹیروں اور چوروں کی عظمت کو منوانے والے شہید نہیں ہوتے اگر انہیں شہادت کا پتہ ہے تو پھر ان کی زندگی اللہ کی توحید کی گواہی کیوں نہیں دیتی؟ ان کا کردار عظمت الٰہی کا گواہ کیوں نہیں بنتا؟ یہ جو حکومت کرتے ہیں ان کا انداز حکمرانی محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کی گواہی کیوں نہیں دیتا؟ حکمرانی انگریز کے طریقے سے کرتے ہیں اور مارے

جائیں تو شہید ہونے کی فکر پڑی ہوتی ہے۔ جانتے تو یہ ہیں، علم انہیں ہے۔ مانتے کیوں نہیں؟ نہ ماننے کی وجہ اللہ کریم نے بتا دی کہ نبی کی تعلیمات میں بڑا لطف ہوتا ہے۔ ایک تو بات کھری ہوتی ہے اس میں شبہ نہیں جیسے کوئی شخص یہاں سے کسی جگہ جانا چاہتا ہے وہ کسی سے راستہ پوچھتا ہے وہ اسے بتائے کہ میرا اندازہ ہے یہاں سے فلاں شہر جاؤ گے وہاں سے فلاں جگہ سے بس ملے گی، وہاں جاؤ گے تو اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے لیکن مجھے صحیح پتہ نہیں ہے تو وہ راستہ پوچھنے والا بے مزہ ہو جائے گا۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ مجھے بالکل پتہ ہے کہ یہاں سے فلاں بس، فلاں جگہ تک جاتی ہے۔ وہاں سے فلاں جگہ تم اترو گے، اور مطلوبہ جگہ تم پہنچ جاؤ گے۔ میں نے وہ جگہ دیکھی ہے۔ میں آیا گیا ہوں تو دونوں خبروں میں کتنا فرق ہے، راستہ پوچھنے والا یہ سن کر کتنا مطمئن ہوگا۔ اسی طرح اللہ کا نبیؐ جو بھی راستہ، جو بھی پتہ بتاتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے پھر اس میں ایک تو یہ مزہ ہوتا ہے کہ شبہ کوئی نہیں ہوتا دوسرا مزہ یہ ہوتا ہے کہ کیفیات دل میں اتر جاتی ہیں۔ دل میں نور اترتا ہے، دل کو سکون ملتا ہے، قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے، عند اللہ درجات بڑھتے ہیں۔ اس میں ساری لذتیں ہیں لیکن دل ہو تو تب۔ آپ بہت خوبصورت چیزیں لے آتے ہیں دکھانے کے لئے لیکن کسی کے پاس آنکھ ہی نہیں آپ سارا کمرہ بھر دیں اور کہیں بڑی خوبصورت ہیں۔ اسے کیا فائدہ ہوگا؟ ایسے ہی آپ بڑی خوبصورت باتیں قرآن و حدیث کی کریں لیکن جن کے پاس دل ہی نہیں وہ کیا سمجھیں؟ فرمایا ہدایت ہوتی ہے اللہ کی کتابوں میں، یہ نصیحت بھی ہے بڑے پیارے انداز میں بھی ہے وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ لیکن فائدہ ان لوگوں کو دیتی ہے جن کے دلوں میں رجوع الی اللہ ہے اور جو اللہ سے رُخ پھیر جائیں انہیں پھر کیا فائدہ؟ ہمارے ارباب اقتدار کو اگر کافرانہ نظام ہی پسند ہے اور صرف یہی نہیں کہ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کی برملا تردید بھی کرتے ہیں۔ ناقابل عمل بتاتے ہیں جو صریح کفر ہے۔ یہ کہنا کہ اسلام ناقابل عمل ہے یہ ذات باری کی بارگاہ میں گستاخی ہے۔ ایسا کہنے والا دراصل یہ کہتا ہے کہ پیدا کرنے والے نے وہ احکام دیئے جو انسانوں کے لئے ممکن ہی نہ تھے اس نے انسان پیدا کر دیئے پھر معاذ اللہ اس کو پتہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟ یہ کہنا کہ یہ قابل عمل نہیں ہے یہ عظمت باری کا صریح انکار ہے اور یہ کام اب لوگ سرعام کرتے ہیں اور سارے شہید ہوتے ہیں۔ تو فرمایا انہیں اس لئے فائدہ نہیں ہوتا کہ ان کے دل اللہ کی طرف سے دوسری طرف پھرے ہوئے ہیں۔ فائدہ ان کو ہوتا ہے جن کے دلوں میں رجوع الی اللہ ہوتا ہے۔ جن میں یہ آرزو تو ہو کہ میں اللہ کو پالوں، اللہ کی رضا کو پالوں، پھر انہیں فائدہ ہے وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ اور اہل انجیل آپ کے پاس کیوں حاضر ہوتے ہیں جب یہ انجیل کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں آپ ﷺ کی نبوت کا تو یہ اقرار نہیں کرتے تو پھر آپ ﷺ کے پاس کیا لینے آتے ہیں؟ کم از کم اتنا تو کریں کہ انجیل کے احکام پر تو عمل کریں۔ انہوں نے

بجائے عمل کرنے کے جہاں سے حکم مشکل لگا وہاں سے بدل دیا اپنی مرضی سے دوسرا حکم بنا ڈالا۔ یہ ایسے ظالم ہیں کہ اللہ کے کلام میں انہوں نے تحریف کر دی وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾ جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے بنیادی طور پر یہی وہ لوگ ہیں جو گناہ کی بنیاد رکھتے ہیں یہ دنیا کے وہ ظالم ہیں جو دوسری مخلوق کو بھی گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ اصل فاسق، اصل گناہگار یہ لوگ ہیں۔ یہاں پر تین جرم لگائے گئے۔ تین فتوے دیئے گئے۔ تین دفعات لگائی گئیں فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ، فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہ گناہ کی بنیاد رکھنے والے بھی ہیں یہ ظلم کرنے والے بھی ہیں اور اسلام سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ کافر ہیں۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے جو کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے وہ سراسر حق ہے اس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں۔

موجودہ دور کے غیر مسلموں کو اس لفظ الحق سے بہت چڑ ہے ان کے الفاظ ہیں Muslims claim Monoply on the truth یعنی انہوں نے سچائی پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی حق ہے اس کے خلاف کوئی حق نہیں ہے۔ یہ لفظ اجارہ داری یا Monoply اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں صرف اسلام سچ ہے باقی جھوٹ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اجارہ داری ہم مسلمانوں نے بنا رکھی ہے یا اللہ ایسا فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اس میں اجارہ داری نہیں ہے پھر فرماتے ہیں مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ جو پہلی کتابیں نازل ہوئی ہیں ان کی بھی قرآن تصدیق کرتا ہے لیکن قرآن احکام الٰہی کی تصدیق کرتا ہے تمہاری تحریف شدہ باتوں کی تصدیق کیسے کرے؟ قرآن حکیم احکام الٰہی کی تصدیق کرتا ہے ساری خبر کی تصدیق کرتا ہے، ساری ایمانیات کی تصدیق کرتا ہے، اجارہ داری تو نہ رہی ہر نبیؑ کے عقیدے کو اسلام ہی قرار دیا ہے ہاں! لوگوں کی گھڑی ہوئی باتوں کو سچ نہیں مانتا۔ اسلام نہ صرف حق کی تصدیق کرتا ہے بلکہ فرمایا وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ پہلی باتوں کا محافظ ہے یعنی تصدیق کر کے ان کو اللہ کا حکم بتا کر ان کی حفاظت کا حق ادا کرتا ہے کوئی حکم اگر اسلام نے تبدیل بھی کر دیا تو اس زمانے کی تردید نہیں کرتا جب وہ حکم اس وقت کے لئے تھا۔ اسے اللہ کا حکم بتاتا ہے اس پر عمل کرنے کو ثواب قرار دیتا ہے تو ان احکام کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ مُهَیْمِنًا ان کی حفاظت کرتا ہے۔ فرمایا فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اے میرے حبیب ﷺ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کریں مومن آئے یا کافر، نیک آئے یا بد، اہل کتاب میں سے ہو یا مشرکین میں سے۔ آپ کی بارگاہ میں جو آئے اس کا فیصلہ ایسے ہونا چاہیے جیسے اللہ نے نازل فرمایا۔ انصاف سب کے لئے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ اور

ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ جو میں کہتا ہوں فیصلہ میرے حق میں ہو جائے ہر آدمی کی اپنی خواہش ہوتی ہے فرمایا لوگوں کی خواہشات کو آپ پر کاہ اہمیت نہ دیں آپ کے پاس منزل من اللہ ضابطہ حیات موجود ہے لہٰذا لوگوں کی خواہشات کو رائی برابر اہمیت نہ دیں۔ فیصلے اس کے مطابق کئے جائیں۔

قرآن حکیم کی عظمت:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ اے میرے حبیب ﷺ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ جس کا نزول حق ہے۔ جس کا لفظ لفظ اور حرف حرف حق ہے۔ جو قصے بیان ہوئے وہ حق ہیں۔ جو پیشگوئیاں بیان ہوئیں وہ حق ہیں۔ جو احکام بیان ہوئے وہ حق ہیں۔ یہ سراسر حق ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز بھی ہے اور خاصہ بھی ہے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے۔ جو اللہ کے آخری رسول ﷺ پر نازل ہوئی۔ اور نزول سے لے کر قیامت تک صرف اس کتاب کے احکام جاری رہیں گے نافذ العمل ہوں گے۔ اور اس کا کوئی حکم کسی زمانے میں بھی نا قابل عمل نہیں ہوگا۔ جو پہلی کتابیں نازل ہوئیں وہ بھی حق ہیں لیکن وہ اپنے اپنے زمانے کے لئے تھیں۔ مخصوص اقوام اور اس مخصوص ماحول کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ ہر قوم ایک خاص علاقے میں آباد تھی۔ اس کا اپنا ایک خاص ماحول تھا۔ لوگوں کے رویے تھے۔ لوگوں کی استعداد کار تھی۔ لوگوں کا فہم وشعور تھا۔ اس کے مطابق وہ کتابیں نازل کی گئیں اور جب ان کا عہد ختم ہوا دوسری کتاب آگئی۔ پہلی کتاب کے جو احکام اللہ کریم قائم رکھنا چاہتے تھے وہ دوسری کتاب میں قائم رکھے۔ وہ کتاب جب قابل عمل نہ رہی تیسری آگئی۔ جب یہ چوتھی اور آخری کتاب آئی تو یہ اپنے نزول سے لے کر قیام قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر واجب العمل بھی ہے اور قابل عمل بھی اور یہ کام صرف وہی ذات اقدس کر سکتی تھی جو انسانی ضرورتوں کی اور انسانی استعداد کی خالق ہے۔ جس کے لئے کوئی ماضی، کوئی مستقبل نہیں ہے۔ سب کچھ جس کے علم میں حاضر ہے اور اس کے روبرو ہے۔ اس نے ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں ہر خطے کے لوگوں کے لئے بہترین راہنمائی ہے۔

امریکہ میں باون ریاستیں ہیں۔ بنیادی، اصولی طور پر وہ ایک ہیں۔ لیکن ہر ریاست کے بڑے بڑے قوانین الگ ہیں۔ عدالتی نظام الگ ہے، ایک ہی جرم پر کسی ریاست میں سزائے موت ہے، کسی میں نہیں ہے، کسی میں جرمانے کی شرح مختلف ہے دوسرے میں مختلف ہے۔ کسی ریاست میں ایک چیز جائز ہے،

دوسری ریاست میں وہی چیز ممنوع ہے۔ اس لئے کہ ایسا قانون بنانا جو ساری مخلوق کے لئے قابل عمل ہو آسان نہیں ہے۔ پھر جو لوگ دوسروں کے لئے قوانین بناتے ہیں وہ بہت پڑھے لکھے، سمجھدار اور قانونی موشگافیوں سے واقف لوگ ہوتے ہیں۔ قانون سازی کرتے ہیں۔ قانون بناتے ہیں لیکن جب اس قانون کی تکمیل کا مرحلہ آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں چند خامیاں ہیں پھر وہاں ترامیم کرنا پڑتی ہیں۔ پھر جب یہ قانون نافذ ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جو کہہ دیا گیا تھا ویسا کرنا مشکل ہے پھر مزید ترامیم آتی ہیں۔

فرمایا اس کتاب میں کوئی ترمیم نہیں آئے گی۔ اس کا کوئی حکم ناقابل عمل نہیں ہوگا کوئی حکم ناممکن نہیں ہوگا۔ اور یہ سارے انسانوں کے لئے یکساں آسان ہے اور رہے گا۔ یہ کسی ایک ملک، ایک ماحول کے لئے نہیں کہ گرم علاقوں کے لئے آسان ہو اور سرد علاقوں کے لئے مشکل ہو یا برفانی علاقوں کے لئے تو ہے لیکن ریگستان اور صحرا میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ اپنے نزول سے قیامِ قیامت تک ہر وہ فیصلہ جو قرآن نے دیا ہے وقت اور تاریخ بھی اسی کو صحیح ثابت کرتی رہے گی عدل بھی اسی سے ہوگا۔ انصاف بھی اسی سے ہوگا۔ لوگوں کو امن بھی اسی سے نصیب ہوگا اور پھر اس کے ساتھ ضمانت دی کہ یہ آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی پہلی کتابوں میں اگر لوگ ردوبدل بھی کرتے تھے تو پھر دوسری کتاب آجاتی تھی تو تصحیح ہو جاتی تھی۔ دوسری میں اگر لوگوں نے تحریف کی تو تیسری آ گئی اس نے تصحیح کر دی۔ لوگوں نے احکام الٰہی میں جو آمیزش کر دی ہوتی اسے رد کر دیا جاتا۔

اللہ کی آخری کتاب اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی حفاظت کرنے والی ہے:

اس کے بعد یہ آخری کتاب آگئی۔ یہ کام اس نے بھی کیا۔ **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** پہلی کتابوں کی تصدیق بھی فرمائی۔ وہ احکام وہ اوامر و نواہی جو قانون اور ضابطے نازل ہوئے جو منزل من اللہ تھے ان کی تصدیق فرمائی۔ جو لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لئے تھے۔ ان کو رد کر دیا۔ **وَمُهَيْمِنًا** اس لحاظ سے یہ کتاب ان کتابوں کی بھی حفاظت کرنے والی ہے۔

قرآن حکیم کی حفاظت کے معنی:

خود قرآن کریم میں اللہ کریم نے فرمایا ہے ہم نے یہ کتاب نازل کی ہے۔ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** (سورہ الحجر 9) اس کی حفاظت ذات باری نے اپنے ذمے لے لی۔ قیام قیامت تک قرآن حکیم اسی طرح محفوظ رہے گا۔ اس کے کسی زیر زبر، کسی نقطے، کسی حرف میں کوئی تبدیلی

نہیں ہوگی اور سوا چودہ سو سال کا یہ طویل عرصہ اس پہ گواہ ہے کہ دشمنان اسلام نے کون سی کوشش نہیں کی کہ قرآن کی عبارت کو بدلا جائے۔ مختلف طرح سے قرآن چھاپ کر تقسیم کیئے گئے کہ الفاظ وحروف میں کوئی تبدیلی کر سکیں لیکن کوئی نہیں کر سکا۔ جس کسی نے بہت جرأت کی ہے یہ گستاخی کی ہے، تو دوسری زبانوں میں جب ترجمے ہوئے تو ان تراجم میں اپنی بات داخل کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی عبارت کو کوئی نہیں چھیڑ سکا۔ اور یہ ہمیشہ محفوظ رہے گی کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وعدہ قرآن کی حفاظت کا ہے۔ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ** اور وہ دوسری کتابیں جن میں تحریف ہوئی وہ انہی نسخوں میں ہوئی جو دنیا پر موجود تھے۔ جو اللہ کے پاس لوح محفوظ میں ہے اس میں کوئی تحریف نہیں کر سکا۔ اگر قرآن کی حفاظت سے مراد بھی لوح محفوظ میں محفوظ ہونا ہے تو پھر قرآن کی کیا خصوصیت؟ اگر قرآن کی حفاظت بھی آسمانوں پہ ہوتی تو پھر زمین پہ تو کچھ نہ ملتا؟ فرمایا زمین پہ جو نسخہ موجود ہے ہم اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ لہٰذا جب نسخے کی حفاظت مسلم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے لکھنے والے بھی قیامت تک باقی رہیں گے۔ جو اس نسخے کو نقل درنقل کرتے رہیں گے اس کے پڑھنے والے بھی تا قیامت باقی رہیں گے۔ ایسے خوش نصیب بھی ہمیشہ رہیں گے جو کتاب حق کی تلاوت کریں گے ایسے بھی ہمیشہ رہیں گے جو اس کو حفظ کریں گے اور اپنے سینوں میں محفوظ کریں گے۔ ایسے لوگ بھی ہمیشہ رہیں گے جن کا جینا، مرنا، رات، دن قرآنی احکام کے مطابق بسر ہوتا رہے گا اس طرح حفاظت الٰہیہ تمام پہلوؤں پر محیط ہے یہ قرآن کا اعزاز ہے کہ قرآن کریم بھی اس کے پڑھنے والے، لکھنے والے، سننے والے، یاد کرنے والے، عمل کرنے والے ہمیشہ موجود رہیں گے۔

تھوڑے ہوں یا زیادہ یہ ختم نہیں ہوں گے نابود نہیں ہوں گے اور اس کا اعجاز یہ بھی ہے کہ **وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ** پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتی ہے اور ان کی حفاظت فرماتی ہے۔ لہٰذا یہ طے ہے کہ **فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ** لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کیجئے جیسا فیصلہ اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ **وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ** لوگوں کی خواہشات کی پرواہ نہ کیجئے۔ لوگوں کی سوچوں پر عمل نہ کیجئے لوگوں میں تو مدعی اور مدعا علیہ دو فریق ہوتے ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں فیصلہ میرے حق میں ہو۔ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہوگا تو دونوں چاہیں گے اور دونوں دلیلیں دیں گے کہ میں حق پر ہوں۔ ہر کوئی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے فرمایا حق پر وہ ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق بات کرتا ہے۔ جو اللہ کے دیئے ہوئے ضابطے کے بغیر کچھ لینا چاہتا ہے وہ حق پر نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ فیصلہ اس کے مطابق کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہو اور

لوگوں کی رائے اور لوگوں کی خواہشات کے پیچھے مت جائیے ان کی پرواہ نہ کیجئے۔ چونکہ بات ہو رہی تھی یہود کے جھگڑے کی تو فرمایا یہود زیادہ سے زیادہ بھی اگر چاہتے ہیں تو ان کی کتاب میں اللہ نے جو احکام نازل کئے ہیں ان کے مطابق فیصلہ کر دیجئے۔ ان کے پاس اللہ کی کتاب ہے پھر اس کی تصدیق قرآن سے ہوگئی یعنی اس کتاب کے وہ احکام مانے جائیں گے جن کی قرآن تصدیق کرتا ہے تو اگر یہ اہل کتاب ہیں تو انہیں اپنی کتاب پہ تو کم از کم عمل کرنا چاہیے۔

مسئلہ:

اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی ریاست میں اگر کوئی اہل کتاب میں سے یہودی ہو یا نصرانی ہو تو ان کے فیصلے ان کے مذہب کے مطابق کئے جائیں۔ تو پھر انصاف ہوگا یعنی یہود و نصاریٰ یا اہل کتاب کو قرآن کے احکام ماننے پر یا مسلمانوں کی طرح کے احکام ماننے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور ان کے پاس جو کتابیں ہیں ان کتابوں سے وہ فیصلے قابل قبول ہوں گے جن کی تصدیق قرآن کرے گا۔ یہ فیصلہ منزل من اللہ ہے اور جو احکام انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ لئے ان کی تصدیق نہیں ہوگی اسی طرح خود اسلام میں بعض لوگوں نے اسلام کے نام پر عجیب و غریب فرقے گھڑ لئے مثلاً قادیانی ہی دیکھ لیں وہ کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور ختم نبوت کا بھی انکار کرتے ہیں مرزا قادیانی کو کبھی ظلی کہتے ہیں کبھی بروزی نبی کہتے ہیں اور کبھی متصل نبی کہتے ہیں۔ اگر کوئی ضروریات دین کا انکار مسلمان ہونے کے بعد کرے تو اسلامی ریاست کے ذمے ہے کہ اسے مرتد قرار دے کر مرتد کی سزا اس پر جاری کی جائے لیکن آپ اس کو قتل کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ لیکن جسے ہم اسلامی ریاست کہتے ہیں اگر وہ نام کی اسلامی ہو مسلمانوں کی ریاست ہو اسلام کو اس کے نظام میں عمل دخل نہ ہو تو وہ دوسروں کی اصلاح کیا کرے گی؟ اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ کوئی کتنا بڑا دانشور ہو اس کے بنائے ہوئے ضابطوں کی قرآن میں کوئی حیثیت نہیں۔ اب تو حالات سو فیصد بگڑ چکے ہیں کہ اگر کہا جائے کہ فیصلے قرآن کے مطابق کئے جائیں تو کہا جاتا ہے یہ دہشت گرد ہیں۔ انہیں گولی سے اڑا دو لیکن یہ اللہ کا حکم ہے اور آپ ﷺ کو تاکیداً کہا جا رہا ہے **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ** لوگوں کے درمیان فیصلہ اس طرح فرمائیے جس طرح فیصلہ کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے **وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ** لوگوں کی خواہشات کی پرواہ نہ کیجئے۔ لوگوں کی خواہشات ان کے اپنے انداز کے مطابق اپنے فہم و ادراک کے مطابق ہوتی ہیں۔ لوگ یہ بھی نہیں سمجھتے کہ جو وہ چاہتے ہیں اس میں ان کا اپنا

بھلا بھی ہے یا نہیں؟ جب انسان یہ تک نہیں سمجھتا تو کیسے اس کی خواہشات پر عمل ہوسکتا ہے؟

یہ بھی عجیب رویہ ہے کہ دنیا کے معاملے میں ہر کوئی محتاط ہوتا ہے کوئی بیمار ہو جائے تو وہ خود اپنا علاج شروع نہیں کر دیتا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے رقم خرچ کرتا ہے وقت نکالتا ہے پھر ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق دوا کھاتا ہے اس کے مشورے پر عمل کرتا ہے اس سے پوچھا جائے کہ بھلا ڈاکٹر کے پاس کیوں جاتے ہو؟ یہ تمہارا اپنا وجود ہی تو ہے خود ہی علاج کرلو تو کہتا ہے ڈاکٹری میرا شعبہ نہیں مجھے اس کی سمجھ نہیں ہے شاید میں کوئی غلط دوا نہ کھالوں اور بجائے صحت کے مزید بیمار ہو جاؤں۔ جسمانی صحت کے بارے اتنا محتاط رویہ ہے اور دین کے معاملے میں جسے دیکھو خود عالم بنا ہوا ہے اور تمام معاملات کے بارے فیصلے اپنی رائے پر کرتا ہے۔ دین کے علم کا یہ حال ہے کہ اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو فرائض وواجبات یا اسلامی طور اطوار تک سے واقفیت نہیں۔ اسمبلی اراکین کو کسی افسر کی وفات پر فاتحہ پڑھنی تھی ہمارے وزیر داخلہ صاحب کھڑے ہو گئے ان سے قل شریف نہیں پڑھا جا رہا تھا۔ یعنی قرآن کریم کی مختصر ترین سورۃ ان سے نہیں پڑھی گئی۔ اور یہ لوگ مسلمان قوم کے لئے فیصلے کرتے ہیں۔ ملک کے معاملات اندرونی پر یہ مختار کل ہیں انہوں نے فیصلہ کرنا ہے کون واجب القتل ہے کس کو گولی مار دو اور کس کو چھوڑ دو؟ لیکن یاد رکھیں کہ امن اور لوگوں کے آرام وسکون کا انحصار قرآنی فیصلوں پر ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمان علم وعمل تہذیب وتمدن میں عروج پر تھے تو اقوام مغرب جہالت میں غرق تھیں۔ یہ اتنی وحشی قومیں تھیں کہ ان کی روش یہ تھی کہ لوگوں کی قبریں اکھیڑ کر مردہ باہر پھینک کر اس کے تابوت میں اپنا سامان رکھ کر سی کندھے پر ڈالتے اور چل پڑتے تھے۔ آج اقوام مغرب اس لئے تہذیب یافتہ ہیں کہ انہوں نے اسلام سے سیکھا کہ زندگی کیا ہے؟ انہوں نے اسلام سے سیکھا ہے کہ مملکت کا نظم ونسق کیسے چلانا ہے؟ کس طرح سے تعلیم دی جائے؟ نظام عدل کیسا ہو؟ علاج معالجے کی سہولتیں کیسی ہوں؟ اہل مغرب نے ویلفیئر سٹیٹس یعنی فلاحی ریاستیں بنائیں جن کا تصور ہی اسلام نے دیا۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے لیکن احکام الٰہی اپنائے اور احکام الٰہی کی خصوصیت ہے کہ اگر کافر بھی عمل کرے گا تو دنیاوی راحت پائے گا مومن عمل کرے گا تو دنیا میں بھی پائے گا آخرت میں بھی پائے گا۔ جیسے ٹھنڈا پانی کافر کو پلائیں اسے بھی فائدہ ہوگا، اس کی بھی پیاس بجھ جائے گی۔ دھوپ میں کسی سایہ دار درخت کے نیچے کافر کو بٹھا دیں وہ بھی آرام پائے گا اسی طرح قرآن احکام پر اگر کافر عمل کرے گا تو دنیا اس کی بھی سنور جائے گی آپ اس پس منظر میں آج مغرب میں جو اچھائیاں ہیں اسکی وجہ تلاش کریں تو اس کے پیچھے وہ احکام ہیں جو قرآن نے دیئے ہیں۔ انہوں نے

اسلامی فتوحات سے چیزیں اخذ کیں کہ ان لوگوں کے پاس کیا اصول ہیں کہ لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتے جارہے ہیں اور ان کی سلطنت وسیع ہوتی جارہی ہے۔ ہم نے اقوام مغرب کی تقلید میں ان کی خباثتیں اور برائیاں اختیار کرلیں۔ احکام قرآن سے منہ موڑ لیا اور حد یہ ہے کہ آج ہماری حکومتیں کہتی ہیں کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ یعنی قرآن ناقابل عمل ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ ہمارے حکمران مانیں یا نہ مانیں قرآن قیامت تک رہے گا اس کو ماننے والے قیامت تک رہیں گے اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ رہیں گے اور جب یہ دنیا سے اٹھ جائے گا تو پھر دنیا نہیں رہے گی قیامت آجائے گی وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ جب اللہ کی طرف سے حق نازل ہو چکا تو پھر لوگوں کی رائے کی اس میں کیا ضرورت ہے؟ اور اللہ کے مقابلے میں کون ہے جو رائے دے سکتا ہے؟ کس کی جرأت ہے؟ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ ہر قوم کے لئے ہم نے الگ رستہ، الگ طریقہ بنایا۔ یہ اللہ کا کرم تھا اللہ کا احسان تھا لوگوں کو جیسی استعداد کار دی جتنا فہم و شعور دیا اسی حساب سے ان کے لئے احکام نازل فرمائے۔ جب انسانیت جوان ہوئی شعور بڑھا تو اللہ کریم نے پوری انسانیت کے لئے ایک نبی و رسول ﷺ مبعوث فرمائے۔

مادی ترقی نے دنیا کو آج گلوبل ولیج قرار دیا ہے لیکن اسلام نے آج سے سوا چودہ سو سال پہلے اسے گلوبل ولیج قرار دے کر ایک ہی قوم بنا کر ایک ہی شہر بنا کر ایک ہی طرح کے احکام نافذ کر دیئے۔ فرمایا: ہر قوم کے لئے ہم نے راستے بنائے، طریقے بنائے، کام کرنے کا سلیقہ بنایا، اگر اللہ چاہتا تو شروع سے ایک ہی قانون نافذ کر دیتا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً لیکن وہ حکیم ہے۔ وہ کریم ہے۔ اس نے ان انسانوں کو جن کا شعور ابھی اتنا بالغ نہیں ہوا تھا، وہ احکام نہیں دیئے جو ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ جتنا ان میں شعور و ادراک تھا جتنی ان میں استعداد تھی اس طرح کے احکام انہیں دیئے۔ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ لیکن اصولی بات یہ ہے کہ دیکھا یہ جائے گا کہ کس نے کتنے خلوص سے اللہ کے احکام کی پیروی کی۔ احکام میں مماثلت کا ہونا ضروری نہیں، اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ پچھلی اُمتوں میں روزہ کس طرح کا تھا یا نمازیں کتنی فرض تھیں؟ دیکھنا یہ ہے کہ کس نے کس خلوص سے اور کتنی محنت و جانفشانی سے اللہ کی اطاعت کی۔ فرمایا وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ آزمائش اس بات کی ہوگی کہ جس کو جو حکم ملا اس کو اس نے کتنے خلوص، کتنی محبت، کتنی جانفشانی سے اپنایا؟ سو فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ نیکی کے کاموں میں سبقت حاصل کرو۔ ایک دوسرے سے بڑھ جاؤ۔ اللہ کریم تو نیکیوں میں سبقت لے جانے کی ترغیب دلاتے ہیں اور ہم اس سبقت کو حاصل کرنے میں لگے

رہتے ہیں کہ دولت زیادہ ہو جائے۔ دوسروں سے زیادہ نامور کہلائیں۔ فرمایا یہ سب عارضی اور وقتی باتیں ہیں۔ باقی رہنے والی بات یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں دوسروں سے آگے بڑھ جاؤ۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ نیکی میں دوسروں سے سبقت لے جاؤ۔ دوسروں سے بڑھ جاؤ اس لئے کہ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا تم سب کو لوٹ کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے تم کسی جانے والے کو روک نہیں سکتے کسی آنے والے کو روک نہیں سکتے۔ یہ قدرت باری کا طے شدہ نظام ہے۔

ہمارے ہاں لوگوں کو اس وہم نے جکڑ رکھا ہے کہ ان کا روزگار کسی نے باندھ دیا ہے۔ ایسا ہی مسئلہ لے کر ایک شخص میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بیروزگار ہونے سے پہلے وہ کیا کام کرتا تھا؟ اس نے بتایا کہ اس کے والد صاحب زندہ تھے اور اسے خرچہ دیا کرتے تھے۔ پھر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میں نے اسے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جو رزق تمہارے والد صاحب تمہیں دیتے تھے اسے کوئی نہیں باندھ سکا اور جو اللہ دیتا ہے وہ لوگوں نے باندھ دیا؟ تم خود سوچو جو رزق تمہیں تمہارے والد صاحب دیتے تھے اسے تو کوئی عامل کوئی جادوگر نہ باندھ سکا تو جو اللہ نے تمہارے لئے مقرر کیا وہ جادوگروں نے باندھ دیا؟ قدرت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آسمانوں سے آٹے کی بوریاں نہیں برساتا۔ اس نے شعور دیا ہے۔ ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ عقل دی ہے اور محنت فرض کر دی ہے لہٰذا محنت کرو، ملازمت کرو، مزدوری کرو، تجارت کرو۔ یہ چار معروف ترین ذریعے ہیں حصول رزق کے لئے۔ پانچواں کوئی ایسا طریقہ نہیں جو حلال ہو۔ جو معروف ہو۔ تو اگر کام نہیں کرو گے تو وہ تمہیں پھر بھی رزق دے گا۔ کبھی تم آج تک بھوکے سوئے ہو؟ تمہاری روزی کیسے بند ہو گئی؟ روزانہ کھا تو لیتے ہو پھر تم کام کیوں نہیں کرتے؟ تو آسمان سے آٹے کی بوریاں نہیں برسیں گی محنت کرو گے، وہ کام میں برکت دے گا۔ ہاتھ کھلا ہو جائے گا، خوشحال ہو جاؤ گے۔ کام نہیں کرو گے تو پھر طفیلی کھانا ہے اسی طرح کھاتے رہو گے، رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کسی سے نہ بندھتا ہے، نہ کھلتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ کسی نے ان کی اولاد باندھ دی ہے۔ پیدا نہیں ہونے دیتے۔

حیرت ہے کوئی مرنے والے کو کیوں نہیں روکتا؟ پیدا ہونے والے کو روکتا ہے تو کسی مرنے والے کو بھی روک دے۔ اگر موت سے کوئی روک نہیں سکتا ہے تو پیدائش سے کون روک سکتا ہے؟ یہ طے شدہ نظام ہے قدرت کا ہر ایک کو دے رہا ہے۔ کافر کے ہاں بھی اولاد ہو رہی ہے کسی نے نہیں باندھی، مومن، نیک و بد سب کو مل رہی ہے۔ سب ہی کھا کے سوتے ہیں۔ ہاں طریقہ کار متعین ہے۔ فرمایا کام اس طرح سے کرو جس طرح کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اللہ کے نازل کردہ احکام کو اپناؤ۔ اور نیکی میں ایک دوسرے پر

سبقت لے جاؤ۔ ایک دوسرے سے آگے نکل جاؤ۔ کسی کی دولت پر حسد نہ کرو۔ کسی کی خوشحالی پر رشک نہ کرو۔ کسی کے لباس پر رشک نہ کرو۔ کسی کی بڑی گاڑی دیکھ کر اپنا سر مت پھوڑو۔ نیکی میں کوشش کرو کہ دوسروں سے آگے نکل جاؤ۔ نیکیاں کما لو۔ زیادہ محنت کر لو۔ زیادہ خلوص پیدا کر لو۔ زیادہ دل کی گہرائی سے اللہ کی اطاعت کرو۔ اس لئے کہ تم سب کو اللہ کی بارگاہ میں واپس جانا ہے۔ **اگر** موت کو کوئی نہیں روک سکتا تو حیات کو کون روک سکتا ہے؟ حیات کے وسائل کو کون روک سکتا ہے؟ **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝٤٨** تم تو کام کر کے شاید بھول جاؤ اور کتنی نیکیاں شاید تم نے کر لی ہوں تو تمہیں یاد نہ ہو وہ تمہیں اور تمہاری زندگی کا ذرہ ذرہ بتائے گا۔ **فَيُنَبِّئُكُمْ** اسے تم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں وہ تمہیں بتائے گا کہ تم نے یہ بھی کیا تم نے یہ بھی کیا۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ بتائے گا تو نے یہ بھی کیا لیکن اگر یہ پوچھ لیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو کسی بندے کے پاس اللہ کی نافرمانی کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ جس سے مؤاخذہ ہو گیا وہ یقیناً جہنم جائے گا۔ سو فرمایا نیکی میں بڑھو۔ اس لئے کہ تم سب کو اللہ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور وہ اتنا باریک بین ہے کہ تم بھول جاؤ گے لیکن اس کی بارگاہ میں کچھ چھپا نہیں وہ ساری چیزیں تمہیں بتائے گا کہ تم نے یہ بھی کیا یہ بھی کیا۔ اور وہ بھی کیا تو اس وقت کو سامنے رکھ کر اپنا نامۂ اعمال مرتب کرو کہ یہ دوسروں سے بہتر ہو۔ اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ۔

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ

سابقہ آیۂ مبارکہ میں وہ بات چل رہی تھی کہ جب یہود بعض جھگڑوں کا فیصلہ نبی کریم ﷺ سے کروانے کیلئے آئے تو چونکہ اس میں ان کا خلوص نیت شامل نہیں تھا تو پہلے یہ جواب دیا گیا کہ خود ان کے پاس آسمانی کتاب ہے اس کے مطابق فیصلہ کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ اس فیصلے سے بچ جائیں گے اور چکنی چپڑی باتیں کر کے جھوٹی شہادتیں دے کر شاید آپ ﷺ سے اپنے حق میں فیصلہ لے لیں گے تو اللہ کریم نے یہ دونوں جواب دیئے پہلا تو یہ کہ ان کی اپنی کتاب منگوائی جائے اور دوسری بات یہ کہ آپ ﷺ فیصلہ کریں یا نہ کریں آپ کو اختیار ہے اور اگر کریں تو ایک ہی راستہ ہے **وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ** اس طرح فیصلہ کیجئے جس طرح کے قوانین وضوابط اللہ کریم نے نازل فرمائے اس سے آگے جو بات ارشاد فرمائی وہ بہت ہی قابل غور ہے۔ فرمایا **وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ** ان کی خواہشات یا ان کی تمنائیں جو ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے۔ ان کی باتوں پر مت جایئے اس لئے کہ اگر آپ ﷺ ان کی باتیں سنیں گے تو یہ ایسے لوگ

ہیں کہ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ؕ یہ اللہ کے احکام کے خلاف آپ ﷺ سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ اپنی پسند کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ احکام الٰہی کے خلاف فیصلہ چاہتے ہیں۔ آپ ان کی پرواہ مت کیجئے گا۔

نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے یہ اجماعی عقیدہ ہے۔ نبیؑ سے خطا سرزد نہیں ہوتی تو پھر حضور اکرم ﷺ کو تنبیہ فرمانے کے کیا معنی؟ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی بات سنیں گے تو یہ آپ کو بھی راہ حق سے بھٹکانے کی کوشش کریں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت تک اُمت میں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے جو قانون الٰہی کو قرآنی قاعدوں اور ضابطوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ یا دنیاداروں کی باتوں میں آجائے اور پھر وہ حق پر بھی رہے۔ یقیناً حق اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام کے خلاف جو بھی جائے گا وہ حق پر نہیں ہوگا کہ ان کی کوشش تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس نظام، اس ضابطے، اس قانون سے ہٹا کر لے جائیں جو اللہ نے نازل فرمایا۔ لہٰذا آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان کی رائے کی پرواہ نہ کریں اور اس ضابطے کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ کریم نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾

فرمایا یہ جو اپنی خواہشات کے اسیر ہیں۔ اپنے مفادات واغراض کے پجاری ہیں۔

اے میرے حبیب ﷺ ان کی باتوں پر توجہ نہیں دیجئے گا کہ اگر آپ ﷺ ان کی باتوں کو کچھ اہمیت دیں تو یہ آپ کو بھی فتنے میں ڈال دیں گے اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ؕ اللہ نے جو آئین و دستور آپ پر نازل فرمایا ہے اس سے بہکانے کی کوشش کریں گے۔ ہاں! اگر آپ کے رویے سے یہ دل برداشتہ ہوں کہ ہماری نہیں سنی جاتی اور قرآن کا حکم نافذ ہو جاتا ہے فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اگر اس سے دل برداشتہ ہو کر یہ پیچھے مڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن کا فیصلہ نہیں منظور تو پھر ایک بات سمجھ لیجئے اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ ان پر اللہ کے عذاب آئیں گے اور ان کے گناہوں کی پوری سزا تو حشر کو ملے گی لیکن کچھ کرتوتوں کا مزہ اللہ انہیں دنیا میں ضرور چکھائے گا۔ جو قرآن کے حکم سے نبی کریم ﷺ کے حکم سے روگردانی کرے گا۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنی مرضی اپنی پسند نافذ کرنے کے لئے جو لوگ اس کا ساتھ دیں گے تو یہ آپ کی بارگاہ سے منہ پھیرتے ہیں لہٰذا آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کیجئے کہ جو آپ ﷺ کے در سے پھر رہا ہے اس پر اللہ کا عذاب آنے والا ہے۔ اللہ نے اس کے کچھ گناہوں کی گرفت کر لی ہے اور بعض کرتوتوں کا مزہ اسے چکھائے گا۔ اس لئے کہ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اس لئے کہ لوگوں کی

اکثریت بدکار ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلص نہیں ہوتے یہ لوگ دیندار نہیں ہوتے اور بدکار ہوتے ہیں ان کے عقائد ونظریات بھی درست نہیں ہوتے۔ ان کا کردار بھی صحیح نہیں ہوتا۔ اصل میں لوگوں کی اکثریت گناہ آلود زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے فیصلہ نہیں کروانا چاہتے یہ لوگ کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ ہمارے آزاد خیال اور حکمران طبقے کی بھی یہی سوچ ہے کہ جس کا تذکرہ اس آیہ مبارکہ میں آیا ہے کہ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ جو لوگ اللہ کے نظام کو نہیں ماننا چاہتے۔ رسول ﷺ کی بات کو نہیں ماننا چاہتے وہ بعثت آقائے نامدار ﷺ سے پہلے کے ایام جاہلیت اور اس کے ظالمانہ طرزِ حیات کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ دو میں سے ایک بات ہوگی یا اسلام نافذ ہوگا یا اس سے روگردانی ہوئی تو وہ ظالمانہ نظام آئے گا جو اسلام سے پہلے تھا اور اگر وہ نظام آیا تو پھر وہ ہمارے اعمال کی سزا کے طور پر آئے گا۔ پھر شکایت کیسی؟ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اعمالکم عمالکم او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ تمہارا کردار ہی تم پر حکومت کرے گا۔ جیسا تمہارا کردار ہوگا ویسے لوگ تم پر حکومت کریں گے۔ آپ اپنے حکمرانوں کی فہرست سامنے رکھ کر دیکھ لیجئے کہ ہمارا کردار کیا ہے؟ کیسے کیسے لوگ ایوان اقتدار میں بیٹھے ہیں۔ یہ ہمارے اعمال کا پھل ہے جو ہم کرتے ہیں اس کی عملی شکل ہے حجاج بن یوسف گورنر بنا سخت آدمی تھا بے شمار لوگ اس نے تہ تیغ کروا دیئے جس سے اختلاف ہوتا اسے قتل کروا دیتا تھا۔ اس کے ہاتھوں بعض بہت اچھے لوگ شہید ہوئے۔ متنازع شخصیت ہے۔ اس کی اچھائیاں بھی تاریخ میں بہت لکھی ہیں اور اس کے جرائم بھی بہت لکھے ہیں اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے دنیا سے چلا گیا وہ جانے اللہ رب العالمین جانے لیکن ایک دفعہ پورے عراق میں صوبے میں ایک تحریک چل پڑی حجاج بن یوسف کے خلاف خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسی عہد میں تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ لوگوں نے حجاج کے خلاف تحریک شروع کرنے کا سوچ لیا ہے تو آپ حجرہ مبارک سے باہر آگئے آپ نے دورے کئے لوگوں میں گئے اور انہیں بتایا کہ حجاج کی صورت میں جو تم پر زیادتی ہو رہی ہے یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اور عذاب تلواروں سے نہیں ٹلتا عذاب توبہ کرنے سے ٹلتا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو اس سے تمہاری جان چھوٹ جائے تو گذشتہ پر توبہ کرلو اور آئندہ کی اصلاح کرو تو وہ تمہاری جان چھڑا دے گا۔ تلوار لے کر میدان میں نکلو گے تو اور تکلیف دہ صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ شدت آجائے گی۔ مارے جاؤ گے۔ بے گناہ لوگ مارے جائیں گے لہٰذا وہ تحریک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر ختم ہوگئی۔ مسلح تحریک شروع نہ کی گئی۔ اس میں آج حکومت کے خلاف جو مسلح تحریکیں شروع ہو رہی ہیں ان کے لئے درس عبرت ہے کہ حکومت پر بندوق اٹھانے

کی بجائے توبہ کرو اور اپنی اصلاح کرو۔ ہر فرد قوم کا ایک حصہ ہوتا ہے اور ہر فرد کے کردار کا ایک اثر پوری قوم پر ہوتا ہے۔ کیا ہم اتنا نہیں کر سکتے کہ ہم گناہ سے توبہ کر لیں اور آئندہ اپنی عملی زندگی قرآن و سنت کے مطابق ڈھال لیں اور اگر چہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کا نہیں ہے لیکن یہ اللہ کا احسان ہے کہ قرآن و سنت پر عمل کرنے سے کوئی روکتا بھی نہیں۔ یہ تو احسان ہے کہ کوئی شخص قرآن و سنت کے مطابق سود نہ لینا چاہے تو اسے مجبور کوئی نہیں کر سکتا کہ ضرور لو۔ حرام نہ کھانا چاہے تو اسے مجبور کوئی نہیں کر سکتا۔ کوئی غیر شرعی کام نہ کرنا چاہے تو اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے ہم میں سے ہر فرد کو یہ چاہیے کہ جو گزر چکا اس پر مغفرت چاہیں توبہ کریں توبہ کا مطلب ہے ایک عہد کرے کہ جو کوتاہیاں پہلے کرتا تھا وہ میں نے چھوڑ دیں اور آئندہ وہ نہیں کروں گا اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کروں گا تو اللہ کی ذات اتنی کریم ہے کہ وہ ہر عمر میں اور ہر حال میں توبہ قبول کر لیتا ہے۔ فتنوں کی یہ آگ عذاب الٰہی ہے۔ اس کا علاج توبہ ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی ایک کی سچے دل کی توبہ قبول کر لے اور سب کے لئے مثال بن جائے اور اللہ کی توبہ کے سبب دوسروں کا عذاب معاف کر دے۔ جو خود تائب ہو جاتا ہے وہ رحمت الٰہی کے سائے میں آجاتا ہے اور ساری مشکلات میں بھی اللہ کریم اس کے لئے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ اور جو لوگ قرآن و سنت کا نظام نہیں چاہتے اللہ کریم فرماتے ہیں کیا یہ چاہتے ہیں کہ وہی عہد جاہلیت کا نظام رہے۔ وہی جور و ستم رہے۔ عہد جاہلیت کا نظام کیا تھا؟ طاقتور کمزور کے ساتھ ہر ظلم کر سکتا تھا۔ بیٹیاں چھین کر لے جاتے تھے۔ عورتیں اٹھا کے لے جاتے تھے گھر لوٹ کے لے جاتے تھے۔ میں وسط ایشیاء کے اقوام کے حال پڑھ رہا تھا ایک شخص گھر سے باہر کہیں گیا ہوا تھا وہ بہت بڑی آبادی تھی اور وہ قبیلے کا سردار تھا۔ واپس آیا تو باغات وغیرہ جو تھے وہ بھی اجڑے پڑے تھے۔ مویشی بھی کوئی لے گیا۔ بیویاں بھی کوئی لے گیا۔ بیٹیاں بھی لے گیا۔ کچھ لوگ مارے گئے۔ کچھ لوگ بچ گئے وہ لٹا پٹا قبیلہ تھا وہ آیا بچے کھچے افراد کے ساتھ بیٹھا رو رہا تھا۔ اس کا ایک دوست آ گیا پوچھا کیا ہوا؟ ہر چیز برباد پڑی ہے اور تم بیٹھے رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔ فلاں قبیلے نے چھاپہ مارا ہماری بچیاں لے گئے، بیویاں لے گئے، مال مویشی لے گئے، گھر اجڑ گئے، باغ ویران کر دیا تو اس نے کہا کہ اس کا جواب باہر بیٹھ کر رونے سے کیا ہوگا؟ تم روتے رہو گے تو چیزیں مل جائیں گی؟ ایسا کرو اپنے سے کوئی کمزور قبیلہ دیکھو اسے لوٹ کے لے آؤ اور اپنی کمی کو پوری کر لو۔ یہ نظام تھا عہد جاہلیت کا۔ فرمایا جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نظام نہیں چاہتے اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ؕ عہد جاہلیت کا جو نظام ہے وہ چاہتے ہیں۔ کیا اب یہاں وہی کچھ نہیں ہو رہا؟ اس عہد جاہلیت کے مقابلے میں آج کون سی

کمی ہے؟ اگر وہ شرابیں پیتے تھے تو بڑوں کو تو چھوڑو آج آپ کی میٹرک کی بچیاں نشہ کرتی ہیں۔ کیوں آپ حقائق سے منہ موڑتے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ قرآن کا نظام چھوڑ کر محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام چھوڑ کر یہ چاہتے ہیں کہ بعثت عالی سے پہلے جاہلیت کا جو ظلم تھا وہ جاری رہے **وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴿۵۰﴾** اگر اللہ تمہیں نور ایمان دے دے یقین کی دولت حاصل ہو جائے پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ اللہ سے زیادہ خوبصورت کسی کا نظام نہیں۔ جس پر عمل آسان اور جس پر اجر بے پناہ ہو۔ کام تھوڑا ہو اور اجرت بے حساب ہو۔ یہ قانون صرف اللہ کریم عطا کر سکتا ہے۔ یہ ہمارا اپنے آپ پر بھی احسان ہوگا اس قوم پر بھی اور اس عہد پر بھی کہ ہم تائب ہو جائیں کہ اللہ جو ہو چکا وہ معاف فرما دے اور آئندہ اپنی پوری کوشش اتباع رسالت کے لئے وقف کر دیں اور حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم کو حرز جان بنائیں۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔ آمین۔

☆☆☆

سورہ المائدہ رکوع 8 آیات 51 تا 56

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ‌ؔ‌ۘ بَعْضُهُمْ
اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ‌ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ‌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ
اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ‌ ۙ
اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ‌ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ
يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ‌ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ‌ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ
يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ع

اے ایمان والو! تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ انہی میں سے ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں ﴿۵۱﴾ اسی

لئے تم ایسے لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھستے ہیں کہتے ہیں کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے سو قریب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل فتح کا ظہور فرمادے یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے۔ پھر وہ اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے ﴿۵۲﴾ اور مسلمان لوگ کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان لوگوں کی ساری کار روائیاں غارت گئیں جس سے ناکام رہے ﴿۵۳﴾ اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر اور تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے بڑے علم والے ہیں ﴿۵۴﴾ تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے ﴿۵۵﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ تعالیٰ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔ ﴿۵۶﴾

خلاصہ رکوع:

فرمایا اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دلی دوست نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو وہ انہی میں شمار ہوگا اس لئے کہ اللہ غلط کام کرنے والوں کو ہدایت نصیب نہیں فرماتے اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے وہ یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی بنانے میں تیزی دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں خطرہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کریں تو ان پر مصیبت آ پڑے گی۔ اللہ قادر ہے۔ وہ چاہے تو مسلمانوں کو ان پر واضح فتح دے دے گا اور جو لوگ منافقین ہیں کہ یہود و

نصاریٰ سے دلی دوستی کرنا چاہتے ہیں یہ اپنے کردار پر نادم ہوں گے اور مسلمان حیران ہوں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بڑی بھاری قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اے ایمان والو! ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ فرمایا؛ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے اعمال ضبط ہو جائیں گے ضائع کر دیئے جائیں گے اور حشر میں انہیں سمجھ آئے گی کہ یہ کس قدر خسارے میں رہے اور کتنا نقصان اٹھایا!

تفسیر ومعارف

مسلمان اور کافر کے تعلقات کی نوعیت:

اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی نہ رکھو۔ تعلقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک انسانی تعلق دوسرا قلبی و ایمانی تعلق۔ بحیثیت انسان ہر انسان کا دوسرے انسان سے ایک رشتہ ہے جس میں مومن اور کافر کی کوئی تفریق نہیں۔ یہودی و نصرانی کے ہاں مسلمان ملازمت تو کر سکتا ہے، لین دین کر سکتا ہے، اس سے سودا خرید سکتا ہے، اس کے ہاں مزدوری کر کے اپنی اجرت لے سکتا ہے، اس کے علاوہ انسانی ہمدردی کے تحت ان کی مدد کر سکتا ہے اور کرنی چاہیے۔ وہ بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلایا جائے۔ بیمار ہو تو اس کا علاج کروایا جائے۔ کسی تکلیف میں ہو تو مدد کی جائے۔ یہ انسانی رشتے ہیں اور انسانی اقدار ہیں۔

دوسرا تعلق ایک دلی رشتہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں بہت سی باتیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ ایسا تعلق ہوتا ہے کہ انسان متاثر ہو کر ان جیسا بننا پسند کرتا ہے۔ جس سے دلی دوستی ہو وہاں اپنے نفع و نقصان کی بات کی جاتی ہے۔ اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ ان کے معاملات میں اپنا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اسے دلی دوستی کہتے ہیں۔ ایسی دوستی کفار سے کرنا شرعاً حرام ہے اور اس کی سزا اللہ کریم نے یہ مقرر فرمائی ہے **وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ** کہ جو یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کرے گا اللہ کے نزدیک اسے یہودی و نصرانی ہی سمجھا جائے گا خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا رہے۔

علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تصنیف ''مقدمہ'' میں فرماتے ہیں کہ جس سے دلی دوستی ہو جائے اس سے انسان متاثر ہونے لگتا ہے اور سب سے پہلا اثر یہ آتا ہے کہ اس کی برائیاں ہلکی لگنے لگتی ہیں۔ پھر بندہ ان برائیوں میں غیر محسوس طریقے سے ملوث ہونے لگتا ہے۔ اگلا درجہ یہ ہوتا ہے کہ ان جیسا بننا پسند کرتا ہے۔ لباس، گفتگو، انداز خورد و نوش، معاشرت اور تہذیب ان جیسی کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی اپنی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ان ہی میں مدغم ہو جاتا ہے۔

یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کے نقصانات:

ذہنی غلامی: ہماری تاریخ ان نقصانات کی نشاندہی کرتی ہے۔ برصغیر پر انگریز حکمران رہا پھر انگریز چلا گیا لیکن اس کا وہ تسلط کہ وہ آقا تھا اور ہم غلام یہ ابھی تک ہمارے ذہنوں پر قائم ہے اور ہمارے کردار میں موجود ہے۔ یعنی پہلا نقصان ذہنی غلامی میں مبتلا ہونا ہے۔ دوسرا نقصان معاشرے میں سے حیا کا اٹھ جانا ہے۔ آج اخلاق باختگی زمانے کی روش بن گئی ہے۔ آج باپ اور بھائی تماشائی بن کر اپنی نیم ملبوس بیٹیوں اور بہنوں کو سٹیج پر رقص کرتا دیکھ کر فخر کرتے ہیں۔

بے حمیتی:

ایسی بے حمیتی چودہ سو سال کی تاریخ میں کہیں نظر آتی ہے سوائے ان زمانوں کے جب مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کی؟ آج اس دوستی کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ مسلمان کلمہ گو نمازیں پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں اور سود کھاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ کریم کا ارشاد ہے جو لوگ سود سے باز نہیں آتے۔ **فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ** (سورۃ البقرہ آیت 279) وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جہاد کے لئے تیار ہو جائیں ان کے لئے اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ جن لوگوں کے خلاف اللہ اعلان جنگ کرتا ہے تو کیا اپنے فرشتوں کی فوجیں ان کے خلاف زمین پر اتارتا ہے؟ نہیں۔ اللہ کی جنگ اپنی شان کے مطابق ہوتی ہے وہ اس طرح مارتا ہے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔

ماحول کا غیر محفوظ ہو جانا:

آج کے عہد میں دیکھا جا سکتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ نہیں۔ بازاروں میں، سکولوں میں، کالجوں میں، حتیٰ کہ مساجد میں بھی محفوظ نہیں۔ آج شہر غیر محفوظ ہیں اور جنگل محفوظ سمجھے جاتے ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں لوگ اپنی خواتین کو جنگل میں لکڑیاں جمع کرنے، مویشی چرانے، یا چشموں سے پانی لینے بھیج دیتے ہیں اور بے فکر ہو جاتے ہیں اور دکان سے سودا لانا ہو تو خود جاتے ہیں۔ اللہ سے جنگ کا نتیجہ ہے کہ جہاں درندوں کا خطرہ ہے وہاں سے نہیں ڈرتے اور جہاں انسان بستے ہوں وہاں ڈر لگتا ہے کہ انسان درندے ہو گئے ہیں۔

اشیائے ضرورت کا پہنچ سے باہر ہو جانا:

اللہ کی مار کا یہ انداز ہے کہ لوگ رقم ہاتھ میں لئے پھر رہے ہیں اور آٹا نہیں ملتا۔ ٹیوب ویل ہے لیکن

چلتا نہیں کہ لوڈ شیڈنگ ہے۔ بجلی بند ہے۔ پانی تک نہیں ملتا۔ لوگ سرمایہ لئے پھرتے ہیں اور زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے وسائل نہیں ملتے۔

حاکموں کا محافظ کے بجائے ڈاکو بن جانا:

یہ اللہ کی جنگ کا انداز ہے کہ حکمران جو رعیت کے محافظ ہوا کرتے تھے اب رعیت کا استحصال کرنے پر تلے ہیں اور رعیت کے منہ سے نوالہ چھینتے رہتے ہیں۔ یہی اللہ کا اعلان جنگ ہے جس میں معیشت تنگ کر دی جاتی ہے۔ کئی ماہ سے بارش کا قطرہ نہیں ٹپکا۔ قحط سالی ہے اور کیسی عجیب بات ہے کہ جہاں بارش ہوئی ہے وہاں بھی بصورت عذاب ہوئی ہے۔ مکان بہہ گئے، جانور اور انسان غرق ہوگئے اور جہاں غلہ اُگنا تھا وہاں بارش کے نہ ہونے کے سبب قحط سالی ہے۔ یعنی جہاں بارش ہوئی وہاں بھی عذاب اور جہاں نہیں ہوئی وہاں بھی عذاب ہے۔ ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں اس کا طریق جنگ یہی ہے۔ اللہ اسی طرح سے جنگ لڑتا ہے۔ وہ تو خالق کائنات ہے۔ مالک ہے۔ اس کا اپنا انداز ہے۔

اپنی شناخت کھو بیٹھنا:

ہمارے حکمرانوں کا یہود و نصاریٰ کی تابعداری کرنے کا انداز دیکھیے جب عوام سے خطاب کرتے ہیں تو یہود و نصاریٰ کی زبان میں کرتے ہیں۔ اپنے ملک کی شرح خواندگی کو نہیں دیکھتے کہ ملک میں کتنے لوگ پڑھے لکھے ہیں لیکن جب عوام سے خطاب کرتے ہیں تو انگریزی میں کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے ساری عوام نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رکھی ہے کہ ان سے بات صرف انگریزی میں ہی ہوگی تو انہیں سمجھ آئے گی۔

ترقی یافتہ اقوام میں یہ رواج نظر نہیں آتا۔ میں جاپان میں تھا۔ کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد سے بات چیت ہوئی جب ہم انگریزی میں سوال کرتے تو وہ سمجھ لیتے لیکن جواب انگریزی میں نہیں دیتے تھے۔ اشارے میں سمجھا دیتے۔ لیکن انگریزی بولنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ انگریز کو پسند نہیں کرتے۔ میں نے جرمنی میں بھی یہی رویہ دیکھا کہ کسی سے اگر انگریزی بول کر راستہ پوچھا ہے تو بھی اس نے اشارے سے جواب دیا، انگریزی میں جواب نہ دیا۔ خود امریکہ اور کینیڈا نے انگریزوں سے لڑ کر آزادی حاصل کی۔ آزادی کے بعد انہوں نے اپنے زبردستی بنے آقا سے یوں اظہار نفرت کیا کہ ان کے طور طریقوں سے مختلف طریقے اپنائے معمولی معمولی باتوں میں بھی ان کے طریقے کے خلاف کیا حتیٰ کہ انگریز جس طرح تسمہ باندھتے اس کے مخالف طریقہ اپنایا۔ انگریزی زبان کے ہجے اپنے طریقے پر بنائے۔ یعنی ایک ایک چیز

کا انداز بدل ڈالا۔لیکن ہم نے کچھ نہیں بدلا بلکہ ہم خود ان جیسا بننے کے جنون میں اپنی شناخت کھو بیٹھے ہیں۔ جب انگریز چلا گیا تھا تو چاہیے تھا کہ ہم بھی اپنا نظام بناتے۔ اصلاحات کرتے۔ ہمارا اپنا تعلیمی، معاشی اور معاشرتی نظام ہوتا۔افسر اور ماتحت ہوتے۔ صدر اور عوام ہوتے لیکن کوئی کسی کا آقا نہ ہوتا۔ صدر اپنے صدارتی فرائض انجام دیتا اور مزدور اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا۔ کاشتکار اور تاجر اپنا کام کرتے کوئی کسی کو غلام نہ سمجھتا۔ ہر ایک کے اپنے اپنے فرائض اپنی اپنی ذمہ داریاں ہوتیں۔ ہر ایک کے اپنے حقوق ہوتے جو اسے بآسانی مہیا ہوتے۔لیکن یہود و نصاریٰ کی دوستی رنگ لائی انگریز کے بعد دیسی گورے ہمارے حکمران بنے جو انگریزوں کی طرح بننے میں فخر کرتے ہیں۔ انہی کا نظام جاری رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں جس میں صدر اور وزیر اعظم، گورنر اور آرمی چیف اپنے اپنے عالی شان محلات میں گلچھرے اُڑاتے ہیں اور عوام پس پس کر قومی خزانہ بھرتی رہتی ہے۔عوام میں سے بھی جو ذرا پڑھ لکھ جاتا ہے اسے صاحب بننے کی دھن سوار ہو جاتی ہے۔ یہ نقصان ہے کفار سے دوستی کا کہ مسلمان کلمہ گو اپنی شناخت تک کھو بیٹھا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبیؐ اور رسولؐ ہیں۔ امام الانبیاءؑ ہیں۔ یہ حق ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ حق ہے۔قرآن حکیم اللہ کی آخری کتاب ہے اور برحق کتاب ہے۔اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی تو پھر اس کتاب کی بات سنیں۔ یہ آخری اور برحق کتاب کہہ رہی ہے اے وہ لوگو! جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو۔ ایماندار کہلاتے ہو! لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا دوست مت بناؤ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ چوروں کی دوستی چوروں سے ہوتی ہے تمہارے ساتھ نہیں ہوسکتی۔ اگر تم میں سے کسی نے ان کے ساتھ دوستی کی تو وہ انہی میں شمار ہوگا اور ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ وہ گمراہی میں بھٹک کر مر جائیں گے۔ ایسے ظالموں اور بدکاروں کو جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں اور دوستی یہود و نصاریٰ سے رکھیں اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں فرماتا۔ اللہ ہر زمانے کے ہر لمحے کے حالات سے باخبر ہے۔ یہ آیات مبارکہ چودہ سو سال پہلے نازل ہوئیں اور ہر زمانے کے حالات زیرِ بحث لا رہی ہیں۔ آج کی صورت حال بھی یہی ہے۔ اور یہ آیات الٰہی اسباب وعلامات کو بیان کر رہی ہیں۔ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے کہ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ یہود و نصاریٰ سے بھاگ بھاگ کر دوستی کرتے ہیں۔

دلوں کا مرض کیا ہے؟

دلوں کا مرض منافقت ہے۔ بظاہر مسلمانی کا دعویٰ ہو دل ایمان سے خالی ہو۔ جو بات زبان کہہ رہی

ہو دل کو اس پر یقین نہ ہو۔ دل میں یقین نہ ہونا دل کا مرض ہے۔ فرمایا؛ جن کے دل بیمار ہیں وہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے میں بڑی سرعت سے کام لیتے ہیں اور کہتے کیا ہیں؟ نَخۡشٰۤى اَنۡ تُصِيۡبَنَا دَآٮِٕرَةٌ ؕ ان سے دوستی نہ کریں تو پھر ہم پر کوئی مصیبت آجائے گی۔ کیا آج اکثر ملکی سیاسی لیڈران کا یہی انداز فکر نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر امریکہ ناراض ہوگیا تو حکومت نہیں ملے گی اور جن کے پاس ہے وہ کہتے ہیں انہیں امریکہ نے دی ہوئی ہے۔ کیا خود فریبی ہے! حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (سورۃ ال عمران 26)

تو شاہوں کو گدا کردے گدا کو بادشاہ کردے

اشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے اور بڑھانے میں

لیکن منافق یہی کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کی تو نقصان ہوجائے گا۔ جیسے ہمارے حکمران کہتے ہیں کہ امریکہ سے دوستی نہ کی تو حکومت نہیں ملے گی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہود و نصاریٰ سے نہیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے دوستی کر کے دیکھو۔ فَعَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ وہ قادر تمہیں ان پر فتح بھی دے سکتا ہے۔ تم ان پر غالب آسکتے ہو۔ یا اللہ کریم اپنی طرف سے کوئی ایسا حکم صادر کردیتا ہے کہ وہ تمہارے محتاج ہوجاتے ہیں اور تم سے کمزور ہوجاتے ہیں۔

جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں تو یہود و نصاریٰ مدینہ منورہ میں تھے۔ منافقین ان سے دوستی میں پیش پیش تھے کہ ان کے پاس قلعے، طاقت اور مال و دولت تھی اور مسلمان تو گنتی کے افراد تھے۔ منافقین کو یہ اندیشہ تھا کہ اہل مکہ آکر ان مسلمانوں کو ملیامیٹ کر جائیں گے لہٰذا یہود و نصاریٰ سے دوستی انہیں محفوظ رکھے گی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مکہ فتح ہوگیا۔ اہل مکہ مفتوح ہوگئے۔ یہود و نصاریٰ کو مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا کچھ لوگ قتل ہوئے کچھ ملک بدر ہوئے۔ اللہ پاک فرمارہے ہیں مجھ پر بھروسہ کرو۔ میرے نبی کریم ﷺ کا اتباع کرو۔ میرے رسول ﷺ کا ساتھ دو۔ میں قادر ہوں کہ تمہیں یہود و نصاریٰ پر فتح دے دوں یا ایسا انقلاب برپا کردوں کہ وہ بھی حیران اور ششدر رہ جائیں۔ فَيُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِيۡنَ ؕ۝۵۲ جب ایسے حالات ہوتے ہیں تو یہ منافق جنہوں نے اپنے دل میں بغض چھپا رکھا ہوتا ہے انہیں شرمندگی ہوتی ہے اور یہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔ اللہ قادر ہے اس کے دست قدرت میں ہے کہ وہ جسے چاہے غالب کردے اسلام تو نام ہی غلبہ کا ہے یہ کفر سے مغلوب نہیں ہوتا۔ مسلمان صرف اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس کا سر صرف اللہ کی بارگاہ میں جھکتا ہے کسی کافر کے سامنے نہیں جھکتا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ فرمایا؛ ایمان والوں کو تو ہمیشہ حیرت ہوتی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بڑی قسمیں کھاتے تھے کہ وہ اللہ کے بندے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اسلام کے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے۔ ان کا کردار یہ ہے کہ امیدیں کافروں سے باندھتے ہیں غلامی کافروں کی کرتے ہیں۔ فرمایا؛ ان منافقین کی سزا یہ ہے کہ ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اگر زندگی میں ان سے کوئی بھلا کام بھی ہوتا ہے تو وہ عنداللہ قبول نہیں ہوتا۔ منافقت کے باعث ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں انہیں تب پتہ چلے گا جب یہ قبر میں پہنچیں گے اور فردائے حشر انہیں اندازہ ہوگا کہ انہوں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا؟ کتنے خسارے میں رہے۔ خلاصہ یہ کہ مومن کو کفار سے دلی دوستی سے منع فرما دیا گیا ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ کافر کی دوستی مومن کے ایمان کو کمزور کرنے کا سبب بنے گی اور کافر اس دوستی سے فائدہ اٹھائے گا اور کفر کے لئے اس دوستی کے ذریعے جاسوسی کرے گا۔ اس لئے کہ کافر کبھی مومنین کا فائدہ سوچ نہیں سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کافروں سے دوستی کرنے سے اسلام خطرے میں پڑ جائے گا؟ یہ سمجھنے کی بات ہے۔

کفار کی دوستی سے اسلام کو نہیں کلمہ گو کو خطرہ ہے:

اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے۔ یہ قیام قیامت تک موجود رہے گا۔ اللہ کی کتاب بھی رہے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی رہیں گے اور سنت مبارکہ پر عمل کرنے والے لوگ بھی رہیں گے۔ جو کافروں سے دوستی کرے گا اور اسلام کو چھوڑے گا وہ خود خطرے میں ہوگا۔ اسلام کے سائے میں آنا اور مومنین سے دوستی رکھنا ہماری بقاء کے لئے ضروری ہے اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہے۔ اسلام پر یہ احسان نہیں ہے۔ اسے تو اللہ نے باقی رکھنا ہے۔ اور انشاء اللہ یہ باقی رہے گا۔ سو فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ اگر کوئی دین چھوڑ دے یعنی مرتد ہو جائے تو اسلام کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ جو دین چھوڑے گا وہ خود تباہ ہو جائے گا اللہ اس بات پر قادر ہے کہ کسی اور قوم کو توفیق ایمان دے دے گا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اس کے محبوب ہوں گے اور اس سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہوں گے اللہ کو ان سے محبت ہوگی اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اور اللہ کی محبت میں ہر چیز سے دستبردار ہو کر محبت الٰہی کے دعوے کو سچا کر دکھائیں گے۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وہ مسلمانوں پر مہربان اور کفار کے لئے شدید ہوں گے يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ

لاَیُحِبُّ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور اس راستے پر کسی کی ملامت کو خاطر میں نہ لائیں گے۔ اللہ سے جنون کی حد تک محبت کرنے والوں کے اوصاف بتائے گئے ہیں کہ ایسے لوگ اللہ کے احکام کے آگے اپنی رائے چھوڑ دیتے ہیں۔ فرمان الٰہی کے آگے اپنی خواہشات پامال کر دیتے ہیں۔ دنیا کے خطرات کو خاطر میں نہیں لاتے اور سب سے مشکل کام ملامت سہنا ہے وہ یہ کام بھی کر جاتے ہیں لیکن اللہ کی راہ سے نہیں ہٹتے۔ ملامت کی ایک شکل پراپیگنڈا ہے جو بندوق کی گولی یا کسی بھی اسلحے سے زیادہ طاقتور اور کارگر ہے اس کے مختلف مدارج ہیں یہ گھر سے شروع ہوتا ہے کوئی اللہ کی راہ میں نکلے تو قریبی لوگ شروع ہوتے ہیں پھر رشتہ دار بیوقوفی کا طعنہ دیتے ہیں۔ دوست طعن کرتے ہیں اور یہ سلسلہ حکومت کی سطح تک جاتا ہے تو دنیاوی تکالیف، مالی نقصان، جانی خطرات، اس کے ساتھ مخالف پروپیگنڈا اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کو خاطر میں وہی شخص نہیں لاتا جو محبت الٰہی کا اسیر ہو چکا ہو جسے اللہ سے جنون کی حد تک محبت ہو وہ یہ پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی اسے برا بھلا کہے اسے یہ تک پرواہ نہیں ہوتی کہ کون اس کے قتل کے درپے ہے۔ اللہ سے اتنی محبت کیسے ہو جاتی ہے؟ جبکہ اللہ کو دیکھ نہیں سکتے۔ اللہ سے بات نہیں کر سکتے، اس کی کوئی مثال نہیں ہے، اسے سوچا نہیں جا سکتا، وہ اللہ سے اس لئے محبت کریں گے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور جب اللہ ان کو محبوب رکھے گا تو اللہ کی محبت ان کے دلوں میں بھی جنون کی حد تک ہو جائے گی۔

اس آیۃ کریمہ کا مصداق سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہیں:

تمام صحابہ کرامؓ کا اپنا اپنا مرتبہ ہے اور درجہ بدرجہ فضیلت کے حامل ہیں لیکن سیدنا ابوبکر صدیقؓ تمام امت میں افضل ترین ہستی ہیں جو بے مثل و بے مثال ہیں۔ مسلمانوں پر دکھ کی سب سے بڑی گھڑی وہ تھی جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا۔ آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے تو بعض صحابہ کرامؓ ایسے تھے کہ جس حال میں بھی تھے ویسے ہی رہ گئے۔ جو بیٹھے تھے وہ زندگی بھر اٹھ نہ سکے اور بعض جو کھڑے تھے وہ یہ خبر سن کر ہمیشہ کے لئے اسی حال میں رہ گئے اور پھر کبھی بیٹھ نہ سکے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والوں کا کہنا تھا کہ ایسے لگتا تھا جیسے رات ہو گئی ہو۔ انہیں دن کی روشنی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اس حالت میں دنیاوی خطرات ہر سمت سے امڈ کر آ گئے۔ دنیا کی ایک دنیاوی طاقت قیصر روم کی فوجیں اسلامی ریاست کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کے مقابلے کے لئے اپنی حیات مبارکہ میں ایک لشکر تیار فرمایا جو ابھی مدینہ منورہ میں تھا کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ آٹھ بڑے بڑے قبائل نے یہ کہہ کر زکوۃ دینے سے انکار کر دیا کہ وہ مرکز کو زکوۃ دیتے تھے جب حضور

اکرم ﷺ حیات تھے۔ اب وصال نبوی ﷺ کے بعد وہ مرکز کو زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ دوسری طرف ایک عورت سمیت کئی جھوٹے مدعیان نبوت کھڑے ہوگئے ان میں مسیلمہ کذاب سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس کے ساتھ چالیس ہزار جنگجو سپاہی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان تمام محاذوں پر لڑنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپؓ نے فرمایا سب سے پہلے مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر کشی ہوگی جن قبائل نے مرکز کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے ان کے خلاف لشکر کشی ہوگی قیصر کے خلاف جو بڑا لشکر حضور اکرم ﷺ نے ترتیب فرمایا تھا وہ فی الفور روانہ ہوگا۔ آپؓ کے اس فیصلے پر عظیم المرتبت صحابہؓ لرز کر رہ گئے۔ جبکہ ان میں وہ صحابہؓ بھی تھے جو بدر میں شامل تھے۔ اُحد، خندق، خیبر میں شامل تھے۔ حتیٰ کہ فاروق اعظمؓ نے عرض کیا ''امیر المومنین مسلمانوں کی تعداد کم ہے اگر آپ ان تمام محاذوں پر بیک وقت لڑیں گے تو نتیجہ کیا ہوگا؟'' آپؓ نے فرمایا ''اگر مجھے یہ خطرہ ہو کہ میں مدینہ منورہ میں تن تنہا رہ جاؤں گا اور بھیڑیئے مجھے پھاڑ کر کھا جائیں گے میں تب بھی ان سب کے خلاف جہاد کروں گا''۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ترتیب دیئے ہوئے لشکر کو خود ساتھ جا کر روانہ کیا۔ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی۔ منکرین زکوٰۃ پر چڑھائی کر دی۔

قیصر کو لڑنے کی توفیق ہی نہ ہوئی وہ محاذ پر ہی نہ آیا اور لشکر واپس آ گیا۔ مسیلمہ کذاب کو بری طرح شکست ہوئی وہ مارا گیا۔ اس کے بے شمار لوگ قتل ہوئے اور اس کی اتنی بری شکست دیکھ کر باقی مدعیان نبوت کی بھی کمر ٹوٹ گئی۔ منکرین زکوٰۃ بھی تائب ہوئے۔ سارے معاملات اللہ کی مہربانی اور تائید سے فتح اور غلبے پر منتج ہوئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ محبت، عشق اور جنون کی بہترین مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ آپؓ اللہ سے محبت کرنے کی تابندہ مثال ہیں اور اس محبت کے اظہار کے انؓ کے انداز امت کے لئے نشان منزل ہیں۔

اللہ سے محبت کیسے ہو؟

اطاعت الٰہی کے لئے، جہاد کے لئے، لوگوں کے طعنے اور ملامت سننے کے لئے، مالی نقصان اور دنیوی تکالیف برداشت کرنے کے لئے جنون چاہیے۔ محبت کا وہ درجہ چاہیے اور وہ بھی اللہ سے تو اللہ سے محبت کیسے ہو؟ اس کا جواب اللہ کریم نے بتا دیا **یُحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗۤ** جب اللہ کریم کسی سے محبت فرماتا ہے تو جواباً اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ محبت الٰہی اسکے دل میں محبت کا جنون پیدا کر دیتی ہے۔ اس جواب نے

تو ایک اور مشکل پیدا کر دی یعنی یہ کہ ہم اللہ کریم سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو اس کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ ہم سے محبت کرے۔ یہ تو مشکل بن گئی بندے کے بس میں نہیں ہے کہ اللہ کریم کے ہاں اپنی محبت پیدا کر دے اور اس سے محبت کرنے لگے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اور انسان تو محسوس چیزوں کو دیکھ کر ان سے محبت کرتا ہے۔ ہمیں وہ چیزیں اچھی لگتی ہیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں۔ کوئی آواز سنتے ہیں تو پیاری لگتی ہے۔ اولاد نظروں کے سامنے ہوتی ہے، پیاری لگتی ہے، دوست بھلے لگتے ہیں، ہم ان سے محبت کرتے ہیں، مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جائیداد سامنے ہوتی ہے، ہمیں اچھی لگتی ہے۔ اللہ سے محبت کیسے کہ نظر نہیں آتا، سامنے نہیں ہے۔ اللہ کو ہماری ضرورت نہیں۔ اللہ ہر شئے سے بے نیاز ہے۔ اللہ سے محبت تو اور مشکل ہوگئی کہ وہ تب ہوگی جب اللہ آپ سے محبت کرے گا۔ بندہ اللہ سے کیسے محبت کرے گا؟ تو اس مشکل کا آسان ترین حل اللہ کریم نے خود عطا فرما دیا۔ اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا کہ اے میری نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجئے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ (سورۃ ال عمران 31) اے لوگو! اگر تمہیں اللہ کی محبت چاہیے تو پھر میرا اتباع کرلو۔ زندگی کو میری غلامی میں ڈھال دو۔ اپنا جینا، مرنا، دوستی، دشمنی، کمانا، کھانا، جاگنا، سونا تعلقات سب کو میرے اتباع میں کرلو تو يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اللہ تم سے محبت کرے گا تو ایسا عشق نصیب ہوگا کہ تم مومنوں کے لئے نرم دل اور کافروں کے لئے سخت دل ہو جاؤ گے۔ مومنوں کو تم سے کوئی دکھ نہیں پہنچے گا اور کافر تمہیں مسخر نہیں کر سکیں گے۔ جہاد کے لئے توفیق بھی نصیب ہو جائے گی اور راہ حق پر اس طرح استقامت نصیب ہوگی کہ طنز و تشنیع، پراپیگنڈے اور ملامت سے متاثر ہوئے بغیر راہ حق پر ڈٹے رہو گے۔

یاد رہے! تلواروں اور توپوں کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے اور طنز کے تیر اتنے تلخ ہوتے ہیں کہ ان کا مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے گھر میں بعض اوقات بیویاں، رشتہ دار، میکے، سسرال، دوست احباب میں سے بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ کیا بیوقوفی ہے۔ اس کا لباس دیکھو۔ حلیہ دیکھو۔ جب دیکھو مسجد کی جانب دوڑا جاتا ہے۔ اسے نمازوں سے ہی فرصت نہیں۔ اسی طرح حکومت اور بین الاقوامی طاقتیں بہت سوچ سمجھ کر پراپیگنڈا مہم چلاتی ہیں خاص اصطلاحات وضع کرتی ہیں مثلاً جب تک افغان روس کے خلاف لڑے تو امریکہ نے انہیں مجاہدین کے نام سے پکارا۔ جب وہ امریکہ کے خلاف لڑے تو انہیں دہشت گرد کہا گیا۔ القاعدہ کی اصطلاح ان کے لئے ایجاد کی گئی۔ ان دنوں ہمارے ملک کے ایک حصے وزیرستان میں امریکہ بمباری میں مصروف ہے۔ ہماری جماعت کا ایک ساتھی اسی بمباری کی زد میں آ گیا۔ اس کی عادت تھی کہ وضو

کرنے کے بعد آسمان کی طرف انگلی اُٹھا کر کلمہ شہادت پڑھتا تھا۔ اس دن بھی وہ اسی حالت میں تھا کہ موت واقع ہوگئی۔ دوسرے ساتھیوں نے اس کے وجود کی تلاش کی لیکن کچھ نہ ملا سوائے اس بازو کے جس کے ہاتھ کی اُنگلی اٹھی ہوئی تھی۔ ساتھیوں نے بازو پر کفن کا کپڑا رکھ کر نماز جنازہ پڑھا، دفن کیا لیکن حکومتی سطح پر جو خبر نشر ہوئی وہ یہ تھی کہ اتنے دہشت گرد مارے گئے۔ یہ اثر ہوتا ہے بین الاقوامی پروپیگنڈے کا کہ ایسے لوگ بھی حکومتی اعداد و شمار میں دہشت گرد کہلاتے ہیں۔

فرمایا؛ جنہیں اللہ سے محبت ہوتی ہے وہ ان چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ چیزیں ان کے قدم نہیں روک سکتیں نہ وہ توپ وتلوار سے ڈرتے ہیں نہ کسی انسان سے۔ ان کی نظر حقائق پر ہوتی ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ لوگ کیا کہیں گے وہ یہ سوچتے ہیں کہ اللہ کیا فرماتا ہے؟ اللہ نے اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا حکم دیا ہے؟ لوگ جو کہتے ہیں وہ کہتے رہیں۔ نظر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر ہوتی ہے کہ میرے لئے اللہ نے کیا حکم دیا ہے؟ میرے لئے میرے محبوب نبی کریم ﷺ نے کیا حکم دیا ہے؟ مجھے صرف وہی کرنا ہے۔

یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝** اللہ کریم بہت وسعت والے ہیں۔ اللہ کریم کی تمام صفات وسیع اور وسیع تر ہیں اور علیم بھی بے مثال ہیں۔ ہر ایک کے دلی جذبے کو جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کتنی محبت ہے؟ کس کے دل میں اتباع نبوی ﷺ کا کتنا جذبہ ہے؟ اسے میرے نبی کریم ﷺ کی سنتیں کتنی محبوب ہیں؟ ان جذبوں سے وہ آگاہ ہے اور اسی حساب سے اتباع رسالت ﷺ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ جب اللہ محبت کرتا ہے تو بندے کو بھی اللہ سے محبت ہو جاتی ہے۔

اللہ کی دوستی اور خشوع:

فرمایا: اللہ کے دوست جب عبادات انجام دیتے ہیں خواہ وہ عبادات مالی ہوں یا جسمانی تو ان میں انہیں اللہ کی حضوری نصیب ہوتی ہے وہ ہر عبادت اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ اللہ کے روبرو کرتے ہیں اور دل وجان سے کرتے ہیں۔ **اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝** اے ایمان والو! اے وہ لوگو جن کا تعلق اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے ہے۔ یقیناً تمہارا دوست اللہ ہے۔ اللہ کا رسول ﷺ ہے اور وہ مومنین تمہارے دوست ہیں جو نام نہاد مسلمان نہیں بلکہ باعمل اور مخلص مسلمان ہیں۔ وہ ایمان والے تمہارے دوست ہیں جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور دلی

گرویدگی سے کرتے ہیں ان کی ہر عبادت میں خشوع ہوتا ہے۔ ایمان والے وہ ہیں جو عملاً مسلمان ہیں جو وفا کرتے ہیں، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے۔

مردم شماری میں تو بے شمار لوگ مسلمان ہیں لیکن جو کلمہ پڑھ کر اللہ اور اللہ کے نبی کریم ﷺ سے بغاوت کرتے ہیں۔ اس کی کھلے بندوں نافرمانی کرتے ہیں عبادات ادا نہیں کرتے معاملات میں دیدہ دانستہ بددیانتی کرتے ہیں ایسے لوگوں سے دوستی کی امید نہ رکھو۔ تمہارا دوست اللہ ہے اگر سارا جہاں مخالف ہو جائے اور اللہ ساتھ ہو تو کیا فرق پڑتا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ ہے اس کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اور وہ مسلمان تمہارے دوست ہیں جو اللہ کے حکم کے مطابق صلوٰۃ ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ تمام اعمال کرتے ہوئے بھول ہو جانا یا غلطی ہو جانا انسانی خاصہ ہے لیکن ان کی خلوص دل سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ہر کام اللہ اور اللہ رسول ﷺ کی اطاعت میں کریں۔ ایسے لوگ اطاعت کرنے کے لئے یقیناً ضروری علم بھی حاصل کرتے ہیں۔ جب اطاعت الٰہی کا جذبہ سچا ہو تو سیکھنے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ فقہا فرماتے ہیں کہ فرض کا جاننا فرض ہے، سنت کا جاننا سنت ہے، واجب کا جاننا واجب ہے۔ **وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝٥٦** ایسے شخص کو جسے اللہ کی دوستی نصیب ہو، اللہ کے رسول ﷺ کی دوستی نصیب ہو، اللہ کے ایماندار بندوں کی دوستی نصیب ہو اسے زندگی کے کسی محاذ پر کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ ایسا شخص تو اللہ کی فوج میں سے ہے اور بڑا خوش نصیب ہے کہ اللہ کا لشکر ہمیشہ غالب رہتا ہے وہ ہر میدان میں کامیاب ہوتا ہے۔ زندگی میں، موت میں، بعد الموت، حشر، ہر میدان میں کامیابی مقدر بن جاتی ہے۔

☆☆☆☆

سورہ المائدہ رکوع 9 آیات 57 تا 66

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَكُمۡ هُزُوًا
وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ
اَوۡلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيۡتُمۡ اِلَى
الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوۡهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ
﴿۵۸﴾ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ
اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾
قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ مَنۡ لَّعَنَهُ
اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيۡهِ وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ وَعَبَدَ
الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰۤئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا
جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ
يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا
كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ لَوۡلَا يَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ
قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۶۳﴾
وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا

قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ؕ وَ
اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ
اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ
اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَ
لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ
لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ
ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔ ﴿۵۷﴾ اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے ﴿۵۸﴾ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں کون سی بات معیوب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے اور اس پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں ﴿۵۹﴾ آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی اللہ کے یہاں پاداش ملنے میں زیادہ برا ہو وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو اور

ان کو بندر اور سور بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو ایسے اشخاص مکان
کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہِ راست سے بھی بہت دور ہیں ﴿۶۰﴾ اور
جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر
ہی کو لے کر آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ تو خوب جانتے ہیں
جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں ﴿۶۱﴾ اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں کہ جو
دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام بہت برے
ہیں۔ ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں
منع کرتے؟ واقعی ان کی یہ عادت بری ہے اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند
ہو گیا ہے ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیئے
گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتے ہیں خرچ
کرتے ہیں جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے
وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے اور ہم نے ان
میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا
چاہتے ہیں حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور
اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے ﴿۶۴﴾ اور اگر اہل کتاب ایمان
لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں معاف کر دیتے اور
ضرور ان کو چین کے باغوں میں داخل کرتے ﴿۶۵﴾ اور اگر یہ لوگ توریت کی
اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے
اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے خوب فراغت
سے کھاتے ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں ایسے
ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں ﴿۶۶﴾

خلاصہ رکوع

فرمایا؛ اے ایمان والو! ایسے لوگوں کے ساتھ قلبی تعلق یا دلی دوستی نہ رکھو جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں ایسے لوگ اہل کتاب میں سے بھی ہیں اور کفار میں سے بھی۔ سو' جو لوگ دین کا مذاق اڑانے والے ہیں ان سے دلی دوستی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس معاملے میں اللہ کریم کی عظمت کا احساس رکھو۔ **وَاتَّقُوا اللّٰہَ** کا اردو ترجمہ اللہ سے ڈرو کیا جاتا ہے لیکن تقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ سے تعلق میں ٹوٹ پھوٹ کا ڈر ہے کہ جو تعلق تمہارا اللہ سے ایمان کا ہے، عبادت اور اطاعت کا ہے اس رشتے میں دراڑ نہ آ جائے۔ اور ہر ایمان دار کو اپنے ایمان کی سلامتی سب سے مقدم ہونی چاہیے۔ اگر کفار سے دلی دوستی کرو گے اور وہ تمہارے دین کا، تمہارے نبی ﷺ کا، تمہارے لئے نازل ہونے والی کتاب کا مذاق اڑا رہے ہوں گے تو تم بھی اس کی زد میں آ جاؤ گے۔ تمہارا اللہ سے جو تعلق ہے وہ سلامت نہیں بچے گا۔ اس بات سے ڈرو۔ اور تم دیکھتے نہیں ہو کہ جب تم اذان کہتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اذان عظمت الٰہی کا بہت خوبصورت مظہر ہے۔ اذان کے الفاظ اور اس کا ترجمہ اس کا ایک ایک لفظ عظمت الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔ اذان تو ساری انسانیت کے لئے رحمت عامہ کی صدا ہے اس میں دعوت عام ہے کہ جو چاہے آئے اور اللہ کی اطاعت کرے اور اللہ سے انعام پائے لیکن یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان میں عقل نہیں ہے۔ ان سے پوچھو کہ تم اہل کتاب ہو؟ نبیوں کے ماننے والے ہو تو مسلمانوں سے کس بات کا انتقام لے رہے ہو یعنی اگر تمہارے پاس کتاب ہے تم اسے منزل من اللہ کہتے ہو تو یہی دعویٰ تو مسلمانوں کا بھی ہے کہ اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ پر اپنی آخری کتاب نازل فرمائی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس کتاب ہونا اچھی بات ہے تو مسلمانوں کے پاس کتاب الٰہی ہونا کیسے جرم ہے؟ تم کس بات پر خفا ہو؟ صرف اس بات پر کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آئے اور جو کتاب ہماری طرف نازل ہوئی ہے اس پر بھی ایمان لائے اور ہم ان کتابوں کو بھی منزل من اللہ مانتے ہیں جو ہم سے پہلے دنیا پر نازل ہوئی ہیں۔ ہم کسی ایک کتاب کا بھی انکار نہیں کرتے لیکن تم جو مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہو، ذرا اپنی تاریخ پر نظر دوڑاؤ، اپنے آباؤ اجداد کی نافرمانیوں اور ان کے انجام کو یاد کرو کہ اکثریت بدکاروں کی ملتی ہے۔ کسی پر اعتراض کرنے کے لئے اپنا دامن تو صاف ہونا چاہیے۔ فرمایا؛ ان سے کہیے کہ ہم بتائیں عنداللہ سب سے برا بدلہ کن لوگوں کو ملے گا؟ کن لوگوں پر غضب الٰہی ہوگا اور بہت سخت سزا کن لوگوں کو ملے گی؟ ان لوگوں پر جن کا کردار اتنا مسخ ہوا کہ ان

پر اللہ کی لعنت ہوئی وہ دنیا میں بھی اللہ کے غضب کا شکار ہوئے ان کا کردار مسخ ہوا، ایمان ختم ہوا اور روحانی شکل بھی انسانی نہ رہی۔ تمہارے آباؤ اجداد میں سے بعض ایسے بدبخت تھے کہ ان کی جسمانی شکلیں بھی بدل گئیں۔ کوئی ان میں سے بندر بن گئے اور کسی کو خنزیر بنا دیا گیا۔ وہ شیطان کے پجاری بن گئے تھے وہ اپنے مقام کے لحاظ سے سب سے برے ہیں اور بہت دور کی گمراہی میں جا گرے ہیں۔

یہ سادہ سا ترجمہ تھا ان آیات مبارکہ کا۔ میں یہ ترجمہ اس لئے کر دیتا ہوں کہ اکثر تراجم کی زبان قدیم ہو چکی ہے۔ ترجمہ کو عام فہم بنانے کے لئے علیحدہ سے مفہوم بیان کر دیتا ہوں۔

تفسیر و معارف

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ فرمایا جو لوگ دین کا مذاق اڑاتے ہیں ان میں وہ بھی ہیں جنہیں آپ سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اور بے دین کافر بھی ہیں یہ سارے تو تمہارے نبی، تمہارے رسولؐ، تمہاری کتاب اور تمہارے دین کا مذاق اڑاتے تھے تو تم کس برتے پر ان کو دوست بناتے ہو؟ کس طرح ان کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہو؟ ان سے کیسے مانگتے ہو؟ کیا تمہاری غیرت ایمانی کو یہ گوارا ہے؟ وہ توہین کرتے ہیں تو ان کے خلاف جلوس نکالتے ہو کہ توہین رسالت ہوئی ہے اور پھر انہی کے دروازے پر جھولی پھیلائے کھڑے ہوتے ہو کہ وہ خیرات دیں۔ غیرت نہیں آتی؟ ان سے دوستی کس بات پر؟

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۵۷﴾ اگر تم واقعی ایمان رکھتے ہو تو پھر اللہ سے اپنے تعلق کو استوار رکھو۔ مومن کون ہے؟ وہ جس کی جان، مال، آبرو دین پر قربان ہونے کے لئے تیار رہے، جسے دین، جان و مال اور اولاد سے زیادہ عزیز ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے **لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (بخاری و مسلم) او کما قال رسول اللہ ﷺ** ”تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہ ہوگا جب تک کہ اس کے دل میں اپنے والد اور اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو جائے“ (بخاری)

مومن کفر سے نفرت کرتا ہے کافر سے نہیں۔ اس لئے اسلام نے یہ نہیں سکھایا کہ کافروں کو جینے نہ دو بلکہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری لگائی ہے کہ انہیں جینے کی ساری سہولتیں بہم پہنچاؤ۔ تمام انسانی تعلقات ان

سے بحال رکھو یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں پر ریاست کے دفاع کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ریاست پر حملہ ہوا تو مسلمان جانیں دیں گے کہ وہ ریاست کے مالک ہیں۔ غیر مسلموں کی بھی جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے۔ غیر مسلم جزیہ دیں گے اور مسلمانوں کی پناہ میں رہیں گے۔ لیکن کافروں سے دلی دوستی نہیں ہوسکتی۔ ایسے تعلقات نہیں بنائے جاسکتے، ایک دوسرے کی ایسی دعوتیں نہیں ہوسکتیں جو دلی دوستی پر منتج ہوں۔ ان کے ہاں رشتے نہیں ہوسکتے۔ شادیاں نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے بھی کہ کافروں کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ اس دوستی کا ہمیشہ غلط فائدہ ہی اٹھائیں گے۔

کفار سے دلی دوستی غیر محسوس انداز سے اثر انداز ہوتی ہے:

وطن عزیز اسلامی ریاست کہلاتی ہے اور ہمارے وفاقی وزیر کے بارے اطلاع آئی ہے کہ جب اسلام آباد میں کہیں سے اذان کی آواز آجائے تو وہ مؤذن کو برا بھلا کہتے ہیں کہ دن بھر اذانوں کی آواز نے تنگ کر رکھا ہے۔ تو کلمہ گو میں یہ بات کہاں سے آگئی۔ کافروں کی دوستی رنگ لائی اور کافروں کی خصوصیات مسلمانوں نے اپنالیں۔ U-tube پر ایک اور وفاقی وزیر کی بیرون ملک مشغولیت دکھائی گئی ہے وہ امریکہ کے دورے پر تھے۔ حمر لیموزین میں سوار تھے جس کے اندر شراب سے لے کر مزید لوازمات تک سب میسر تھا۔ وہ شراب پی رہے تھے، عیاشی کر رہے تھے، گاڑی سے جہاں اترے وہاں اچھل کود ہو رہی تھی اور ڈالروں کی بارش ہو رہی تھی۔

یہ اسلامی ریاست کے وزراء تھے۔ یہ لوگ ایسے کیوں ہوگئے؟ یہ تو جب پیدا ہوئے تھے تو ان کے کانوں میں سب سے پہلی آواز **اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ** پہنچائی گئی تھی۔ پھر انہیں کیا ہوا؟ ایک ہی وجہ ہے۔ کافروں کی دوستی نے انہیں یہاں پہنچایا۔ قرآن حکیم نے اس دوستی سے منع فرمایا ہے۔ کفار سے دوستی غیر محسوس طریقے سے کام کرتی ہے مثلاً ہمارے ارباب اقتدار جب امریکہ یا برطانیہ میں زیرِ تعلیم ہوتے ہیں تو ان کی دوستی کفار و مشرکین سے ہو جاتی ہے پھر وہ آپس میں روابط قائم رکھتے ہیں اور جب ہمارے ملک کے حکمرانوں کو ملتے ہیں تو بر سبیل تذکرہ کچھ ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس کو ہمارے حکمران جوں کا توں قبول کر لیتے ہیں۔ خواہ اس پراجیکٹ پر ملکی ماہرین کی شبانہ روز محنت لگی ہو اور تجربہ کام آیا ہو مثلاً جب موٹر وے بن رہی تھی تو اس کی چھ رو LANES تھیں۔ امریکہ یا برطانیہ کا وہ شخص جو کبھی ہمارے صدر اور وزیر اعظم کا شناسا تھا وہ ہانگ کانگ جا رہا تھا راستے میں اپنے دوست سے ناشتے پر ملاقات

کی۔ دوران گفتگو پتہ چلا کہ بڑی خوب صورت موٹر وے بن رہی ہے، چھ رو ہیں ویسے ہی کہہ دیا کہ آپ کو چار رو ہی کافی ہونی تھیں خوامخواہ چھ رو بناڈالیں۔ گفتگو ختم ہوگئی دوست اپنی منزل پر روانہ ہوگیا۔ ہمارے صدر یاوزیرآعظم اپنے دفتر پہنچے اور حکم جاری کردیا کہ زیرتعمیر چھ LANES روک کر چار بنائی جائیں گی پورا منصوبہ تبدیل کرناپڑا صرف اس لئے کہ صاحب بہادر سے ہمارے حکمران اتنے مرعوب اور متاثر ہوئے کہ ان کی عام سی بات کو ماہرین اور قومی مفادات پر یوں ترجیح دی جیسے یہ بہت بڑی بات ہے اور بے حد ضروری حکم ہے جو بجالانا ہے۔ میں نے یہ بات اس وقت کے صدر پاکستان فاروق لغاری کو بتائی تو انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں ہم لوگ واقعی اسی طرح غیر محسوس انداز سے ان غیر ملکیوں کی بات کو مان لیتے ہیں وہ اس تجزیے پر بھی حیران تھے اور اس روّیے پر بھی۔

معاشی اور معاشرتی بے انصافی کی وجہ کفار کی پیروی:

انصاف کی بنیاد دین حق پر ہے۔ ملک میں اگر انصاف ممکن ہوگا تو صرف اسلامی نظام عدل کے رائج ہونے سے ہوگا۔ انگریزوں کے رائج کردہ نظام سزا سے عدل نہیں ہوگا۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ تم اللہ کی عظمت اور بڑائی بیان کرتے ہو۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اعلان کرتے ہو۔ اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہو اور کتنے خوبصورت اور پروقار انداز میں بھلائی کی طرف بلاتے ہو کہ آؤ اللہ کی عبادت کی طرف اس میں تمہاری اپنی بہتری ہے، اپنا فائدہ حاصل کرنے کی طرف آؤ تو یہ اذان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ یہ اتنے بے عقل ہیں کہ اپنی بھلائی کو بھی نہیں پہچانتے۔

بے عقل و بے دانش کون؟

فرمایا یہ بے عقل و بے دانش ہیں جو دین کے شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ قرآن حکیم بتارہا ہے کہ یہ من حیث القوم بے شعور لوگ ہیں کہ انسان ہوکر، شرف انسانی پاکر بھی جو اللہ کو نہ پہچانے، انبیاءؑ کو نہ پہچانے، انسانی تصانیف اور کتاب الٰہی میں فرق نہ کرسکے تو فرمایا یہ وہ ہیں جن کی عقل ماری گئی ہے۔

ہم لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے۔ ہمارے ساتھ حضرت قاضی لیٹی والے بھی تھے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سادہ سے کاشتکار تھے۔ زیادہ پڑھے لکھے تو نہیں تھے لیکن بہت پائے کے دانش مند تھے۔

ان کے منازل بھی بلند تھے اور ان کا مجاہدہ بھی بے مثل تھا۔ کافی ضعیفی کی حالت میں بھی دن رات

میں پانچ سو رکعت پڑھنا معمول تھا۔ اسی محفل میں کسی شخص نے نہرو کی موت کی خبر دی اور یہ کہا کہ وہ ہندوؤں کا بڑا زیرک سیاستدان اور قوم کا دانا آدمی تھا۔ تو قاضی صاحب بول پڑے اور پوچھنے لگے کیا وہ مسلمان تھا؟ اس شخص نے کہا کہ نہرو تو ہندوؤں کا وزیر اعظم تھا اور ان ہی کی قوم کا فرد تھا۔ قاضی صاحب نے کہا زیرک ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ کو نہ پہچان جاتا۔ جس نے نبی کریم ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھا تم اس کی عقل کی تعریف کر رہے ہو؟ وہ کیسا عقل مند آدمی تھا۔ ساٹھ ستر برس زندگی گزار لی اور محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں پہچان سکا؟ تو وہ عقلمند نہیں بے وقوف اور بے عقل تھا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ فرمایا ان سے پوچھئے تو سہی کہ یہ لوگ مسلمانوں کی مخالفت کیوں کرتے آرہے ہیں؟ آخر کار مسلمانوں کا جرم کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر یقین رکھتے ہیں۔ حالانکہ تمہارے انبیاءؑ کی دعوت حق بھی یہی تھی۔ تم نے لاالہ الا اللہ کو بھلا دیا تم نے اپنے انبیاءؑ کے پیغام کو پسِ پشت ڈال دیا اپنی کتابوں میں تحریف کردی۔ اگر لاالہ الا اللہ پر ایمان لانا جرم ہے تو یہ جرم تم مسلمانوں سے پہلے کر چکے ہو پھر مسلمانوں سے مخالفت کی وجہ؟ لیکن بات یہ ہے کہ تم نے تو اپنی کتابوں کے احکام کو بدل دیا اور اب بدلے ہوئے احکام کو دین کہتے ہو ان پر ہمارا ایمان نہیں۔ ہم ایمان لائے ان حقیقی کتابوں پر جو اللہ نے اپنے انبیاءؑ پر نازل کیں جن کی تصدیق قرآن حکیم نے کی۔ تمہاری نظر میں ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم اس کتاب اللہ کو مانتے ہیں جو اللہ نے ہمارے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائی آپ ﷺ کے بتانے پر ہم اللہ کی ان کتابوں کو مانتے ہیں جو ہم سے پہلے دنیا پر اللہ نے بھیجیں۔ جب ہم تمہارے نبیوں کو بھی نبی مانتے ہیں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کو بھی کتاب الٰہی مانتے ہیں تو پھر تم کس بات پر خفا ہو؟ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ مسلمانوں پر اعتراض کیسے کرتے ہو جبکہ تمہارا قومی کردار وہ ہے جس پر اللہ کی طرف سے لعنت آچکی ہے تم راہ راست سے دور ہو اور لعنت زدہ لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

فاسقین:

تم اپنی کتابوں میں تحریف کر کے، احکامات الٰہیہ بدل کر من مانے احکام تراش کر اس حالت کو پہنچے ہو کہ تمہاری غذا حرام ہے، شراب پیتے ہو، خنزیر کھاتے ہو، ہر حرام چیز رغبت سے کھاتے ہو، نجاستیں

کھانا تمہاری عبادت ہے، سود کھاتے ہو، شراب خوری کرتے ہو، بدکاری کرتے ہو اور اسے باعث فخر سمجھتے ہو۔ بحیثیت مجموعی فاسق و فاجر تم ہو۔ خواتین کو کھلونہ بنانے والے تم ہو۔ خواتین کی عزت کو برسر عام نیلام کرنے والے لوگ تم ہو۔ اپنی حالت دیکھو! تمہارے ہاں نہ ماں کی ممتا محفوظ ہے نہ رشتوں کی حرمت، نہ کمانے میں حلال ہے نہ کھانے میں حلال۔ خود سیاہی کے سمندر میں غوطہ زن ہو اور مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہو! اپنے گھناؤنے طور طریقوں کو تہذیب کہتے ہو اور مسلمانوں کے پاکیزہ اطوار کو غیر مہذب!

دکھ کی بات یہ ہے کہ کفار کی بدتہذیبی کو جس میں بے حیائی عبادت کا درجہ رکھتی ہے جہاں بہن بھائی باپ بیٹی کے درمیان عزت و حرمت محفوظ نہیں اسے تہذیب سمجھ کر کلمہ گو لوگوں نے اپنا لیا ہے۔ اگر ہندوؤں کے ہاں بے لباسی کی حد تک نیم لباسی کو مذہب ہونے کی علامت سمجھا گیا ہے تو آج وطن عزیز کے ٹی وی چینلز کو دیکھ لیں مسلمانوں کی بیٹیاں، مسلمانوں کی بہنیں، حتیٰ کہ مسلمانوں کی سفید بالوں والی مائیں بھی بے پردہ ہی نظر آ رہی ہیں۔ لباس میں بے حیائی، حرکات میں فحاشی، اچھلتی کودتی نظر آئیں گی اور بھائی، باپ اور بیٹے خوشی سے تالیاں پیٹتے نظر آتے ہیں۔ یہ کیسی مسلمانی ہے اور کیسی اسلامی ریاست ہے؟ کفار کی تہذیب یہاں کیسے در آئی؟ اس کا سبب وہی ہے جو قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ فاسقوں سے دلی دوستی فاسق بنا دے گی جتنی کسی کی ان فاسقین سے دوستی ہوگی اتنی ہی بدکاری ان کے گھروں میں داخل ہو جائے گی۔ چونکہ برسر اقتدار طبقے کی ان کے ساتھ دوستی ہے اس لئے ان کے ہاں زیادہ آ چکی ہے۔ میڈیا پر کنٹرول ان کا ہے اس لئے عوام بھی دیکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ خبریں دیکھنے کے دوران بھی ایسے ایسے اشتہار آتے ہیں جنہیں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھا جا سکتا۔

یہ سب بے حیائی کہاں سے آ گئی؟ کافروں کی دوستی سے۔ قرآن حکیم اسی دوستی سے منع کر رہا ہے۔

فرمایا؛ جب یہ آپ لوگوں کے پاس آتے ہیں تو دعویٰ ایمان کرتے ہیں لیکن یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ کفر لے کر ہی آتے ہیں اور کفر لے کر ہی چلے جاتے ہیں اس لئے کہ اللہ کریم جانتا ہے جو باتیں یہ دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ ان کی اکثریت گناہ کرنے، جرم، بغاوت میں مبتلا ہونے، حرام کھانے میں اور ناجائز مال حاصل کرنے میں بہت تیزی دکھاتی ہے۔ **وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ** سحت اس حرام آمدنی کو کہتے ہیں جو اس کام کے لئے بطور رشوت لی جائے جس کام کے کرنے کی اسے پہلے سے اجرت مل رہی ہو۔ یعنی جس کام کی اسے تنخواہ ملتی ہو وہی کام وہ رشوت لے کر کرے۔ جیسے سرکاری ملازم تنخواہ لیتے ہیں لیکن جو

کام ان کے فرائض میں داخل ہے وہ رشوت لے کر کرتے ہیں لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ ان کا یہ عمل بہت ہی برا ہے۔ ان کے دینی علماء اور دینی رہنما ان کو اس بات سے کیوں نہیں روکتے؟ ان کی یہ عادت بہت بری ہے یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اللہ کرے ان کے اپنے ہاتھ بندھ ہوں۔ جس طرح کی یہ باتیں کرتے ہیں اس کی وجہ سے اللہ ان پر لعنت کرے اللہ کے ہاتھ کوئی نہیں روک سکتا اس کے ہاتھ کھلے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ کائنات کا پالنے والا ہے وہ جو چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے لیکن اس کی ایسی باتوں سے ان کا کفران کی برائی اور بغاوت اور بڑھ جاتی ہے اور ہم نے ان کے اور اپنے درمیان بغض اور دشمنی ڈال دی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ روئے زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب پر بھی ایمان لے آتے وَاتَّقَوْا اپنے کردار کی اصلاح اس طرح کر لیتے جیسا کہ اللہ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ تو ہم ان کی خطائیں معاف فرما دیتے وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ اور ہم انہیں جنت کی نعمتوں میں داخل کرتے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اگر وہ تورات وانجیل اور جو ان پر نازل ہوا اس کے احکام پر بھی قائم رہتے اپنا عقیدہ اور کردار اس کے مطابق رکھتے تو یقیناً انہیں ایمان نصیب ہو جاتا۔ قرآن حکیم کا انکار کر کے اہل کتاب نے صرف قرآن کا انکار نہیں کیا بلکہ اپنی کتابوں کا بھی انکار کر دیا۔ اگر یہ اپنی کتابوں پر قائم رہتے اور ان میں موجود ہدایات کے مطابق قرآن پر بھی ایمان لے آتے لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ تو اللہ تعالیٰ ان پر دنیا میں بھی فراخی بھیج دیتے۔ انہیں اوپر سے بھی رزق ملتا ہے اور پاؤں کے نیچے سے بھی رزق ملتا ہے مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ان میں بھی ایک جماعت ایسی تھی جو راہ راست پر رہی اور جب قرآن حکیم نازل ہوا تو انہیں ایمان نصیب ہو گیا اور وہ شرف صحابیت سے مشرف ہوئے لیکن ان کی اکثریت عملاً بدکار رہی تھی۔ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ یاد رکھیں! عمل کا اثر ایمان و یقین پر اسی طرح پڑتا ہے جس طرح ایمان کا اثر عمل پر پڑتا ہے اور ایمان مضبوط ہو تو اعمال سدھر جاتے ہیں۔

بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خالی ہاتھ اٹھنے کا سبب:

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا منافقین بارگاہ رسالت پناہی میں آتے اپنا نفاق اپنے دل میں قائم رکھتے اور بظاہر کہتے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ہمیں دین سکھایا جائے لیکن ایسے بدنصیب تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات والا صفات جو چشمہ حیات ہے یہ اس جگہ پہنچ کر بھی جیسا مردہ دل لے آتے ویسا ہی مردہ دل لے کر چلے جاتے اس لئے کہ دل میں کفر پال رکھا تھا۔

جب تک دل اسلام کی تصدیق نہ کرے، دل قبول نہ کرے، دل سے سارا کفر زائل نہ ہو جائے، تب تک ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ بارگاہ رسالت میں بھی آتے ہیں تو اپنا کفر دل میں چھپا کر لے آتے ہیں حالانکہ اللہ دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے **وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾**

فارسی شاعر نے خالی ہاتھ اٹھنے والوں کا سبب بتایا

تہی دستانِ قسمت را کہ چہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آب حیات آں تشنہ یارب سکندر را

ایک منظوم حکایت ہے ایک کہانی ہے جو اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اخلاص سے عاری شخص تہی دست ہی رہتا ہے خواہ خضر جیسا رہنما ہو اور آب حیات کا چشمہ ہو۔ مختصراً کہانی یوں ہے کہ سکندر نے حضرت خضر سے درخواست کی کہ اسے آب حیات کے چشمے تک لے جائیں تاکہ وہ پانی پی کر حیات جاوداں پا سکے۔ حضرت خضر اسے وہاں لے گئے اس نے وہاں ایک کوا دیکھا جس کا وجود غیر معمولی طور پر بڑا تھا۔ اس نے کہا میں بہت مدت سے یہاں اپاہج اور معذور ہو کر پڑا ہوں۔ میں نے غلطی کی کہ آب حیات چکھ لیا۔ اب مجھے نہ موت آتی ہے نہ میں کسی قابل ہوں کوتاہ اندیش کوے کی رائے پر سکندر نے کان دھرا اور آب حیات کے چشمہ سے خالی دامن اٹھ آیا۔ شاعر نے اس بات کو منظوم کیا ہے کہ جو محروم القسمت ہو اسے رہبر کامل سے بھی کچھ نہیں ملتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے جو قرآن حکیم بیان کر رہا ہے کہ جب تک دل صاف کر کے نہ جائیں کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

دنیا میں معرفت الٰہی کے سارے خزینے ہمیشہ انبیاءؑ کی معرفت تقسیم ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ تمام نبیوں کے نبی ﷺ اور ذات باری تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واحد واسطہ ہیں پھر اندازہ لگائیں کہ حق وایمان کا، معرفت الٰہی کا کتنا بڑا بحر ذخار ہیں ذات محمد ﷺ اول و آخر ساری کائنات میں جس کسی کو بھی ایمان کا نور نصیب ہوا وہ بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کے طفیل نصیب ہوا۔ اتنی بڑی ہستی کے سامنے بھی جب یہ جاتے تو کفر کو دل میں پوشیدہ رکھ کر زبانی اقرار ایمان کرتے رہتے۔ **وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ** اور کفر کے ساتھ ہی واپس چلے جاتے جب کہ یہ وہ بارگاہ ہے جس میں بڑے بڑے کافر

حاضر ہوتے تو اپنے سینوں کو نور ایمان سے منور کر کے جاتے تھے۔ غزوہ خیبر کا ایک واقعہ ہے کہ کسی یہودی کے پاس ایک حبشی غلام تھا اور اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ خیبر سے بکریاں لے کر باہر جاتا اور پھر واپس لے آتا۔ خیبر کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا۔ اس کے گرد پانچ چھ چھوٹے قلعے تھے جہاں یہود نے اپنی فوج رکھی ہوئی تھی۔ کچھ قلعے پہلے فتح ہو گئے پھر بڑے قلعے کا محاصرہ کیا گیا۔ اس محاصرے کے بیس دن بعد یہود نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ واقعہ انہی دنوں کا ہے کہ اس حبشی غلام نے اپنے آقا سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے کہ خیبر کے باہر فوجوں نے گھیرا ڈالا ہوا ہے اور اندر بھی ہر شخص اسلحہ لئے گھوم رہا ہے اس نے بتایا کہ عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اس پر اللہ کا کلام وحی کے ذریعے نازل ہوتا ہے اسیؐ نے ہمارے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے اور لڑائی جاری ہے اس غلام کے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی کہ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیے اس مرتبہ جب وہ بکریاں لے کر باہر آیا تو سیدھا بارگاہ رسالت ﷺ پہنچا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے آپ ﷺ کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ سنا ہے میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں میرے پاس وحی آتی ہے اس نے کہا اگر میں آپ کی بات مان لوں تو کیا اللہ مجھے بخش دے گا اور مجھے جنت مل جائے گی جبکہ میرا رنگ سیاہ ہے شکل وصورت میں خوبصورت نہیں ہوں۔ غریب اور مفلس ہوں اس لئے لباس بھی اچھا نہیں ہوتا تو کیا ایسا شخص بھی جنت میں جا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں تمہیں خوبصورت شکل عطا فرمائیں گے تمہیں لباس سے آسائش تک سب کچھ اپنی رحمتوں سے عطا فرمائیں گے۔ اس نے عرض کی پھر مجھے کلمہ پڑھایئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اس نے عرض کی حضور اکرم ﷺ میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں قلعے کی طرف ہانک دو۔ اللہ کی شان کہ وہ قلعے کی طرف چلی گئیں۔ جب خیبر فتح ہو گیا اور شہداء کے وجود آپ ﷺ کے سامنے لائے گئے تو ان شہداء میں وہ حبشی نو مسلم بھی تھا۔ آپ ﷺ کی نگاہ مبارک پڑی اور آپ ﷺ نے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔ صحابہؓ نے رخ انور پھیرنے کا سبب جاننا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کو اللہ نے بے پناہ حسن بھی عطا کیا ہے اور کے دونوں طرف دو حوریں بھی بیٹھی ہیں۔ یہ جھینپ نہ جائے اس لئے حضور ﷺ نے دوسری طرف متوجہ ہونا پسند فرمایا۔ صحابہ کرامؓ میں یہ واقعہ مشہور تھا اور اللہ کی عطا پر حیران ہوا کرتے تھے کہ کلمہ پڑھا اور جہاد میں شامل ہو کر اگلے لمحے جنت جا پہنچا۔ آپ ﷺ کی بارگاہ اللہ کی رحمتوں کا بے کنار سمندر ہے شرط یہ ہے کہ آنے والا دل لے کر آئے۔ اس شخص نے بھی حاضر ہو کر دل پیش کیا۔ ایک صلوٰۃ ادا کرنے کی مہلت نہ ملی۔ جہاد نصیب ہوا اور سیدھا جنت پہنچ گیا۔

فرمایا؛اس بارگاہ میں جو دل میں کفر لے کر آتا ہے وہ کفر ہی لے کر جاتا ہے۔اللہ کے خزانے میں کمی نہیں نہ رسول ﷺ کی طرف سے کوئی کمی ہے۔مصیبت یہ ہے کہ مانگنے والوں نے کاسۂ دل الٹا رکھا ہوا ہے وہ چاہتے ہی نہیں کہ اس میں کچھ آئے۔

اہل اللہ اور مشائخ نبی کریم ﷺ کی برکات کے امین ہوتے ہیں:

حصول برکات کا قاعدہ اور سلیقہ بھی یہی ہے کہ پہلے ان کے دل میں خلوص ہو۔کاسۂ دل سیدھا ہو۔برکات نبوی وہ نعمت ہے جو نبی کریم ﷺ کی امانت ہے۔اس کا اہل ہونے کے لئے طلب کا خالص ہونا اور خالص رکھنا اس نعمت کی حفاظت کے لئے لازم ہے اس راستے کا زادِ راہ بھی خلوص ہی ہے۔

میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط پڑھ رہا تھا۔میرے پاس اب بھی وہ خط پڑا ہے جس میں آپ نے کچھ لوگوں کے نام لے کر لکھا ہے کہ یہ بندے ابتلائے الٰہی میں آگئے ہیں ان کے مراقبات ومنازل میرے ساتھ رہنے سے، تعلق کی وجہ سے اللہ نے دے دیئے۔اس کی ان میں استعداد نہیں تھی۔آگے لکھتے ہیں کہ ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ جو انعام انہیں دے دیئے ہیں وہ ان سے واپس نہ لینا لیکن یہ صرف میری دعا تو نہیں ہے۔یہ لوگ میرا ساتھ چھوڑ دیں گے تو ان کے پاس کچھ نہیں بچے گا آگے فرماتے ہیں کہ ان منازل کی ان میں ذاتی استعداد نہیں ہے حصول برکات نبوی اتنا نازک معاملہ ہے۔

جو لوگ بارگاہ رسالت میں بھی خلوص لے کر نہیں جاتے تھے انہیں کچھ نہیں ملتا تھا مفسرین کے مطابق ان آیات مبارکہ سے صحابہ کرامؓ منافقین کے بارے اندازہ لگا لیا کرتے تھے اگلی آیات میں ان کے نفاق کی ظاہری دلیل ارشاد فرمائی ہے۔ **وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ** فرمایا؛ ان کا نفاق اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گناہ میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں **وَالْعُدْوَانِ** بغاوت، سرکشی، ظلم میں آگے آگے ہوتے ہیں حرام پر لپکتے ہیں۔جس کام کی اجرت لیتے ہیں وہ بھی رشوت لے کر کرتے ہیں **لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾** یہ بہت برا کام کر رہے ہیں حقیقت میں یہ اپنے ساتھ برا کر رہے ہیں۔نہ اس کائنات کا کچھ بگڑے گا، نہ اللہ کی مخلوق کا اور نہ ہی اللہ کے نظام کا۔اللہ کی رب کو چیلنج کرنے والا اپنی تباہی کے اسباب پیدا کرتا ہے۔اللہ کے احکام کو تو وہ روک نہیں سکتا خود اس کے وجود میں اللہ کی صنعت کا نظام جاری ہے۔ذرا اس نظام کو روک کر دکھائے۔ **لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾** ان کے مشائخ، علماء ربانی، احبار، دینی رہنماء، صاحب علم انہیں ظلم و گناہ کرنے

اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ قرآن حکیم نے یہاں یہ انداز اپنایا ہے جیسے حیرت ہوتی ہے **لَوْلَا** کیوں نہیں روکتے؟ گویا علماء مشائخ اور اہل حق کا کام اصلاح احوال ہے ان کا یہ کام نہیں کہ جو جس حال میں رہے۔ وہ نذرانہ لیں دعا کریں اور بس۔ حق یہ ہے کہ جوان کے پاس آئے اس کی اصلاح کی فکر کریں، اسے نیکی کی تعلیم دیں، برائی سے روکنے کی کوشش کریں، سمجھائیں اور ان کے لئے دعا کریں۔ **لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾** اور جو کچھ یہ کرتے ہیں یعنی علماء و مشائخ جولوگوں کو برائی سے منع نہیں کرتے وہ بہت برا کام کرتے ہیں۔ اگر اسے علماء کی طرف سمجھا جائے تو علماء و مشائخ کے لئے کہا جارہا ہے اور اگر لوگوں کی طرف نسبت کی جائے تو پھر بھی یہ سمجھ آتی ہے کہ دیکھ نہیں رہے علماء و مشائخ کہ یہ لوگ کتنی برائی پھیلا رہے ہیں اور کتنا فساد مچا رہے ہیں۔ حلیۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں غالباً سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ گناہ اور اللہ کی نافرمانی یہ بیماری ہے اور مشائخ اور علماء کرامؒ اس کی دوا ہیں اگر علماء ہی بیمار ہو جائیں تو دوسروں کا علاج کون کرے گا؟ علماء و مشائخ گناہ میں مبتلا ہو جائیں یا جرائم پیشہ ہو جائیں تو معاشرے میں اللہ کی نافرمانی اور گناہ کتنے پھیل جائیں گے؟ جب اقوام تباہ ہوتی ہیں تو تباہی ہمیشہ اوپر سے آتی ہے۔ جب حکمران برائی میں لگ جائیں تو پوری قوم برائی کی طرف چل پڑتی ہے۔ **النّاس علیٰ دین ملوکھم او کما قال** رسول اللہ ﷺ۔ حکمران یا حکومت کی قوم میں حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے بدن میں دماغ۔ جب کسی کا دماغ خراب ہو جائے تو وہ ہر کام خراب کرتا ہے۔ لوگ بھی اسے ذہنی معذور سمجھ کر درگزر کرتے ہیں۔ حکومتیں بھی جب حق حکمرانی ادا نہیں کرتیں، عیش و عشرت اور بداعمالیوں میں مصروف ہو جاتی ہیں تو گویا قوم کا دماغ خراب ہو جاتا ہے لوگ ایک دوسرے کو لوٹنے لگ جاتے ہیں اور بدامنی پھیل جاتی ہے۔ علماء و مشائخ کا قوم میں مقام وہ ہوتا ہے جیسے بدن انسانی میں دل۔ دماغ خراب ہو جائے تو انسان غلط حرکات کرتا ہے لیکن زندہ رہتا ہے۔ دل جواب دے جائے موت واقع ہو جاتی ہے۔ اللہ نہ کرے اگر یہ لوگ برائی میں مبتلا ہو جائیں تو قوم کی قومی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ وہ من حیث القوم ختم ہو جاتی ہے۔ عرب شاعر نے ایسے لوگوں کے بارے میں کہا تھا

واجسا مھم قبل القبور قبورھم

ان کے وجود قبر میں جانے سے پہلے ان کی قبور بن جاتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ جب زکوۃ کا نظام آیا کہ زکوۃ معاشرے کے اہل ثروت افراد سے لی جائے اور معاشرے کے غرباء و مساکین کی بحالی اور کفالت پر خرچ کی جائے تو یہودیوں نے طنز کیا کہ اللہ کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کہ لوگوں پر ٹیکس لگا دیا ہے کہ جن کے پاس مال ہے وہ اس میں سے غرباء پر خرچ کریں۔ اللہ کریم نے فرمایا بلکہ تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کہ کثیر سرمایہ رکھنے کے باوجود دوسروں

کولوٹنے کی فکر میں ہو۔اور جہاں تک قدرت باری کا تعلق ہے تو وہ رب ایک ایک متنفس کو پال رہا ہے۔زمین کی تہوں میں اور آسمانوں کی بلندیوں میں پلنے والی مخلوق کو وہ خود ہی روزی پہنچاتا ہے۔اس کی ہر صفت لامحدود ہے اور اس کی صفت رزاقیت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

میں نے اللہ کریم کی قدرت کاملہ کا ایک نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔میں اپنی زمین پر کنواں بنوا رہا تھا۔اس کھدائی میں پندرہ فٹ گہرائی تک مٹی اور پتھر تھے اس سے نیچے چٹانیں تھیں وہ ہم نے بارود سے توڑیں۔غالباً ایک سو پینتیس فٹ بنایا تھا۔اب بھی موجود ہے۔نوے اور سو فٹ کے درمیان جب کام پہنچا تو مزدوروں نے ایک گنبد کی طرح گول پتھر دکھایا۔تجسس ہوا۔انہوں نے اسے درمیان سے توڑا تو پتھر کے وسط میں چھوٹا سا خلاء تھا جس میں ایک تتلی نما مخلوق زندہ سلامت اپنے پر اور ٹانگوں سمیت موجود تھی۔نوے فٹ نیچے چٹانوں کی گہرائی میں ایک بند گولے کے اندر کون اسے آکسیجن پہنچا رہا تھا کون اسے کھانا دے رہا تھا پانی دے رہا تھا میں نے خود اسے دیکھا وہ ایک مکمل مخلوق تھی جو باقاعدہ چل پھر رہی تھی تو اللہ کی رزاقیت کے پہلو کتنے ہیں؟ اور انہیں کون شمار کر سکتا ہے۔

فرمایا:ان کا دین پر طنز کرنا،اللہ کی ذات اور اللہ کے رسول ﷺ کی ذات پر زبان طعن دراز کرنا یہ ایک ایسا گرا ہوا فعل ہے کہ اس کے سبب ان کے کفر میں اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ارادتاً ایسی بات کرنا صریح کفر ہے غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے لیکن غیر ارادی طور پر کوئی ایسا جملہ کہہ دے جس میں دین کی توہین ہوتی ہو یا دین کا مذاق بنتا ہو تو وہ جملہ اتنا خطرناک ہے کہ زندگی بھر کے سجدوں کو غارت کرنے کے لئے وہ ایک جملہ ہی کافی ہوتا ہے تو کوئی ایسا لفظ جو اللہ کی عظمت، نبی کریم ﷺ کی شان کے خلاف ہو جس میں دین کے احکام کی توہین کا پہلو نکلتا ہو زبان سے نہیں نکالنا چاہیے۔ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۘ لیکن کلام حق کی توہین سے یہود کی ایسی باتوں سے ان کے کفر اور سرکشی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اس کی سزا میں ان پر کفر کا مزید بوجھ لد جاتا ہے۔ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ ان کی ان باتوں کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب اس طرح سے مسلط ہوا کہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی کرتے رہیں گے اور قیامت تک کرتے رہیں گے تاریخ دیکھ لیں اور موجودہ حالات دیکھ لیں۔امریکہ کی معیشت اور امریکہ کا میڈیا یہودیوں کے قبضے میں ہے۔بظاہر وہ امریکہ سے دوستی کرتے ہیں عملاً امریکہ کی تباہی کا سبب ہیں۔خنزیر اور شراب یہود و نصاریٰ دونوں کے ہاں حرام ہیں لیکن یہودی خود خنزیر نہیں کھاتے نہ شراب پیتے ہیں عیسائیوں کو ان دونوں خبائث میں مبتلا کر رکھا ہے۔یہ مسلمانوں کے خلاف تو متحد ہو جاتے ہیں لیکن ان کی آپس کی دشمنی قیامت تک قائم رہے گی۔ كُلَّمَآ أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ ۚ یہ مل جل کر اسلام کے خلاف منصوبے بناتے ہیں اپنی دانست میں مسلمانوں کو تباہی میں جھونک رہے

ہوتے ہیں کہ اللہ ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ اسلام کو مٹانے کی یہود نے کتنی کوششیں کیں۔ لوگوں سے غلط کتابیں لکھوائیں۔ غلط فتوے بنوائے، کتنے لوگوں کو واصل جہنم کروایا اور کتنے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کیں۔ فرمایا یہ بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں اَطْفَاَهَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کے منصوبے ناکام کردیتے ہیں۔ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ روئے زمین فساد سے بھر جائے۔ جیسے آج کے یہود ونصاریٰ اسلحہ بیچنے کے لئے ملکوں کے ملک لڑائی کی آگ میں جھونک رہے ہیں لیکن یاد رکھیں فسادی کوئی بھی ہو اللہ کسی فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ کبھی کوئی مفسد اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ یہ اہل کتاب اگر تورات وانجیل پر عمل کرتے اللہ کے احکام کی پیروی کرتے تو ان کے ایمان کا تقاضا تھا کہ وہ قرآن پر ایمان لے آتے۔ اللہ ان کے گناہ معاف کردیتا۔ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

ایمان، نعمت عظمیٰ:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت قریب تھا اور ان پر گریہ طاری تھا۔ دوست نے دلاسہ دیا کہ آپ کی تو عمر دین کی خدمت میں اور لوگوں کی بھلائی میں بسر ہوگئی اب آپ اپنے گناہوں سے ڈر رہے ہیں؟ انہوں نے زمین سے تنکہ اٹھا کر کہا: میں گناہوں کو اس پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتا۔ میرے گناہوں کے لئے اس کی رحمت بہت وسیع ہے میں رو اس لئے رہا ہوں کہ کہیں میرا ایمان سلب نہ ہو جائے۔ اور ایمان کے بغیر نجات نہیں۔

اللہ کریم جب کسی سے بہت زیادہ ناراض ہوں تو ایمان سلب ہو جاتا ہے ایمان قائم رہے تو غلطی ہو جانے پر دکھ ہوتا ہے۔ ایمان کی دلیل یہ ہے کہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے لیکن اس کے سرزد ہونے پر دل کانپ اٹھتا ہے۔ خوشی نہیں ہوتی دکھ ہوتا ہے۔

ایمان کی کمزوری کی دلیل یہ ہے کہ گناہ سرزد ہو جانے کے بعد دکھ نہیں لگتا اور ایمان سلب ہو جائے تو گناہ اور ظلم بیبا کی سے کرتا ہے۔ اس پر فخر کرتا ہے، اتنے لوگ قتل کر ڈالے، لوگوں کا مال دبا لیا اور کوئی کچھ بگاڑ نہ سکا۔ گناہ پر فخر کرنا اس بات کی دلیل بن جاتی ہے کہ ایمان سلب ہو چکا ہے۔ ایمان موجود ہو تو گناہ پر حیا آتی ہے عظمتِ الٰہی اور ہیبت الٰہی طاری ہو جاتی ہے جو مغفرت کا سبب بنتی ہے۔

بدعات ایمان کے منافی ہیں:

بدعات بالآخر ایمان کو لے ڈوبتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ثواب کے نام پر رسومات، خرافات

اور فضولیات رائج ہو چکی ہیں کہ اگر ویسے ہی انجام دی جائیں تو گناہ کے زمرے میں آتی ہیں اور دین سمجھ کر باعث ثواب سمجھ کر کی جائیں تو بدعات ہوتی ہیں۔ ہر بدعت کسی سنت کو ہٹا کر اس کی جگہ رائج کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ زندگی کا ہر چھوٹا اور ہر بڑا کام اور اس کے کرنے کا طریقہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں موجود ہے۔ ہمارا دور ایسی بدنصیبی کا دور ہے کہ شادی بیاہ ہو یا موت دونوں صورتوں میں شریعت کے بجائے رسومات کی پیروی کی جاتی ہے۔ مثلاً دسواں، چالیسواں اور برسی ہندوؤں کی رسمیں ہیں۔ آج مسلمانوں کا جزو بن گئی ہیں۔ توحید باری تعالیٰ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن عوام الناس عاملوں اور وظیفوں کے ذریعے اپنے عقائد خراب کر رہے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے مسنون دعائیں تلقین فرمائی ہیں۔ درود شریف جیسا وظیفہ عطا فرمایا ہے۔ پھر بھی جسے دیکھو وظیفہ ہی پوچھتا ہے کہ مسائل نے گھیر رکھا ہے کاروبار اور اولاد کی شادی جیسے مسائل ہیں۔ میں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ جب اللہ نے اطاعت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم دے دیا تو اس سے بڑا وظیفہ کوئی کیا بتائے گا؟ پھر آپ ﷺ کی مسنون دعائیں موجود ہیں اس طرح دعا مانگو، پھر کسی اور سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے سب سے زیادہ دکھ ان باتوں سے ہوتا ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نے ہمارے کاروبار کی بندش کر دی، اولاد باندھ دی، روزگار بند کر دیا۔ اللہ کا نظام نہایت وسیع، جامع مربوط اور انتہائی پیچیدہ ہے۔ جسے کماحقہٗ سمجھنا محال ہے لیکن ذرا سا غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صرف اللہ ہی کو لائق ہے کہ وہ کائنات کی تمام ضرورتوں کو ہر آن جانے اور انہیں پورا کرتا رہے۔ اب تو سائنس اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں یہ ثابت کر چکی ہے کہ D.N.A میں انسان کی کتاب زندگی موجود ہوتی ہے اور اس حد تک تفصیل مذکور ہوتی ہے کہ اس شخص کا پہلا دانت کس عمر میں گرے گا، کس عمر میں اس کا ایک بال سفید ہوگا، جب اتنی باریک بینی سے اللہ کا نظام اس کے اپنے فیصلوں کے تحت چل رہا ہے تو ایسا کون سا عمل ہے جو اللہ کے نظام میں دخل اندازی کر کے اس اولاد کو پیدا ہونے سے روک دے جسے اللہ نے پیدا کرنا مقدر کر دیا ہو؟ وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اپنی کائنات کا نظام بڑی حکمت سے اکیلا چلا رہا ہے پھر ایسا کون ہے جو اس قادرِ مطلق کی تحریر کو بدل کر، کتاب زندگی سے ہٹا کر اپنی تحریر لکھ دے؟

مصائب دنیوی اور ان کا حل:

اگر دنیوی مصائب نے ہمیں گھیر رکھا ہے تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ اللہ کے دین نے جو تقاضے رکھے ہیں کیا ہم وہ پورے کر رہے ہیں؟ کیا وہی عقائد اپنا رکھے ہیں جو آقائے نامدار ﷺ نے بتائے ہیں یا ادھر ادھر سے ادھار لئے ہیں۔ کیا وہی اعمال ہیں جو آپ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں یا ہم نے خود گھڑ لئے ہیں۔ اور یہ کہ کیا ہم احکام الٰہی کو اپنا بھی رہے ہیں؟ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو کام میں نے تمہارے ذمہ لگائے ہیں تم وہ کام

پورے کرو اور جو کام میں نے اپنے ذمے رکھے ہیں یعنی تمہیں بخشنا، تمہیں روزی دینا اور تمہیں خوش رکھنا یہ میں کروں گا اور اگر تم بندے ہو کر میرے احکام نہیں مانو گے تو میں مالک ہو کر تمہاری پرواہ نہیں کروں گا۔ لہٰذا یہ طے ہے کہ نہ کوئی کسی کی روزی بند کر سکتا ہے، نہ شادی روک سکتا ہے، نہ اولاد بند کر سکتا ہے۔ ہاں ہمارا کردار اس کا سبب بن سکتا ہے ہم خود ہی اپنے لئے نعمتوں کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ ہماری خطائیں، ہماری گستاخیاں اور دینی معاملات کو غیر اہم سمجھنے کا رویہ آڑ بن جاتا ہے۔ کیا یہ فرق نظر نہیں آتا کہ ہم اپنے کھانے پینے کا کس قدر اہتمام کرتے ہیں لیکن عبادات کے وقت افراتفری میں وضو کرتے ہیں۔ آدھے اعضاء گیلے ہوتے ہیں آدھے خشک رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح جلد بازی میں صلوٰۃ ادا کرتے ہیں نہ رکوع مکمل نہ سجدے پورے۔ گویا صلوٰۃ کوئی بوجھ ہے جو اتارنا ہے۔ ان چیزوں سے نکلئے اللہ کریم سے تعلق پیدا کریں وہ فرماتا ہے مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ (سورۃ البقرہ آیت 114) مساجد میں داخل ہوتے ہوئے خشیت باری سے لرزاں ہونا چاہیے اور ہم ہیں کہ مساجد میں نمازیوں پر گولیاں برساتے ہیں۔ یہ کیسی مسلمانی ہے؟ ہم کس قسم کے مسلمان ہیں؟ یہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اگر ہمارا کردار یہ ہوگا تو اس کے نتیجے میں کیا ہماری زندگی تکلیف دہ نہیں ہوگی؟ اگر اللہ کریم ہمارے ہاتھ میں ہمارا انصاف دے کر فرمائے کہ اپنا فیصلہ خود کرو تو کیا ہم یہ فیصلہ کریں گے کہ ہم اللہ کی نافرمانی بھی کرتے رہیں اور عیش بھی کرتے رہیں؟ تو یہ روش بدلنا ہوگی، اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کرنا ہوگا، پھر اللہ کا حکم ماننا اچھا لگنے لگے گا۔ معاملات میں کھرا پن آئے گا۔ کام کرنے کا سلیقہ آئے گا۔ قدرت کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر مصائب سے خلاصی ہوتی ہے۔ کام اس طریقے سے کیا جائے جیسا کہ آپ ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے تو کامیابی یقینی ہوگی۔ ہر چیز کا ایک فطری ردِ عمل ہے۔ آگ لگائیں تو چیزیں جلیں گی پھر انہیں جلنے سے روکنا ہو تو پانی ڈالنا ہوگا۔ پانی ڈالے بغیر نہیں بجھے گی۔ اسی طرح اللہ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کے اتباع سے زندگی آسان، متوازن، متعدل اور خوبصورت ہوگی۔ موت بھی آسان ہو جائے گی اور آخرت بھی کامیاب ہوگی۔ اللہ کی نافرمانی کرو گے تو مشکلات ہر شعبہ زندگی میں در آئیں گی۔ مسائل و مصائب گھیر لیں گے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی بھی کریں اور خوش بھی رہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ فرمایا؛ اگر یہ لوگ تورات و انجیل کو مانتے تو اس ایمان لانے کے نتیجے میں قرآن پر ایمان لے آتے تو اللہ ان پر اوپر سے بھی رزق برساتے۔ پاؤں کے نیچے سے بھی نعمتیں اُبلتیں۔ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ان ہی میں سے ایک چھوٹی سی جماعت حق پر چلنے والوں کی بھی ہے۔ یہ خوش نصیب لوگ تورات و انجیل پر بھی ایمان لانے والوں میں سے تھے اور بعثت نبی کریم ﷺ کے بعد قرآن کریم پر ایمان لانے کا شرف بھی انہیں نصیب ہوا۔ آپ ﷺ کے فیض صحبت سے فیض یاب ہو کر اعلیٰ پائے کے صحابی بنے۔ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ لیکن ان کی اکثریت برائی کے راستے پر ہی چلتی رہی۔

سورہ المائدہ رکوع 10 آیات 67 تا 77

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ
حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ
وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ
كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾
لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ
كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا
وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا
ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ
بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا
اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۚ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۚ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۚ اُنْظُرْ
كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ اَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۚ وَاللّٰهُ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا
كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾

اے رسول جو جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب
پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی
نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں
کو راہ نہ دیں گے ﴿٦٧﴾ آپ کہیے کہ اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں جب تک کہ
توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب تمہارے پاس رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے
اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے اور ضرور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب
کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب

بن جاتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیجئے ﴿۶۸﴾ یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان
اور یہودی اور فرقۂ صائبین اور نصاریٰ میں سے جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور
روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں پر نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ
مغموم ہوں گے۔ ﴿۶۹﴾ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان کے پاس
بہت سے پیغمبر بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر وہ حکم لایا جس کو ان کا جی نہ
چاہتا تھا سو انہوں نے بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے
﴿۷۰﴾ اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی تو وہ اس سے اور بھی اندھے اور بہرے
بن گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی پھر بھی ان میں سے اکثر اندھے اور بہرے
بنے رہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں ﴿۷۱﴾ بیشک وہ
لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے
خود فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رَبّ ہے اور
تمہارا بھی رَبّ ہے بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر
اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مدد
گار نہ ہوگا ﴿۷۲﴾ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین
میں کا ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی نہیں اور اگر یہ لوگ اپنے ان اقوال
سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب ہوگا
﴿۷۳﴾ کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں
چاہتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت فرمانے والے
ہیں ﴿۷۴﴾ مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی
پیغمبر گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ یعنی ایک ولی بی بی ہیں دونوں کھانا کھایا
کرتے تھے دیکھیے تو ہم ان سے کیسے کیسے دلائل بیان کر رہے ہیں پھر دیکھیے وہ اُلٹے
کدھر جا رہے ہیں ﴿۷۵﴾ آپ فرمائیے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو

جو کہ تم کو نہ کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں سب جانتے ہیں ﴿۷۶﴾ آپ فرمائیے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو گئے تھے۔ ﴿۷۷﴾

خلاصہ رکوع:

فرمایا؛ اے میرے رسول ﷺ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے اسے کل انسانیت کو پہنچا دیجئے کیونکہ آپ ﷺ سب کے لئے اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس میں اگر کمی رہ گئی تو رسالت مکمل نہیں ہوگی۔ دین یہ نہیں ہے کہ اس کا کچھ حصہ مان لیا جائے اور کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے۔ کچھ حصہ پہنچا دیا جائے اور کچھ حصہ روک لیا جائے۔ اگر اس میں کمی رہ گئی تو اللہ کا پیغام ادھورا رہ جائے گا۔ اگر چہ یہ کام آسان نہیں ہے کہ روئے زمین کی بڑی بڑی طاقتیں کفر میں مبتلا ہیں۔ کوئی بتوں کو پوجتا ہے، کوئی آگ کا پجاری ہے تو کس کو اوّلیت دی جائے یا کس کے ساتھ بعد میں بات کی جائے یا سب کو بیک وقت چھیڑا جائے تو اللہ آپ کا محافظ ہے۔ اور رہا یہ کہ انہیں ہدایت نصیب ہو جائے تو ہدایت تو تب ہی نصیب ہوگی جب یہ ہدایت طلب کریں گے اور اگر کفر پر اڑے رہے تو انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔

فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تمہاری دلیل ایک ہی ہے کہ اللہ کی کتاب پر عمل کرو حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ تورات، انجیل اور اللہ کی جو کتابیں تم پر نازل ہوئی ہیں ان پر قائم ہو جاؤ اپنے نبی ﷺ پر اترنے والی کتاب پر عمل کرو۔ اگر تمہاری بات اس کتاب کے ہی خلاف ہے جو تم پر نازل ہوئی تو پھر تمہاری پاس کون سی دلیل ہے؟ اور جب تم اپنی کتابوں کو ہی نہیں مانتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا کہ آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے جو پیغام نازل ہوتا ہے اس کی وجہ سے یہ لوگ کفر اور بغاوت میں اور بڑھ جاتے ہیں، انکار میں مزید آگے چلے جاتے ہیں تو آپ ﷺ ایسے لوگوں کے لئے غم نہ کھایا کریں۔

اصول یہ ہے کہ جو لوگ یقینی طور پر ایمان لے آئیں اور ایمان لانے سے پہلے وہ یہودی ہوں، بے

دین ہوں، نصاریٰ ہوں، کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، جو کوئی اللہ پر، آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے اللہ اسے قبول فرمائے گا اسے کوئی خوف، خطرہ اور دکھ نہیں ہوگا۔

یہود و نصاریٰ تو ایسے ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل سے بڑے وعدے لئے اور پھر جب ان کے پاس رسولؐ بھیجے گئے تو یہ اپنی خواہشات نفس پر اس طرح جمے ہوئے تھے کہ جب رسولوں کی تعلیم کو اپنی خواہشات نفس کے خلاف دیکھا تو کچھ کی تکذیب کی اور کچھ رسولوں کو تو انہوں نے شہید ہی کر دیا پھر ان اعمال کے بعد یہ امید کرتے تھے کہ ان پر اللہ کی گرفت نہیں آئے گی۔ ہدایات الٰہی کی طرف سے یہ بالکل اندھے اور بہرے بن گئے اور بے تحاشا ظلم کرتے رہے۔ اللہ کریم نے پھر بھی ان کے ساتھ رعایت فرمائی انہوں نے اس رعایت کا بھی فائدہ نہ اٹھایا، اندھے اور بہرے بن کر بغاوت میں آگے ہی بڑھتے رہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ کریم ہر کام کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے۔

بلاشبہ وہ لوگ جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک معبود برحق اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے قول سے باز نہ آئے تو جو اِن میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہوگا۔ کیا اب بھی یہ اللہ کریم کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے یعنی اتنے دلائل سننے کے بعد اور اتنے احسانات کے باوجود یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ اللہ بخشنے والا بھی ہے اور رحم کرنے والا بھی، عیسیٰؑ تو حضرت مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسولؐ تھے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے پہلے بھی اللہ کے کئی رسولؐ ہوگزرے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت مریم صدیقہ تھیں۔ دونوں کھاتے پیتے تھے یعنی کھانے پینے کے محتاج تھے۔ آپ ملاحظہ فرمائیے۔ اے مخاطب ہم ان کے لئے کس طرح دلائل پیش کرتے ہیں اور کتنے مثبت دلائل ہوتے ہیں لیکن یہ کتنے بدنصیب ہیں کہ اللہ کریم کو چھوڑ کر مخلوق کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں جو اِن کے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں بلکہ وہ خود اپنی تخلیق میں، اپنی ذات میں اور اپنے اوصاف میں اللہ کے محتاج ہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے اہل کتاب دین میں زیادتی نہ کرو، اور ناحق چیزیں اس میں داخل نہ کرو اور ایسے لوگوں کی پیروی نہ کرو جو خواہشات نفس کے لئے رسومات ایجاد کرتے ہیں اور انہیں دین کا نام دیتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

تفسیر و معارف

نبی کریم ﷺ کے داعیانہ اوصاف درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان آیات کے نزول کا وقت اور اس زمانے کے حالات دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ ہی کا حوصلہ تھا کہ یہ آیات سرعام بیان فرما دیں۔ آپ ﷺ وہ ہستی ہیں کہ آپ ﷺ نے دنیائے کفر کو چیلنج کر دیا۔ ان بڑے بڑے کفار سے مخاطب ہوئے جن کے نام سے جزیرہ نمائے عرب کانپتا تھا۔ حالات یہ تھے کہ مدینہ منورہ تین ہزار گھروں پر مشتمل اسلامی ریاست تھی۔ اس سے باہر اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں اس ریاست اور اس نظام کے دشمن تھے جو اس ریاست کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ دنیا کی دو عظیم مادی طاقتیں قیصر و کسریٰ تھیں۔ ان کے علاوہ روئے زمین پر کافرانہ حکومتیں قائم تھیں۔ ہر شعبہ حیات میں ظلم و جور، قتل و غارت گری کا طوفان بپا تھا۔ بیشمار مذاہب تھے آگ، سورج، چاند، ستاروں کی پوجا ہوتی تھی۔ جانوروں، بتوں اور فرضی چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے پوری کائنات کے کفر کو چیلنج کرنا تھا اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔ آج اس زمانے میں قرآن حکیم کا سیدھا ترجمہ منبر پر بیان کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ لوگ نت نئی تاویلیں کرتے ہیں کہ حق بات کہنے سے لوگ ناراض ہو جاتے ہیں اور اہل عرب کی تو مادری زبان عربی تھی وہ ہر بات سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ کو اللہ کریم نے ارشاد فرمایا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے سب کو بتا دیجئے۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں انفرادی طور پر افراد اور قبائل کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اب ریاست عطا ہو گئی ہے تو ریاست کا کام ریاست سے بات کرنا ہے اور حکومت کا کام حکومتوں سے بات کرنا ہے۔ اکثر مفسرین کرام کی رائے ہے کہ یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی اور حکم آ گیا کہ اب روئے زمین کی حکومتوں کو بحیثیت سربراہ ریاست دعوت دیجئے۔ اور اس میں کوئی تخصیص نہ رکھی جائے کہ پہلے مشرکین سے بات کی جائے یا کفار سے کہ کفر سارا ہی کفر ہے اور ہر نبیؑ و رسولؑ توحید کا علمبردار اور ہر قسم کے کفر کا مخالف ہوتا ہے تو فرمایا اے حبیب ﷺ آپ سب کو چیلنج کیجئے اور سب سے فرما دیجئے کہ تم غلط کر رہے ہو لہٰذا توبہ کرو۔ اللہ کی فرمانبرداری میں آ جاؤ ورنہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اے میرے حبیب ﷺ آپ سب کو سب کچھ بتا دیجئے اس لئے کہ یہ پیغام ایسا ہے کہ اس کا کچھ حصہ بھی رہ گیا تو مقصد پورا نہیں ہوگا۔ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ایسا ہوا تو پھر رسالت کی تکمیل ہی نہ ہوئی۔ لہٰذا بلاخطر آپ ﷺ یہ پیغام سب کو سنا دیجئے۔ اس کا رد عمل جو بھی ہوگا اس کا اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط میرے حبیب ﷺ آپ کو لوگوں سے بچانا میرا کام ہے۔ لوگوں سے آپ کو محفوظ کرنا میری ذمہ داری ہے۔ سیرت پاک ﷺ سے

واضح ہے کہ جونہی آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس مدینہ منورہ پہنچے آپ ﷺ نے عرب وعجم کے حکمرانوں کو خطوط لکھے اور قاصد روانہ فرمائے۔ توحید کی دعوت دی اور کفر سے روکا۔ آپ ﷺ کے خطوط قیصر روم، شاہ مقوقس اور کسریٰ ایران کو پہنچے۔ کسریٰ نامۂ مبارک دیکھ کر برافروختہ ہوگیا کیونکہ نامہ مبارک میں درج تھا۔ من محمد رسول اللہ ﷺ۔ اس نے کہا کہ کس کی یہ جرأت کہ میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھے۔ اس نے آپ ﷺ کے نامہ مبارک کے پرزے پرزے کر دیئے اور توہین کی۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ یمن میں اپنے گورنر باذان کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے پیش کرو۔ نبی کریم ﷺ کو جب نامہ مبارک کے بارے اس کے ردعمل کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا اللہ جس طرح اس نے میرے خط کے ٹکڑے کیے ہیں اسی طرح سے اس کی سلطنت کے ٹکڑے کر دیجئے''۔ اس کے بعد باذان نے اپنے ایک افسر فیروز ویلمی کو یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ پہلے بات کرنا پھر کسی کا حکم پہنچانا اور میری طرف سے یہ کہنا کہ اگر وہ گرفتاری دے دیں تو میں بادشاہ سے ان کی جان بخشی کی سفارش کروں گا لیکن میں یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ میری بات مانے گا یا نہیں۔ فیروز ویلمی اس حلیے میں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا کہ داڑھی منڈھی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ آپ ﷺ نے ایسے چہرے کو دیکھنا پسند نہیں فرمایا۔ پہلی نظر کے بعد رخ انور پھیر لیا۔ اس نے پیغام پہنچایا اور کہا کہ یہ میرے رب کا پیغام ہے۔ وہ لوگ اپنے بادشاہ کو رب کہتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اپنے رب کا حکم پیش کیا ہے اب میں تمہیں وہ جواب دوں گا جو میرا رب مجھے فرمائے گا۔ ابھی ٹھہر جاؤ کل کا انتظار کرو۔ صبح وہ خدمت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا؛ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے رات قتل کر دیا ہے۔ بادشاہ مرگیا۔ اب نیا بادشاہ جو حکم دے گا وہ لے کر آنا۔ فیروز ویلمی ٹھٹھک گیا۔ اس نے وہ وقت اور تاریخ نوٹ کرلی اور واپس چل پڑا۔ یمن پہنچ کر باذان کو صورت حال سے مطلع کیا۔ وہ بھی یہ خبر سن کر حیران ہوگیا۔ ابھی وہ اس حیرت میں ہی تھا کہ ایران سے شیرویہ کا قاصد پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ کسریٰ مرگیا ہے اس کا حکم ختم ہوگیا ہے۔ نئے بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ جس عرب شخص کو گرفتار کرنے کا حکم اس کے باپ نے دیا تھا اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اس پر باذان اور فیروز ویلمی دونوں مسلمان ہوگئے کہ حضور اکرم ﷺ واقعتاً اللہ کے نبی ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ نے فیروز ویلمی کو کوئی جواب نہ دیا جب تک اللہ کا حکم نہ آیا اور یہ کہ آپ ﷺ کی بات بھی درست ثابت ہوئی اس کے علاوہ سب سے بڑھ کر یہ کہ نبی کریم ﷺ کا سچا نبی ﷺ ہونا ہی رعب کا باعث ہے۔

اور رہی یہ بات کہ کفر پر اڑے رہنے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ تو اس کا نتیجہ یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾ کہ جو کفر کرتا ہے وہ صرف آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کرتا۔ صرف اللہ کی عظمت کا انکار

نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایسے عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ اللہ اسے زندگی کا کوئی سلیقہ بھی سیکھنے کی توفیق نہیں دیتا۔ جو آپ ﷺ کی بات نہیں مانیں گے انہیں کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ ہم ہدایت سے مراد صورت ایمان سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ہدایت بڑا وسیع المفہوم لفظ ہے۔ ہر کام کا صحیح ترین طریقہ ھدیٰ کہلاتا ہے۔ ھدیٰ میں ایمان، ورع وتقویٰ اور زندگی گزارنے کا اسلوب شامل ہے۔

محرومیٔ ایمان سلیقہ زندگی سے عاری کردیتی ہے:

عظمت الٰہی اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار ایسی مصیبت ہے جو بندے کو ایسا بے شعور کردیتی ہے کہ وہ زندگی کا کوئی کام بھی صحیح طریقے اور سلیقے سے نہیں کرسکتا۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام جو دنیا کی قیادت کرنا چاہتی ہیں۔ جنہیں زمانہ دانش مند سمجھتا ہے جن کے پیچھے چلنے میں آج کا کلمہ گو فخر محسوس کرتا ہے ان کے معمولات زندگی دیکھیں کتوں اور پالتو جانوروں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں ان کی خدمت کرتے ہیں۔ ان کی نجاستیں صاف کرتے ہیں انہیں ورزش کرواتے ہیں اور ان کے اپنے والدین اولڈ ہوم میں رہتے ہیں۔ اگر اولاد ہو تو وہ اپنے حال میں رہتی ہے۔ یہ بھی اللہ سے روگردانی کا نتیجہ ہے کہ انسانی معیار سے گری ہوئی زندگی گزارتے ہیں۔ ان اقوام کے بڑے بڑے، نامور سائنسدانوں اور دانشوروں کی ذاتی زندگی دیکھیں تو رشتوں کی محبت سے عاری، ویران و برباد لٹے ہوئے لوگ جو حرام کھاتے اور حرام کاموں میں زندگی بسر کرجاتے ہیں نہ عزت نہ پاکیزگی نہ طہارت۔ لباس کے نام پر جو کچھ پہنا ہو وہ بے لباسی ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن موجود ہیں۔ عزت وغیرت غائب ہے۔ غذا دیکھیں تو چوہے، مینڈک اور سانپ کھانا ان کا معمول ہے۔ زندہ بندر کو میز کے نیچے باندھ دیتے ہیں میز میں سوراخ کرکے اس کے سر کو کاٹ کر اس کا مغز چمچ سے کھاتے ہیں۔ بندر چیختا چلاتا رہتا ہے اور یہ اس کا مغز کھاتے رہتے ہیں اسی طرح زندہ کتے کو ابلتے ہوئے کڑاہے میں ڈال دیتے ہیں اور اس کا سوپ پیتے ہیں۔ یہ دونوں کھانے فارایسٹ کی پسندیدہ غذائیں ہیں۔ کیا یہ پاگل ہیں؟ نہیں یہ کافر ہیں۔ آج یہ کلمہ پڑھ لیں دین اسلام سیکھ لیں تو انہیں آج ہی زندگی گزارنے کا سلیقہ آجائے۔ انہیں غذا سے لے کر رہن سہن تک انسانی معیار پر جینا آجائے۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ جتنا جس میں ایمان ہے اور جتنا مضبوط ہے اس کی زندگی اتنی ہی صاف ستھری ہے اور جو جتنا ایمان سے دور ہے یا جس کے ایمان میں جتنی کمزوری ہے اتنا ہی اس کا طرز زندگی انسانی معیار سے گرا ہوا ہے۔ یہود ونصاریٰ نے خصوصاً یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے لے کر آج تک یہ بیڑا اٹھایا ہوا ہے کہ ہر قدم پر اسلام کی مخالفت

کرنی ہے۔ظہور اسلام کے وقت مشرکین مکہ انہی یہودیوں کے پاس یثرب جاتے اور یہ انہیں حضور اکرم ﷺ پر اعتراضات سکھا کر مکہ بھیجتے۔عہد جاہلیت میں مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا اور یہ اچھا نام نہیں ہے۔یثرب سے مراد ہے تکلیف دہ جگہ اس زمانے میں یہاں ایک خاص قسم کی مکھی ہوتی تھی جس کے کاٹنے سے بخار ہو جاتا تھا تو جو بھی وہاں جاتا وہ بیمار ہو جاتا اس بناء پر یثرب تکلیف دہ آبادی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا آپ ﷺ کی مدینہ آمد نے مدینہ کو مدینۃ النبی ﷺ بنا دیا مدینہ منورہ بنا دیا اور حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ کیفیت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اور مدینہ منورہ ذات نبی علیہ السلام کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔

فرمایا: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ ان سے کہیے تمہارے پاس کیا دلیل ہے تم کس دلیل سے بات کرتے ہو۔تمہارے پاس تورات ہے انجیل ہے اگر تم اس کتاب کے مطابق بات کرو تو اس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی پیشن گوئی موجود ہے پھر تمہیں حضور اکرم ﷺ کو اللہ کا رسولؐ ماننا چاہیے اور اگر تم اللہ کی اس کتاب کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو تمہارے پاس ہے تو پھر تمہارے پاس اپنے رویے اور اپنے عمل کی کوئی دلیل نہیں ہے پھر تو تم محض بحث برائے بحث کر رہے ہو۔ورنہ کتاب الٰہی پر ایمان لانے، نبیؐ پر ایمان لانے کی خصوصیت ہی یہ ہوتی ہے کہ جس کو کوئی شمہ برکات کا نصیب ہو جائے اسے نور ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔معرفت الٰہی اور قرب الٰہی نصیب ہو جاتا ہے لیکن جب کوئی جان بوجھ کر ضد کر کے انکار کرتا ہے تو وہ انکار اسے گمراہی اور بغاوت میں اور بڑھا دیتا ہے وہ بہت بڑا مجرم بن جاتا ہے۔ان کی بدنصیبی دیکھیے!

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ جو کچھ آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے اور اتنا بڑا انعام ہے جو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ہدایت میں لانے کا سبب ہے اللہ کی دوری سے اللہ کے قرب میں لانے کا ذریعہ ہے لیکن یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ کلام الٰہی انکی گمراہی کا سبب بن رہا ہے۔یہ ضد میں آکر انکار کیے جا رہے ہیں اور یہ انکار ان کی بدبختی کا سبب بنتا چلا جا رہا ہے۔جو کلام ان کی ہدایت کے لئے نازل ہوا تھا اس سے ان میں گمراہی بڑھ رہی ہے۔فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ تو آپ ﷺ ایسے لوگوں کا غم نہ کھایا کریں جو اللہ کے کلام اور آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کریں، حقائق کا انکار کریں اور نہ ان پر افسوس کیا کریں۔

حضور اکرم ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں سارے جہانوں کے لئے باعث رحمت ہیں آپ ﷺ کے قلب اطہر میں۔سب کے لئے رحمت و محبت کا سمندر موجزن ہے تو حضور اکرم ﷺ کو ان کفار کے کفر کا بھی رنج ہوتا

تھا کہ یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ رحمۃ اللعالمین کی بعثت کے بعد بھی جہنم میں جائیں گے اس پر اللہ کریم نے فرمایا کہ جولوگ اس کتاب ہدایت کے نزول کے بعد پھر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں، گمراہی پسند کرتے ہیں، اسے اختیار کرتے ہیں اور کتاب ہدایت کا انکار کرتے ہیں ان لوگوں پر آپ ﷺ افسوس نہ کیجئے۔ یہ ان کا اپنا انتخاب ہے۔ اللہ نے فرمایا ہاں! یہ میرا وعدہ ہے یہ پکی اور یقینی بات ہے کہ قرآن کے نزول سے پہلے آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے یا آپ ﷺ پر ایمان لانے سے پہلے کوئی کچھ بھی ہو اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٩ یہودی ہو یا نصرانی یا صابی ہو اگر وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے اور عمل صالح کرے تو ایسوں کو نہ خوف ہوگا نہ حزن۔ اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان سے مراد ہے وہ ایمان جس کی دعوت حضرت محمد ﷺ دے رہے ہیں اور عمل بھی صالح وہی ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے تعلیم فرمایا ہو۔ یعنی ایمان وعمل کی درستی کا ثبوت صرف ارشاد رسول ﷺ ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کو نہ ماننا اللہ کا انکار ہے:

یہاں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ بندے کے لئے اللہ پر ایمان لانا بغیر ایمان بالرسالت کے ممکن ہی نہیں۔ کسی کے پاس کیا دلیل ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے؟ کیا دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ کی کتاب ہے؟ کیا دلیل ہے کہ فرشتوں کا وجود ہے؟ کیا دلیل ہے کہ آخرت ہے؟ کیا دلیل ہے کہ آخرت کے بعد ایک زندگی ہے؟ دلیل صرف ایک ہے پہلی، آخری اور حتمی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے یہ کتاب الٰہی ہے اور یہ کہ فرشتے، آخرت، حساب، کتاب سب حق ہیں۔ یہ سوال تو بعثت عالی سے پہلے بھی تھے اور دنیا میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشور ہو گزرے تو انہوں نے اتنا آسان جواب کیوں نہ دے دیا؟ اس لئے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرما کر اللہ نے دلیل قائم کر دی کہ جیسا میرا رسول ﷺ میرا تعارف کروائے اللہ کو ویسا ہی ماننا ایمان ہے اور ضروری ہے۔ اسی لئے فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بچہ جب ہوش سنبھالے تو اسے بتایا جائے کہ اللہ پر ایمان کیسے لایا جائے اسے سکھائیں کہ وہ کہے کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں جس کو حضرت محمد ﷺ جو حضرت عبداللہ کے بیٹے، حضرت عبدالمطلب کے پوتے جو مکہ میں پیدا ہوئے مکہ میں مبعوث ہوئے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے جو روضہ اطہر میں آرام فرما ہیں۔ جس اللہ کو جیسا منواتے ہیں، میں اس اللہ کو ویسا ہی مانتا ہوں، ورنہ اللہ کو ماننے کے لئے تو ہر قوم نے

کوئی نہ کوئی عقیدہ گھڑا ہوا ہے۔ ہر ایک کسی غیبی طاقت کو مانتا ہے جو سب سے بڑی ہے اسی لئے کوئی پہاڑ کو معبود مانتا ہے تو کوئی کسی جانور کو ہر شخص کا اپنا اپنا ادراک ہے لیکن اللہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ویسا مانا جائے جیسا ماننے کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے پھر اس کے ساتھ رسول ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہو گیا کہ کوئی اگر اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں مان رہا تو پھر وہ اللہ کا بھی انکار کر رہا ہے۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ اللہ کو مانے۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ پھر اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کی گواہی اس کے اعمال بھی دیں یعنی وہ اعمال صالحہ بھی کرے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ ایمان لانا اور مسلمان ہونا ایک دعویٰ ہے کہ ایمان ہے اور اس دعویٰ کی دلیل بندے کا کردار ہے۔ بندے کے اعمال ہی اس کے مسلمان ہونے پر گواہ ہیں اگر اس کے اعمال وہ ہیں جن کا اسلام حکم دیتا ہے تو اس کا ایمان کا دعویٰ سچا ہے اور اگر اس کے اعمال وہ نہیں تو پھر وہ محض دعویٰ کر رہا ہے اور اس کے اس دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے قرآن حکیم میں جہاں ایمان کا ذکر آتا ہے وہاں اعمال صالحہ کی بات لازماً آتی ہے۔ لیکن عمل صالح کی تعین ہونا ضروری ہے کہ کون سے عمل کو صالح کہا جائے۔ اگر اس کی تعیین افراد پر چھوڑ دی جائے تو ہر شخص کا عمل صالح الگ الگ معیار کا ہوگا۔ لہٰذا قرآن حکیم نے یہ طے کر دیا ہے کہ صرف وہی عمل صالح ہے جو نبی کریم ﷺ نے پسند فرمایا اس کے کرنے کا حکم دیا اور جو عمل آپ ﷺ کی سنت اور آپ کے منشاء کے خلاف ہے وہ عمل صالح نہیں ہو سکتا یعنی عمل میں صلاحیت کا معیار ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ تو فرمایا اے میرے حبیب ﷺ آپ بے شک رحمۃ اللعالمین ہیں۔ آپ کو دشمنوں کے لئے بھی دکھ محسوس ہوتا ہے کہ یہ جہنم کیوں جائیں! لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کوئی کیسا بھی ہو جب وہ آپ ﷺ پر اعتبار کر کے مجھ پر ایمان لے آئے میری عظمت قبول کر لے آخرت پر یقین حاصل کر لے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا کردار سدھر جائے آپ ﷺ کے طریقے کے تابع ہو جائے۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ پھر اسے نہ کوئی ڈر ہوگا نہ حزن خوف، آنے والے وقت سے متعلق ہے کہ نجانے کل میرے ساتھ کیا ہوگا اور حزن کا معنی ہے افسوس، ملال، دکھ جیسے کافر کو ملال ہوگا افسوس ہوگا کہ اس نے زندگی کیوں ضائع کر دی۔ فرمایا جو ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کے طریقے پر ہر عمل خلوص نیت سے کرے تو نہ اسے گذشتہ کا افسوس ہوگا نہ آئندہ کا خوف۔ اسے اللہ ہر طرح سے امن عطا فرمائے گا۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭكُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ اور رہے
یہ بنی اسرائیل تو آپ ان کا دکھ نہ کیجئے اس لئے کہ یہ آج کی بات نہیں ہم نے پہلے بھی بہت مرتبہ ان سے عہد
لئے انہوں نے وعدے کئے اور پھر جب ہم نے ان کے پاس اپنے نبیؐ اور رسولؐ بھیجے بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰ تو یہ ایسے بدنصیب تھے کہ انبیاءؑ کے دشمن بن گئے۔ انبیاءؑ اور
رسلؑ تو بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے انہیں ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس روش کو ترک
کر دیا جائے جو نفسانی خواہشات کی اندھا دھند پیروی پر مشتمل ہے اور اس روش کو اپنا لیا جائے جس کی تعمیل کا
اللہ حکم دیتا ہے۔ بندہ اپنی خواہشات الگ کر دے اپنی مرضی چھوڑ دے اور اللہ اور اللہ کے نبیؐ کے احکام ماننا
شروع کر دے کہ نبیؐ کی تعلیمات تو ہمیشہ حق و انصاف پر مبنی ہوتی تھیں اور کسی فرد کی خواہشات کی تکمیل کے لئے
نہیں تھیں اللہ کے احکامات میں ساری مخلوق کا تحفظ تھا لیکن انہوں نے جب یہ دیکھا کہ کتاب اللہ کے احکامات
ان کی خواہشات کے خلاف ہیں تو ان بدنصیبوں نے بہت سے رسولوں کا انکار کر دیا ان کی نبوت کا انکار کر دیا
اور اسی پر بس نہیں کیا انہوں نے اللہ کے بہت سے رسولوں کو شہید بھی کر دیا۔ ماننا تو در کنار انہوں نے انبیاءؑ کو
شہید کر دیا اور اتنا بڑا ظلم کرنے کے بعد وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ان کا یہ خیال تھا کہ ان پر کوئی گرفت
نہیں آئے گی یعنی یہ اللہ کی گرفت سے ہی بے خوف ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس وقت ہی جرم کرتا ہے
جب اسے گرفت کا احساس نہیں رہتا وہ باور کرتا ہے کہ کوئی اس کا کیا کر لے گا؟ لیکن اس کی مخلوق ہو کر، عاجز
بندہ ہو کر، اسکی دی ہوئی نعمتیں کھا کر اس کی نافرمانی کرنا یہ بہت بڑا جرم ہے۔ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ لیکن انہیں یہ احساس ہی نہیں رہا گویا ان کے کان بند ہو گئے ان کی
آنکھیں بند ہو گئیں اور ان کے دل بے حس ہو گئے اور بے خطر گناہ کرتے رہے انبیاءؑ کو شہید کرنے سے بھی
باز نہ آئے۔ لیکن اللہ ایسا کریم ہے کہ اس نے پھر بھی ان کو مہلت دی ان کی روزی بند نہیں کی ان کی
سانسیں نہیں روکیں انہیں روشنی، ہوا، پانی، رزق ہر نعمت عطا کرتا رہا لیکن ان کے دل اس طرح مردہ ہو چکے
تھے کہ جوں جوں انہیں فرصتِ عمل ملتی گئی وہ مزید اندھے اور بہرے ہوتے گئے گناہ ہی میں آگے بڑھتے چلے
گئے ان کی اکثریت اسی روش پر کاربند رہی وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عمل کو دیکھ
رہا ہے بندہ جو عمل بھی کرتا ہے وہ روز روشن میں کرے یا رات کی تاریکی میں چھپ کر کرے وہ کسی تاریک
کمرے میں کرے یا برملا کرے ہر عمل کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

اللہ کے نبیؑ کو اللہ کا بیٹا ماننا اور تثلیث کا عقیدہ رکھنا دونوں باتیں کفر اور شرک ہیں:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ یہ لوگ کفر میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اللہ نے جو رسولؑ ان کی طرف بھیجا اس کی نسبت کہنے لگے کہ مسیح ابن مریم اللہ کے بیٹے ہیں حالانکہ عیسیٰؑ کی تعلیمات یہ تھیں کہ اے اہل بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو وہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے میرا پالنے والا اور نعمتیں دینے والا بھی اللہ ہے اور تم سب کو بھی پالنے والا اور نعمتیں دینے والا بھی اللہ ہے۔ لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرو اور جان رکھو کہ یہ بات یقینی ہے کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا وَمَاْوٰىهُ النَّارُ اس کا انجام جہنم ہوگا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور یہ بھی یاد رکھو وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہوگا کوئی انہیں جہنم سے بچا نہیں سکے گا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں ہے اور تین میں سے ایک ہے یہ کہنا صریح کفر ہے اور یہ لوگ تثلیث کا عیقدہ رکھنے کے بعد قطعی کافر ہو گئے۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ حالانکہ سوائے اللہ کے کوئی الٰہ نہیں۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ عبادت یہ ہے کہ کسی نفع کی امید میں یا کسی نقصان کے ڈر سے کسی کی اطاعت کی جائے اگر کسی سے نفع کی امید پر اللہ کے حکم کے خلاف اس کی اطاعت کی جائے تو گویا اسے رب مان لیا گیا یا کسی سے خطرہ ہو کہ اس کی بات نہ مانی تو وہ نقصان پہنچائے گا اور اس کی بات اللہ کے حکم کے خلاف ہو اور پھر بھی نقصان کے ڈر سے مان لی جائے اور اللہ کی نافرمانی کر کے اس کی اطاعت کی جائے تو یہ اس انسان کی عبادت کرنا ہوگا۔ فرمایا جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تین میں ایک اور ایک میں تین ہے تو یہ کافر ہو گئے ان کے کفر میں کوئی شبہ نہ رہا۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ میں لَقَدْ تاکید کے لئے لگایا گیا ہے کہ یہ لوگ تو یقیناً کافر ہو گئے حالانکہ حق یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے۔ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَھُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اور اگر یہ ان باتوں سے باز نہ آئے تو یہ بات یقینی ہے کہ ان کافروں کو بڑے دردناک عذاب دیئے جائیں گے۔

عذاب کا ظہور صرف آخرت میں نہیں ہوتا:

عذاب الٰہی کردار و اعمال پر مرتب ہوتا ہے جو کردار یہود و نصاریٰ کا تھا جس کردار پر عذاب الٰہی کی

وعید یہود و نصاری کو سنائی گئی وہی کردار کلمہ گو مسلمان اپنائے گا تو اسی عذاب الیم سے وہ بھی دوچار ہوگا کہ اللہ کا عذاب اعمال پر واقع ہوتا ہے۔ حتمی اور مکمل عذاب تو آخرت میں ملے گا یہ عذاب برزخ میں بھی ہوگا اور دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی برکت سے اقوام پر آنے والے اجتماعی عذاب ختم کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ سے پہلے قومیں کی قومیں غرق ہو جاتی تھیں خنزیر اور بندر بن جاتی تھیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت تک کبھی اجتماعی عذاب نہیں آئے گا لیکن عذاب کی مختلف صورتیں واقعہ ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے باوجود میڈیکل تحقیق کے، دواؤں کی جدید دریافت کے، ایڈز جیسا مرض پھیل گیا۔ کیا یہ عذاب الٰہی کی صورت نہیں؟ ابھی اس مصیبت سے چھٹکارا نہیں ہوا تھا کہ swine flue آ گیا۔ ہندوستان کے جریدے نے اس کا ترجمہ کیا ہی خوب کیا ہے۔ اس نے اسے ''خنزیری بخار'' کا نام دیا ہے۔ یہ بھی عذاب الٰہی کی صورت ہے۔

کلمہ گو مسلمان عذاب الٰہی کی لپیٹ میں کیوں؟

کلمہ گو مسلمان جس طرح غیر مسلم اقوام کی تقلید میں ان کے کردار و اخلاق کو اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں اسی طرح ان کو یہ مصیبتیں بھی وراثت میں ملتی چلی جا رہی ہیں۔ مغربی اقوام سے ایڈز پاکستان میں بھی آ چکا ہے اور اب خنزیری بخار کا مریض بھی پاکستان میں پایا گیا ہے یہ عذاب پاکستان میں کیسے آ گیا؟ یہی وجہ ہے کہ دعوے کے اعتبار سے تو ہم مسلمان ہیں کردار کے اعتبار سے نہیں۔ عملی زندگی میں ہم وہی کردار اپنانا چاہتے ہیں جو یہود و نصاریٰ کا ہے تو پھر فیصلے تو کردار پر ہی ہوتے ہیں جن کرتوتوں کی وجہ سے ان پر عذاب آ رہے ہیں اگر وہی کرتوت ہم کریں گے تو اس مصیبت میں ہمیں بھی حصہ دار ہونا پڑے گا لیکن ہمیں اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو قرآن حکیم میں پہلے گزر چکی ہے یعنی **امن باللہ والیوم الآخر**

اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان:

ایمان باللہ میں ایمان بالرّسالت بھی داخل ہے۔ جب اللہ پر ایمان کی بات ہوگی تو ایمان باللہ میں ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت شامل ہے یعنی جب ایمان باللہ کی بات ہوتی ہے تو تمام ضروریات دین اس میں آ جاتی ہیں کہ جس نے اللہ کو مانا، اس نے اللہ کی ساری باتوں کو مانا، اس نے رسولوں کو مانا، فرشتوں، کتابوں، حساب کتاب، قبر کے سوال و جواب، جنت و دوزخ، آخرت سب کو مانا۔ اسے کہتے ہیں ضروریات دین۔ ان میں کسی ایک کا انکار پورے دین کا انکار ہے۔

آخرت کا انسانی کردار پر اثر:

قرآن حکیم میں آخرت کا ذکر علیحدہ سے فرما کر عقیدہ آخرت کے انسانی کردار پر اثرات کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ لوگ کلمہ تو پڑھ لیتے ہیں لیکن آخرت کا یقین نہیں کرتے۔ اگر آخرت کا یقین کر لیں تو کردار بدل جاتا ہے۔ ہم کلمہ گو ہیں تو پھر ہمارا کردار کیوں نہیں بدلتا؟ ہم کیوں حرام کھاتے ہیں؟ کیوں جھوٹ بولتے ہیں؟ کیوں دوسروں کی حق تلفی کرتے ہیں؟ کیوں ذخیرہ اندوزی کر کے اللہ کے بندوں کو افلاس میں مبتلا رکھتے ہیں؟ ہم لوگوں کو بنیادی ضروریات زندگی سے محروم کر کے پھر کیوں غریبوں کی بے بسی کا تماشا دیکھتے ہیں؟ ہمارے ملک میں وافر غلہ پیدا ہوتا ہے اور لوگ اس کی تلاش میں سڑکوں پر ڈنڈے کھا رہے ہیں ایسا کیوں ہے؟ ہم اجارہ داری بنا کر لوگوں سے مال چھینتے ہیں اور ان کی عزت نفس کو بھی کچلتے ہیں ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ ہمیں یہ یقین نہیں کہ اس کردار کا محاسبہ ہوگا! ہمیں اس کردار کی جوابدہی کرنی ہوگی اس پر ہمیں سزا ملے گی۔ ہم نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے یہ کہہ دیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اب ہم موج کرتے رہیں جو جی چاہے وہ کیا کریں ہماری یہی مسلمانی کافی ہے۔ ہمارے تاجر پیشہ لوگوں میں سے شاید ہی کوئی حاجی نہ ہو یہ ہر سال حج اور عمرے پر جاتے ہیں۔ حج اور عمرہ تو کر آتے ہیں اپنے کاروبار میں وہ روش نہیں لاتے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے جس کا حکم اللہ کا دین دیتا ہے یہ لوگ ذخیرہ اندوزی کر کے لوگوں کو مصیبت میں کیوں ڈالتے ہیں؟ ناجائز منافع کیوں لیتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ ساری عبادات رسماً کرتے ہیں۔ عبادت تو وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی جس عبادت کا نتیجہ انسان کو اللہ کے آگے جوابدہ بناتا ہے لیکن ان لوگوں کو آخرت کا یقین نہیں۔ انہیں عظمت الٰہی کا احساس نہیں۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ کل اللہ کے آگے پیش ہو کر ان اعمال کا حساب دینا ہے یہ حکومتی اداروں کی باز پرس کا بھی توڑ نکالنا جانتے ہیں انہیں حکومتی اداروں کی باز پرس کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ سپریم کورٹ حکم دیتی ہے اور کوئی مانتا نہیں عدالتیں تو حکم دیتی ہیں عملدرآمد نہیں کرواسکتیں۔ عملدرآمد تو حکومتی مشینری نے کروانا ہے اور حکومت کے ارکان خود ذخیرہ اندوزی کر رہے ہیں تو انہیں دنیا میں کون پوچھے؟ لیکن ایک ہستی ایسی ہے جو یہ سب دیکھ رہی ہے آخرت کی جواب دہی سے پہلے اسی دنیا میں ان کو اپنے کردار کے اثرات ملتے ہیں آخرت کے عذابوں کا ہلکا سا اثر دنیا میں بھی مل کر رہتا ہے۔ یہی دنیا اور یہی عدالتیں نہیں ہیں ہر انسان کے کردار کا محاسبہ ہونے والا ہے اور اس عدالت میں ہونے والا ہے جو قادر مطلق خالق کائنات کی عدالت ہے۔ وہ عدالت فیصلہ کرے گی اور اس پر عملدرآمد بھی

کروائے گی وہ طاقت کا سرچشمہ ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

اسی ذات نے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی شرط لگا دی ہے کہ نرا دعویٰ کر لینا صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں۔ بندے کا کردار اس کی عملی زندگی بھی گواہی دے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔

فرمایا میرے نبی عیسیٰ ؑ نے تو انہیں بتایا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب ہے اور یہ یاد رکھو کہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا وہ بخشا نہیں جائے گا۔ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ ایسے لوگوں کی مدد کو بھی کوئی نہیں آئے گا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اصلاح کی روش نہیں اپنائی تو جو جہنم جانے کے لئے اتنی ضد کرے تو اے میرے حبیب ﷺ! آپ ان کا افسوس نہ کریں۔ آپ ﷺ ان کے لئے دکھی نہ ہوا کریں۔ اگر یہ لوگ ان باتوں کے کہنے سے باز نہ آئے۔ **مِنْهُمْ عَذَابٌ عَذَابٌ** ﴿۷۳﴾ انہیں نہایت تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔ **اَ فَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ** اللہ کے احسانات، انبیاءؑ کی بعثت اور دلائل حقہ کے بعد بھی اللہ کریم نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور فرمایا جو کچھ کر چکے ہو اس سب سے توبہ کر لو۔ اپنے عقیدے اور عمل کی اصلاح کر لو تو اللہ کی بخشش کو پا لو گے۔ فرمایا؛ تو پھر یہ اتنی رعائتوں کے باوجود توبہ کیوں نہیں کرتے؟ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۷۴﴾ حالانکہ اللہ کریم کی مغفرت و رحمت ناپیدا کنار ہے۔ **مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ** کیا یہ نہیں جانتے کہ عیسیٰ ؑ جنہیں یہ اللہ کا بیٹا اور خدا مانتے ہیں وہ تو صرف اللہ کے رسولؑ ہیں۔ ان کے معجزات وکمالات ان کی رسالت کا ثبوت تھے۔ ان معجزات کو انہوں نے ان کی الوہیت کی دلیل کیسے مان لیا؟ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی انبیاءؑ کو معجزات عطا فرمائے تھے۔ یہ اللہ کریم کی شان ہے کہ اللہ نے ہر نبیؑ کو ان کے عہد میں وہ معجزات عطا فرمائے کہ اس عہد کے مانے ہوئے علوم کو انہوں نے عاجز کر دیا۔ ہر عہد میں اپنے زمانے کے حساب سے ترقی ہوتی رہی۔ اقوام گزشتہ کی عظیم الشان مادی ترقی کے مظاہر آج بھی زمین کے سینے پر ایستادہ ہیں۔ مثلاً قوم عاد کے گھر جو انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر بنائے اور احرام مصر جو اپنی بناوٹ اور تعمیر کے لحاظ سے شاہکار ہیں۔ ہر زمانے کے کمالات کے مطابق اس زمانے کے نبیؑ اور رسولؑ کو معجزات عطا ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادوگروں کا زور تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزات نے جادوگروں کو عاجز کر دیا۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت ہوئی تو تب علم طب اپنے عروج پر تھا۔ حضرت عیسیٰؑ مادر زاد اندھوں اور دیگر مریضوں کو محض دعا دیتے اور اللہ کریم انہیں شفا دے دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے معجزات تو بے شمار تھے جو ان کی اپنی ذات میں رونما ہوئے آپؑ کی پیدائش، پھر پیدائش کے بعد بڑوں کی طرح کلام کرنا، اپنی نبوت

کا اعلان کرنا یہ سب آپؐ کی نبوت اور رسالت کی دلیل تھا۔ فرمایا؛ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ یہ کوئی پہلے رسولؐ نہیں تھے۔ تمہارے پاس رسولوں کی تاریخ موجود ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ اللہ کریم نے پہلے بھی رسولؐ مبعوث فرمائے لیکن انبیاءؑ کو شہید کر دیا اور جس کو مانا اسے معبود ماننے لگے۔ وَاُمُّهٗ صِدِّيۡقَةٌ ؕ اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ صدیقہ تھیں۔ ان کا مقام یہ تھا کہ انہیں غیب سے رزق ملتا تھا۔ مکالمہ باری نصیب ہوا۔ جبرئیلؑ سے اسی زندگی میں کلام نصیب ہوا۔ بغیر باپ کے بیٹے کی ولادت ہوئی۔ ان کا عظیم مقام و مرتبہ ہے۔ لیکن كَانَا يَاۡكُلٰنِ الطَّعَامَ وہ بہر حال انسان تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ اور ان کہ والدہ ماجدہ دونوں انسانوں کی طرح حاجات رکھتے تھے اور کھانا کھانے کے لئے کمانا پڑتا ہے، سامان خورد و نوش خریدنا، اسے تیار کرنا، کھانا اور اس کے ساتھ وابستہ صحت و بیماری وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو انسانوں کے ساتھ پیش آتے ہیں اور ان کی بشریت کو ثابت کرتے ہیں پھر جو بشر ہو وہ الٰہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو یہاں اللہ کریم نے بہت خوبصورت انداز ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے رسولؐ اور ان کی والدہ ماجدہ مقرب بارگاہ ہستیاں تھیں لیکن کھاتے پیتے تھے اور کھانے پینے اور دیگر لوازمات کی حاجت رکھتے تھے تو جس میں احتیاجات ہوں وہ کس طرح عبادت کے لائق ہوسکتا ہے۔ جو خود محتاج ہو دوسرا اس کی عبادت کیوں کرے؟

ہمارے علاقے میں خانہ بدوش جھگیاں ڈال کر رہتے ہیں اور صرف مانگنے سے ہی گزر اوقات کرتے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ اگر بیمار پڑ جائیں تو فاقہ کر لیتے ہیں اپنے ساتھ والے گھر سے مانگ کر نہیں کھاتے کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے جیسا ہے یہ تو خود مانگ کر لاتا ہے یہ دوسرے کو کیا دے گا؟ اس حقیقت سے تو ایک خانہ بدوش گداگر بھی آگاہ ہے کہ جو خود محتاج ہے اس سے یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ کسی دوسرے کو دے گا۔ یہی بات اللہ کریم سمجھا رہے ہیں کہ جو خود اپنی حاجات میں میرے محتاج ہیں وہ انسانوں کے معبود کیسے ہوسکتے ہیں؟ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ انۡظُرۡ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۷۵﴾ اے مخاطب! دیکھو! ہم کتنے خوبصورت دلائل سے اور کتنی سمجھ آنے والی باتوں سے ان کو سمجھاتے ہیں اور ان کے رویے دیکھ کہ یہ کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَـكُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ؕ انہیں یہ کیوں سمجھ نہیں آتی کہ اللہ کریم کو چھوڑ کر جس کسی کی بھی عبادت کریں گے وہ ان کے نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ ہر انسان خواہ نبی بھی ہو وہ اپنے وجود اپنی بقاء اپنے علم اپنے رزق ہر صفت اور ہر چیز کے لئے اپنے خالق و مالک کا محتاج ہوتا ہے اس کا ذاتی کچھ بھی نہیں ہوتا لہٰذا مخلوق کسی طرح عبادت کی مستحق نہیں ہوسکتی۔ اللہ

کے سوا نہ کوئی کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ کسی کو نقصان سے بچا سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کی اطاعت اللہ کی نافرمانی میں کی جائے کہ اس کی بات نہیں مانوں گا تو یہ مجھے نقصان پہنچائے گا تو یہی شرک ہے۔ کسی کو باقی رکھنا یا فنا کرنا یہ اللہ کا اپنا کام ہے۔ مخلوق میں سے کسی کی دشمنی یا دوستی نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتی ہے نہ سنوار سکتی ہے۔ **وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾** اور اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں اور سب جانتے ہیں۔

مخلوق تو ہر حال سے واقف نہیں ہوتی اس کے سامنے کتنی بھی عاجزی کرو اس کے دل میں شبہ ہی رہتا ہے کہ یہ دل سے کر رہا ہے یا میری خوشامد کر رہا ہے؟ اللہ کریم تو حقائق سے آگاہ رہتے ہیں۔ اللہ کریم کی نظر انسان کے دل کی گہرائیوں پر ہے انسانی سوچوں سے وہ واقف ہے لہٰذا اس کی عبادت کی جائے جو ہمارے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ **قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ** اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ اور حق میں ناحق کو نہ ملاؤ۔ یہود و نصاریٰ کا یہ رویہ تھا کہ انہوں نے بیشتر انبیاءؑ کو شہید کر دیا کچھ کی نبوت کو ماننے سے انکار کر دیا اور جب ماننے پر آئے تو نبیؑ اور رسولؐ کو اللہ کا بیٹا اور الٰہ ماننے لگ گئے۔ فرمایا تم کیا کرتے ہو؟ زیادتی کرنے میں یا اس طرف نکل جاتے ہو یا اس طرف چلے جاتے ہو۔ دین میں ناحق چیزیں نہ شامل کرو۔ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا سبب ہیں۔ **وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾** گمراہ لوگوں کی پیروی نہ کرو۔ اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جو شخص دین میں رسومات ایجاد کر کے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے وہ تو پہلے سے گمراہ ہے اس کے نزدیک دین کی کوئی اہمیت نہیں وہ دین سے صرف وقتی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے شہرت، اقتدار یا کوئی اور دنیوی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو ایسے لوگوں کی بنائی ہوئی رسومات کی پیروی نہ کرو۔ اس آیت مبارکہ میں حق کے مقابلے میں ناحق کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

خالص اور کھری بات صرف انبیاءؑ ہی بتاتے ہیں۔ بعثت رحمت عالم ﷺ کے بعد حق وہی ہے جو اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ صرف قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ ہی حق ہے یہ خالص اور کھرا دین ہے۔ صحابہ کرام، خیر القرون متقدمین سے نقل ہو کر سلف صالحین سے ہوتا ہوا سینہ بہ سینہ اور سفینہ در سفینہ موروثی طریقے سے پہنچا ہے۔ دین وہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے عطا فرمایا۔ کسی کے مفادات کے لئے اس میں کمی بیشی کرنا درست نہیں اور جو لوگ کمی بیشی کرنے کی جسارت کرتے ہیں ان کا سبب ان کے مادی مفادات ہوتے

ہیں خود تو یہ پہلے سے گمراہ ہوتے ہیں کہ ایسی جسارت کرتے ہیں لیکن جوان کی بات مانتا ہے وہ بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں جتنی بھی رسومات رائج ہیں اگر وہ رسمیں خلاف شرع نہ ہوں اور انہیں رسم ہی سمجھا جائے دین کا حصہ نہ بنایا جائے تو خیر ہے اگر کوئی کام خلاف شرع ہے یعنی شریعت کسی کام سے روکتی ہے پھر بھی بندہ یہ سوچ کر کرتا ہے کہ دین پر عمل کرنے سے ناک کٹ جائے گی تو پھر یہ گناہ ہے۔ لیکن اگر کسی رسم پر عمل کرتا ہے یا کوئی رسم ایجاد کرتا ہے اور اس پر عمل کرنا باعث ثواب سمجھتا ہے تو پھر یہ بدعت ہے یہ دین میں اضافہ ہے۔ بدعت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا **کل بدعة ضلاله و کل ضلالة فی النار** (مشکوۃ) ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔ لہٰذا رسومات کو مذہب میں گڈ مڈ نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورہ المائدہ رکوع 11 آیات 78 تا 82

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ
عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا
لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾
تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ
لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾
وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ
اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ
عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ
اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ
بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے۔ یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے ﴿۷۸﴾ جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے واقعی ان کا فعل بیشک برا تھا۔ ﴿۷۹﴾ آپ ان میں بہت آدمی دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں جو کام انہوں نے آگے کے لئے کیا ہے وہ بیشک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں دائم

رہیں گے۔ ﴿۸۰﴾ اور اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو اِن کے پاس بھیجی گئی تو ان مشرکین کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں ﴿۸۱﴾ تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور ان مشرکین کو پائیں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش اور یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں ﴿۸۲﴾

خلاصہ رکوع:

قرآن حکیم کا مقصد قصے سنانا یا تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ پہلی قوموں کے حالات ہمیں سنانے کا مقصد یہ ہے کہ ان جرائم میں ملوث نہ ہوں جن پر اللہ کی لعنت ہوئی تھی ایسے لوگوں کو ان کے تمام نبیوں اور حضرت داوٗد اور حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے بھی ہدایت کی دعوت دی گئی تھی لیکن انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے باہر نکل گئے۔ بنی اسرائیل ایسی بدبخت قوم تھی کہ کسی کو برائی سے نہیں روکتے تھے اور یہ بہت ہی بری بات تھی۔ آپ ان میں سے اکثر کو دیکھتے ہیں کہ یہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں حالانکہ انسان جو بھی کرتا ہے وہ اپنے لئے آگے بھیج رہا ہے ابدی زندگی میں اسے پائے گا۔ یہ اپنے لئے بہت ہی برا بھیج رہے ہیں کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ناخوش و ناراض ہیں لہٰذا انہیں ہمیشہ عذاب میں ہی رہنا پڑے گا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ اللہ پر ایمان لاتے اللہ کے نبی ﷺ پر ایمان لاتے۔ جو کچھ ان کے انبیاءؑ پر نازل ہوا اس پر ایمان لاتے اور بدکاروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ خود بدکار ہیں آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں یہودی اور مشرکین سب سے آگے ہیں۔ اے مخاطب جو لوگ خود کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ مسلمانوں کے دشمن تو ہیں لیکن یہود اور مشرکین کی نسبت کم درجہ دشمنی رکھتے ہیں اس لئے کہ ان میں سے بعض لوگ علم دوست تارک دنیا اور درویش ہیں اور متکبر نہیں ہیں۔

تفسیر ومعارف

فرمایا بنی اسرائیل پران کے من گھڑت عقائد واعمال بد کے سبب انبیاء بنی اسرائیل کے ذریعے حضرت داوٗدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے لعنت کی گئی۔ لعنت سے مراد ہے اللہ کی رحمت سے دوری۔ انہیں انبیاءؑ نے بتا دیا تھا کہ جو باتیں تم خود ایجاد کرتے ہو اور پھر انہیں دین کا نام دے کر رائج کرتے ہو یہ اللہ کریم کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے۔ فرمایا؛ یہود پر لعنت دو وجوہات کی بناء پر کی گئی ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا ایک یہ کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے جس کام کو کرنے کا حکم اللہ نے دیا اللہ کے نبیؐ نے دیا وہ نہیں کرتے تھے۔ اور دوسری بات یہ تھی وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ حد سے بڑھ گئے تھے دین کے مقابلے میں اپنی رسومات گھڑ لیتے تھے۔ یعنی ان کا ایک جرم اللہ کی نافرمانی اور دوسرا دین کے مقابلے میں رسومات ایجاد کرنا اور اسے دین کا حصہ بنانا۔ ان دو وجوہات سے اللہ کریم نے ان پر لعنت فرمائی اور اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ امت مرحومہ کے لئے ان آیات میں یہی سبق ہے کہ اس احساس کو زندہ رکھا جائے کہ دین برحق وہی ہے جو آقائے نامدار ﷺ سے ثابت ہے اور رسومات کو دین کا درجہ نہ دیا جائے۔ انسان سے بحثیت انسان غلطی کا صدور ممکن ہے لیکن کسی خطا اور گناہ کو جواز بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بندہ اپنی خطا کو قبول کرلے تو اللہ ہدایت نصیب فرمانے والے اور توبہ قبول کرنے والے ہیں۔

برائی کو نہ روکنا برائی کی تائید کرنا ہے:

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط برائی نہ کرنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی برائی کو روکنا بھی ضروری ہے نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ اگر برائی دیکھو اور تم میں قوت ہے تو اپنے بازو سے اپنے ہاتھ سے روکو اگر یہ قوت تم میں نہیں ہے تو ان لوگوں کو زبان سے منع کرو کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو خود اس جگہ سے الگ ہو جاؤ تو فرمایا؛ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ (صحیح مسلم) ایمان کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ برائی ہوتی دیکھ کر تم خود کو وہاں سے الگ کر دو۔ ان کے ساتھ شامل نہ ہو جاؤ اور فرمایا ایمان کا یہ سب سے کم تر درجہ ہے۔ فرمایا یہ ایسے بدبخت لوگ ہیں کہ یہ کسی کو برائی سے روکتے نہیں اور جو یہ کر رہے ہیں یہ بہت برا ہے نہ روکنا بجائے خود اس برائی کے قریب ہونے کے برابر ہے۔ جیسے آج کل ملک میں دہشت گردی ہو رہی ہے بے گناہ لوگ مارے جا رہے ہیں بم بلاسٹ ہو رہے ہیں۔ بازار میں دھما کا ہوتا ہے خبر آجاتی ہے کہ پینتیس لوگ مر گئے سو زخمی ہو گئے۔ غریب لوگ تھے۔ کوئی مزدوری کر رہا تھا کوئی کاروبار کر رہا تھا

کوئی اپنے کسی کام سے جا رہا تھا اسے کسی سے کوئی غرض نہیں تھی تو ایسے مظالم کو غلط نہ کہنا اور ان کے خلاف لوگوں کو نہ سمجھانا ظلم ہے۔ کیسی عجیب باتی ہے کہ واقعے کے ساتھ ہی مذمتی بیان شروع ہو جاتے ہیں اور ساری مذمت حکمرانوں کی طرف سے آتی ہے۔ حالانکہ حکمرانوں کی ذمہ داری جرائم کی مذمت کرنا نہیں ہے ان کو روکنا ہے اور انصاف فراہم کرنا ہے لیکن ہمارے ہاں طریقہ عجیب ہے کہ وہ مذمت کر کے فارغ ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ ٹھیک ہے حکومت کا کام انصاف کرنا ہے عدل کرنا ہے مجرموں کو پکڑنا ہے اور اپنی رعیت کو شہروں کو تحفظ دینا ہے۔ اگر وہ یہ سب مہیا نہیں کر سکتے تو انہیں حکومت کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ یہ بڑی شرمناک بات ہے کہ ارباب اقتدار کہتے ہیں کہ اتنے دہشت گرد پکڑے گئے ان میں سے کسی کے بارے آج تک ہم نے نہیں سنا ہے کہ اسے کیا سزا ملی یا وہ کہاں قید ہوا یا اسے پھانسی ہوئی؟ یہاں ایک عجیب رواج ہے آپ نے بھی سنا ہوگا کہ یہاں ہندوستان کا ایک ایجنٹ تھا۔ اس نے یہاں اسی دھماکے کئے لیکن اسے سزا نہ ہوئی۔ ہماری جو برائے نام فلاحی تنظیمیں بنی ہوئی ہیں انہوں نے بھی شور کر دیا کہ اسے پھانسی نہ دی جائے۔ اسے چھوڑ دیا جائے اور اسے بحفاظت ہندوستان پہنچایا جائے۔ وہاں جا کر بھی اس نے اعلان کیا کہ اس نے بڑے دھماکے کئے تھے اور بڑے لوگ مارے گئے۔ یہاں الٹی گنگا بہتی ہے جرم کرنے والوں کے حمایتی نکل آتے ہیں اور مظلوم کا کوئی نہیں ہوتا۔ جہاں علاقے میں وارداتیں ہوتی ہیں ڈاکے ہوتے ہیں چوریاں ہوتی ہیں چوروں اور ڈاکوں کے بے شمار سفارشی نکل آتے ہیں اور مظلوم کو کوئی پوچھنے والا نہیں یہ رویے مسلمانوں کے ہیں جو اوپر سے نیچے آتے ہیں حکمران قوم کا دماغ ہوتے ہیں اور اگر کسی کا دماغ خراب ہو جائے تو اس کے اپنے ہاتھ اس کا لباس نوچ لیتے ہیں اس کے اپنے پاؤں اسے گرا دیتے ہیں جھاڑیوں میں لے جاتے ہیں کپڑے پھٹ جاتے ہیں اس کی اپنی زبان ہر ایک کے خلاف بدزبانی پر اتر آتی ہے۔ ہم اس سے درگزر کرتے ہیں کہ اس کا دماغ خراب ہے اس کے بس میں نہیں۔ جب حکمران خراب ہوتے ہیں تو ساری قوم پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگ جاتی ہے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ قومی دماغ صحیح نہیں ہے۔ حکمران صحیح نہیں ہیں۔ حکمران خرابیاں کرتے ہیں مجرموں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہمیشہ مجرموں کو سفارشی ملتے ہیں اور مظلوموں کو کوئی نہیں ملتا۔ قرآن حکیم اس برائی کو جڑ سے اکھیڑنا چاہتا ہے۔ قرآن حکیم فرما رہا ہے کہ جو برائی کرتا ہے وہ تو برائی کرتا ہے لیکن دوسرا جو خاموش رہتا ہے وہ بھی اتنا ہی بڑا ظالم ہے اور پھر جو ارباب اختیار ہیں جب وہ نہیں روکتے تو گویا وہ خود بھی ظلم کر رہے ہیں یا کرانے میں مدد کر رہے

ہیں۔ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ ان میں سے اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ یہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں۔ بڑی سادہ سی بات ہے کوئی شخص آپ کے ماں باپ کو جھوٹا کہتا ہے کیا آپ اس سے دوستی کریں گے؟ تو کافر آپ کے نبی کریم ﷺ پر الزام دھرتا ہے تو آپ اس سے کیسے دوستی کریں گے؟ وہ آپ کے عقیدہ توحید کو جھٹلاتا ہے۔ اللہ کی عظمت کا انکار کرتا ہے۔ اللہ کی توحید کا انکار کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کرتا ہے۔ آپ کی دوستی اس سے کیسے ہوگئی؟ اگر کوئی کسی کے والدین کو برا بھلا کہتا ہے وہ ان سے دوستی کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کا والدین سے تعلق کوئی نہیں، یہ شاید ان کی حقیقی اولاد نہیں ہے۔ کوئی کلمہ گو کافروں سے دوستی کرتا ہے تو وہ کیسے اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کا صحیح وارث ہوسکتا ہے۔ فرمایا؛ اے مخاطب تو دیکھتا ہے اکثریت کی دوستی کافروں کے ساتھ ہے۔ جو کفر کو برداشت کرتا ہے اور کافروں سے دوستی کرتا ہے لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ ان کا اپنا کردار اور ان کا ہر عمل ان کی آخرت کے لئے جمع ہو رہا ہے۔ وہ سرمایہ ہے۔ وہ ہر ایک کے سامنے آئے گا کوئی بھی عمل فضول نہیں جا رہا مٹ نہیں رہا تحریر میں بھی آ رہا ہے اور ہر عمل کی ایک صورت بھی ہوگی۔ جو سامنے آئے گی میدان حشر میں اللہ کریم فرماتا ہے ہاتھ یا کھال تک گواہی دیں گے کہ یا اللہ! اس نے یہ یہ کام کیا تو بندہ اپنے ہاتھ، پاؤں، جلد سے کہے گا۔ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ یار تم ہمارے خلاف گواہ کہاں سے کھڑے ہوگئے؟ اگر ہم دوزخ میں جائیں گے تو تم بھی ساتھ چلو گے۔ اپنی کھال سے کہے گا تمہیں جلنا پڑے گا تو کیوں بول رہی ہے؟ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (حم السجدہ 21) ہمیں اس اللہ نے زبان دے دی ہے جس نے ہر ایک کو بولنے کی قوت دی ہے اس کے سامنے جھوٹ نہیں کہہ سکتے جو تم نے کیا تھا ہم بتائیں گے۔ اس طرح ہاتھ اور پاؤں کو زبان مل جائے گی۔ اسی طرح ہر عمل کو بھی ایک صورت مل جائے گی وہ بات بھی کرے گا وہ بولے گا بھی تو فرمایا یہ اپنے لئے بہت ہی بری چیز آگے بھیج رہے ہیں۔ وہ ان پر مصیبت بن کر پلٹے گی اس لئے کہ جو اِن کا کردار ہے وہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بن رہا ہے۔ وہ یہ کہ برائی کو روکنے کے بجائے اس کی تائید کرتے ہیں یا اس پر خاموش ہو جاتے ہیں۔ ایسی خاموشی بھی برائی کی تائید ہے۔ اسی لئے آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گھر میں جتنے افراد ہیں اگر ان کے عقائد دیکھے جائیں تو تھوڑے لوگ ہوں گے جن کے گھر کے افراد ایک عقیدے پہ متفق ہوں گے۔ باپ کا اور ہے بیٹے نے اور اختیار کر لیا اسکے بھائی کا اور ہے۔ کیوں؟ کیا اسلام ایک نہیں ہے؟ اللہ وحدہٗ لاشریک نہیں ہے؟ اللہ کریم کی ذات ایک نہیں ہے؟ بے شک اللہ ایک ہے، کتاب ایک ہے، اسلام ایک ہے، اسلام

کے کسی اصول میں کوئی اختلاف نہیں ۔ فروعات اور تشریحات میں فرق ہے لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے ۔فروعات میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اصول میں کوئی اختلاف نہیں ۔ یہاں جگہ جگہ دیکھو اللہ کے بارے میں عقیدے میں اختلاف ہے ۔رسالت کے بارے میں عقیدے میں اختلاف ہے ۔ کیوں؟ اس لئے کہ لوگ برائی کرتے رہتے ہیں ۔ برائی پر خاموش رہتے رہتے دل سیاہ ہوجاتے ہیں ۔ ایمان کمزور ہوجاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ جب دلوں پر مہر ہوجاتی ہے اور ایمان ختم ہوجاتا ہے آدمی آوارہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح کوئی کہیں اٹکتا ہے کوئی کہیں اٹکتا ہے ۔ یہ حشر اس دنیا میں سامنے آتا ہے ۔ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝٨٠ اس حد تک پہنچ گئے کہ ایمان بھی ضائع کر بیٹھے اب انہیں ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہنا ہے ۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ پر ایمان لاتے اور اللہ کو مانتے اور ایسا مانتے کہ جیسا حضور اکرم ﷺ نے ماننے کا حکم دیا ہے ۔ ہمارے پاس اللہ کریم کو جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ، نہ ہم اللہ کا کلام ذاتی طور پر سن سکتے ہیں کہ اللہ کیا فرما رہا ہے ، نہ ہم اس دنیاوی نظر سے اللہ کو دیکھ سکتے ہیں ، نہ ہی اس کی کوئی مثال ہے اور نہ ہی اس کی ذات اور ہستی کو کوئی سوچ سکتا ہے وہ ہماری سوچوں سے بلند و بالا ہے ۔ انسان مخلوق ہے اس کی سوچیں مخلوق ہیں اس کی طاقتیں مخلوق ہیں اور وہ خالق ہے ۔ دائرہ تخلیق سے بالاتر ہے جو اس کے اندر سمائے گا وہ مخلوق ہوگا تو پھر ہم کیسے مانیں اللہ کیسا ہے کہاں ہے؟ اسکا ایک ہی ذریعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اعتبار کیا جائے ۔ نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اللہ کریم ہے اللہ خالق ہے اللہ قادر ہے اللہ رازق ہے ، ذات اور صفات کے بارے میں ساری معلومات محمد رسول اللہ ﷺ نے ہم تک پہنچائیں ہیں ۔ لہٰذا ہمیں اللہ کریم کو ویسا ہی ماننا ہوگا جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں اس لئے فقہا نے یہ لکھا ہے کہ بچے کو اللہ کا تعارف دینے کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ جب بولنا شروع کرے تو اسے سب سے پہلا لفظ اللہ سکھاؤ تو یہ اللہ کا تصور دینا ہوگا جب وہ ہوش سنبھالتا ہے تو اسے یہ سمجھاؤ کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں اور ویسا ہی مانتا ہوں جس کو حضرت محمد ﷺ جو حضرت عبداللہ کے بیٹے تھے جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مکہ میں مبعوث ہوئے اور مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے وہ جس اللہ کو جیسا منواتے ہیں اسی اللہ کو ویسا میں مانتا ہوں لہٰذا فرمایا کیسا ہی اچھا ہوتا کہ یہ اللہ پر ایمان لاتے اور اللہ کے نبی کریم ﷺ پر ایمان لاتے کہ اللہ پر ایمان اللہ کے نبی ﷺ پر ایمان لانے پر منحصر ہے ۔ جو بھی نبیؐ کی عظمت کو تسلیم نہیں کرے گا اس کے پاس اللہ کی عظمت کو جاننے کا اور کوئی ذریعہ نہیں اور نبی کریم ﷺ کا ماننا کیا ہے؟ نبیؐ پر ایمان لانا کیا ہے؟ ویسے تو ہر کوئی کہتا ہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں اللہ کے نبی ﷺ کو مانتا ہوں

لیکن ماننا کیا ہے؟ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ماننا یہ ہے **وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ** اس بات کو تسلیم کیا جائے جو نبی علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔ عملی زندگی میں وہ راستہ اختیار کیا جائے جو قرآن بتاتا ہے۔ اللہ کا نبیؐ بتاتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے جو متعین فرمایا ہے اس کو عملی زندگی میں اختیار کیا جائے تو یہ ماننا ہوگا اگر کسی کا کوئی استاد یا کوئی بزرگ کوئی کام کہتا ہے اور شاگرد کہتا ہے کہ جی بالکل میں نے آپ کی بات مان لی لیکن کام اس کے اُلٹ کرتا ہے تو استاد کیا یہ سمجھے گا کہ اس نے اس کی بات مانی؟ بلکہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے آپ کی بات تسلیم کر لی اُسے مذاق لگے گا وہ سوچے گا کہ اس نے میری توہین کی۔ اسی طرح عملی زندگی میں ہم آوارگی اختیار کرتے ہیں اور دینی طرز حیات کو چھوڑ دیتے ہیں کمانے میں، خرچ کرنے میں، دوستی دشمنی کرنے میں، لین دین میں، تعلقات میں، معیشت میں، عدالت میں، جب ہم حق کو چھوڑ دیتے ہیں تو اس طرح ہمارے ایمان پہ حرف آتا ہے فرمایا تمہارا ایمان کیا ہے؟ تم تو کہتے تھے اللہ کو مانا، اللہ کے نبی ﷺ کو مانا۔ تم تو کلمہ پڑھتے تھے **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔ لیکن کر کیا رہے ہو؟ اور فرمایا **مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ** کاش! یہ کفار کو دوست نہ بناتے کہ بے دین سے دوستی ہو تو پھر دین پر عمل مشکل ہو جاتا ہے میں شائد کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم میں منشاء یہ ہوتا ہے کہ دلی دوستی جو کسی کے جیسا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے وہ کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ دنیوی امور، تجارت کرنا، ملازمت کرنا یا لین دین کرنا، کافر بیمار ہے اس کی مدد کرنا یا محتاج ہے اس کی مدد کرنا تو ہو سکتا ہے جیسے صدقہ نافلہ کافر کو بھی دیا جا سکتا ہے فرض صدقات جیسے زکوٰۃ ہے، وہ صرف مسلمانوں کا حق ہے لیکن نفلی صدقہ جو آپ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ غیر مسلم کو بھی دیا جا سکتا ہے اس کی جان بچانا اس کی عزت کا تحفظ کرنا یہ سارے وہ پہلو ہیں جس میں کافر کی مدد بھی کی جا سکتی ہے، لیکن جو دلی دوستی ہے وہ کافر سے قطعاً حرام ہے۔ دلی دوستی وہ ہوتی ہے جو دوستوں کو ایک دوسرے جیسا کر دیتی ہے ایک دوسرے کی عادات منتقل ہو جاتی ہیں ایک دوسرے کا طرز عمل منتقل ہو جاتا ہے بلکہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ایک دوسرے کا طرز تخاطب بات کرنے کا انداز ایک جیسا ہو جاتا ہے تو وہ مومن اور کافر میں جائز نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کو مانا ہوتا اللہ کے نبیؐ کو مانا ہوتا جو کچھ نبی علیہ السلام پہ نازل ہوا ہے اسے مانا ہوتا تو یہ کافروں سے دلی دوستی کبھی نہ کرتے لہٰذا مومن اور کافر میں دلی دوستی کبھی نہیں ہو سکتی **وَلٰكِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ** ﴿۸۱﴾ یعنی یہ بھی بدکاری کی سزا ہے جو ان کی دوستی کافروں سے بن جاتی ہے یہ خود بے عمل ہیں فاسق ہیں بے ایمان ہیں اگر کوئی احکام الٰہی کا انکار کر دیتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر انکار

نہیں کرتا لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اسے فاسق کہتے ہیں وہ گنہگار ہوتا ہے تو فرمایا یہ چونکہ خود احکام الٰہی پہ عمل نہیں کرتے یہ فاسق ہیں بدکار ہیں وہ بدکاری قوت ایمانیہ کو کمزور کر دیتی ہے۔ تو جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو پھر یہ دوستیاں کافروں سے کرتے ہیں بھروسہ کافروں پر کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد کریں گے۔ اتنی دولت دیں گے یا بھوک سے نجات دیں گے یا پھر وہ ہمارا تحفظ کریں گے۔ یہ باتیں تب آتی ہیں جب خود عملی زندگی میں انسان فاسق ہو جاتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نافرمان ہو جاتا ہے تو پھر در بدر بھٹکنے لگتا ہے اور فرمایا یہ طے شدہ بات ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا دو قومیں یہودی اور مشرکین مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں سب سے زیادہ اسلام دشمنی جو قومیں کرتی ہیں اور کرتی رہیں گی وہ دو قومیں ہیں یہود اور مشرکین۔ قرآن کے جو احکام ہیں اُن کا نزول خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ نازل تو کسی خاص موقع پر یہ آیت کریمہ ہوئی۔ کسی خاص واقعہ کے جواب میں ہوئی لیکن اس کا حکم رہتی دنیا تک زمین پر عام ہے۔ تو فرمایا سب سے شدید دشمن اگر آپ کسی کو پائیں گے تو پہلے درجے میں یہودیوں کو جو ظہور اسلام سے نبی کریم ﷺ کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہے۔ یہودیوں نے مکہ مکرمہ میں، مدینہ منورہ میں، اسلامی ریاست کے خلاف سازشیں کیں اور اب تک مخالفت کرتے آ رہے ہیں اور نقصان پہنچاتے آ رہے ہیں اور ہمیشہ ان کا رویہ یہی رہے گا دوسرے نمبر پر مشرکین ہیں بت پرست جو اللہ سے شرک کرتے ہیں وہ کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ وہ کبھی مسلمانوں کی بہتری نہیں چاہتے۔ تیسرے درجے پر نصاریٰ ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ قرآن حکیم میں اسی پارے کے پہلے اسباق میں گزر چکا ہے کہ جب انہوں نے عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہا تو یہ بھی کافر ہو گئے اور اللہ کے ساتھ شرک کر دیا وہ شرک کے مرتکب ہوئے لیکن یہودیوں اور مشرکین سے کم ہیں۔ یہ تین درجے بتائے ہیں اللہ کریم نے۔ سب سے شدید مخالف یہودی ہیں۔ دوسرے درجے میں مشرک ہیں اور تیسرے درجے میں نصاریٰ ہیں۔ یہ سارے مخالف ہیں لیکن نصاریٰ میں ایک طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ دین عیسوی دنیا سے اٹھ چکا تھا کوئی بتانے والا نہیں تھا لیکن ایک طبقہ ان میں ہمیشہ رہا جو علم دوست تھا مطالعہ کرتا تھا اور انہیں دنیا کا لالچ نہیں تھا ایسے درویش منش لوگ تھے۔ اللہ کی رضا تلاش کرنے والے تھے لہٰذا جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان میں سے مشرکین کے علاوہ یہود میں سے کم لوگوں کو ایمان نصیب ہوا نصاریٰ میں سے بہت سے لوگوں کو نور ایمان نصیب ہوا کہ ان کے دل ان کی طرح سخت نہیں تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ مسلمانوں کے دوست ہیں۔ یہ بھی مسلمانوں کے دشمن ہی ہیں۔ دشمنوں کے تین درجے قرآن

کریم نے درج فرمائے سب سے شدید دشمن جو ہے وہ یہودی ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی سوانح حیات میں اس کی مثال موجود ہے۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ یہ جس گھر میں پیدا ہوئے اس گھر میں آگ کی پوجا کی جاتی تھی آتش پرست خاندان تھا شروع میں ہی انہیں اس سے نفرت ہوگئی۔ پھر یہ حق کی تلاش میں نکل پڑے اوران کی ساری زندگی حق کی تلاش میں بسر ہوگئی، ڈھلتی عمر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچے۔ ساری عمراس تلاش میں پھرتے رہے تو آتش پرستوں سے دل برداشتہ ہوکر عیسائی راہبوں کے پاس پہنچے۔ اس وقت دنیا میں جو عیسائی راہب تھے ان کے پاس گئے جو اہل علم تھے۔ بالآخر ایک راہب کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ اگر تم حق چاہتے ہو تو حق یہ ہے کہ ہمارے پاس بھی حق نہیں ہے اگر تمہیں حق کی تلاش تھی تو ایسا لگتا ہے کہ نبی آخری الزماں ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب ہے۔ وہ وادی بطحا میں مبعوث ہوں گے تم کوشش کرو کسی طرح وہاں پہنچ جاؤ۔ چنانچہ یہ وہاں سے چل پڑے مختلف مراحل سے مختلف مصیبتوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں ایک راہب کے پاس پہنچے وہ کسی سے کلام نہیں کرتا تھا دو چار بکریاں اس نے رکھی ہوئی تھیں ان کے دودھ پر اس کا گزارہ رہتا یا کوئی جنگلی پھل ہو جاتے تھے چشمہ تھا پانی کا جس سے وہ وضو کرتا تھا پانی پیتا تھا اور تنہا رہتا تھا اور لوگ آتے جاتے تھے لیکن وہ بات نہیں کرتا تھا یہ جب وہاں پہنچے تو یہ وہاں مقیم ہوگئے اگرچہ بات نہیں کرتے تھے لیکن یہ بیٹھے رہے جب انہوں نے دیکھا کہ یہ جانے والا نہیں تو انہوں نے خاموشی کا تالا توڑا اور پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ میں فلاں آدمی ہوں اور زندگی گزار دی ہے حق کی تلاش میں اور میں فلاں سے ملا، فلاں سے ملا، آخر آپ تک پہنچا۔ تو اس نے کہا کہ میرے پاس حقیقی دین عیسوی موجود ہے لیکن اب میرے سوا دنیا میں کوئی نہیں جو تعلیمات عیسیٰؑ کو جانتا ہو۔ لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر دین بنالیا ہے اگر میں بولوں گا تو میری بات ماننے کی بجائے میرا سر قلم کر دیں گے اور مجھے کافر کہہ کر قتل کر دیں گے اس لئے میں خاموش ہوں۔ لیکن انہوں نے فرمایا پھر مجھے صحیح دین تعلیم کریں میں تو مان لوں گا انہوں نے فرمایا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ میرا وقت قریب ہے اور دنیا حق سے خالی نہیں رہتی جب میری موت ہوگی تو اسی وقت دنیا میں اللہ کا نبی ﷺ مبعوث ہو جائے گا چونکہ دنیا کبھی حق سے خالی نہیں رہتی مجھ میں جرأت نہیں ہے کہ میں بولوں لیکن وہ اکیلا ہوگا اور وہ بولے گا اور پوری دنیا کو بتائے گا لہٰذا تم یہاں رہو۔ میں مر جاؤں تو مجھے اس طریقے سے غسل دینا اور یہ دعائیں میرے جنازے میں پڑھنا کسی کا انتظار نہ کرنا اکیلے ہی میرا جنازہ پڑھ کر مجھے غسل دے کر یہاں دفن کر دینا۔ میری بکریاں یا جو سامان تھوڑا

بہت ہے یہ بھی تمہارا ہے۔ مجھے دفن کر کے یہ لے کر وادی بطحا کی طرف نکل جاؤ۔ جس وقت میری روح قبض ہوگی نیا نبی مبعوث ہو جائے گا۔ چونکہ دنیا حق سے خالی نہیں رہتی یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے پھر وہ بزرگ چند دنوں میں فوت ہو گئے انہیں غسل دیا جنازہ پڑھا دفن کیا اور سامان لے کر چل پڑے۔ آگے یہودیوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ یہودی انہیں عیسائی سمجھتے تھے اور عیسیٰؑ کی بہت توہین کرتے تھے۔ اس کے لئے وہ ایک تہوار مناتے جس میں کسی عیسائی کو کانٹوں کا تاج پہناتے، اس کے جسم میں کانٹے پرو دیتے اور ایذائیں پہنچاتے۔ حضرت سلمان فارسیؓ اسی طرح کی تکلیفوں سے گذر کر بکتے بکاتے آخر کار مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے ان بزرگ سے نبی آخر الزمان ﷺ کی شناخت کی نشانی پوچھی تو انہوں نے دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور صدقہ قبول نہیں کریں گے۔ دوسری نشانی مہر نبوت بتائی کہ یہ پہچان ہوگی نبی آخر الزماں ﷺ کی۔ پھر آپؓ غلام بن کر بکتے بکاتے مدینہ منورہ پہنچے۔ پھر ایک یہودی کے پاس غلام کی حیثیت سے ہی پہنچے۔ نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جلوہ افروز ہو چکے تھے یہ کسی طرح حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچے اور کچھ کھجوریں لے گئے اپنی طرف سے اور پیش کیں کہ یہ صدقہ کی کھجوریں ہیں آپ نے قبول فرمالیں اور کسی خادم کو دیں اور فرمایا میں اور میرے گھر والے تو صدقہ نہیں کھاتے یہ غرباء میں بانٹ دو۔ یوں ایک نشانی پوری ہوگئی۔ دوسری بار چند دن بعد پھر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ ہدیہ ہے میری طرف سے حضور اکرم ﷺ نے قبول فرمالیا خود بھی ایک آدھ کھجور تناول فرمائی بقیہ صحابہ کرامؓ میں بانٹ دیا۔ انہوں نے کہا باتیں تو دونوں ٹھیک تھیں اس راہب کی ایمان لے آئے کلمہ پڑھا لیکن عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں بہت پھنسا ہوا ہوں اور پوری اپنی روئیداد سنائی۔ کہ کس طرح غلام ہوگیا تب سے اب تک غلام در غلام بکتا چلا جا رہا ہوں اب ایک یہودی کے پاس ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مکاتبت کرلو۔ مکاتبت یہ ہے کہ آقا غلام کے ساتھ یہ طے کرلیتے ہیں کہ کچھ رقم یا کسی کام کے عوض آزادی مل سکتی ہے۔ فرمایا تم اس سے مکاتبت کرلو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں میں دوں گا کیا؟ فرمایا اللہ انتظام فرمادے گا انہوں نے مالک سے بات کی اس نے کہا بھئی تین سو پودے کھجوروں کے لگاؤ جب وہ پھل دینے لگیں تو تم آزاد ہو۔ اور چالیس اوقیہ سونا مجھے لا دو۔ کھجوریں پھل دے دیں، چالیس اوقیہ تم مجھے دے دو تم آزاد ہوئے۔ بڑے پریشان ہوئے کہ کھجوروں کا پودا تو چار پانچ سال بعد پھل دینے لگتا ہے ایک تو یہ چار پانچ سال اور پھر چالیس اوقیہ سونا میں کہاں سے لاؤں گا؟ بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے خدمت

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل سے کھجوریں لگانا شروع کر دو۔ کمال شفقت دیکھیں کہ اس باغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے بھی کھجوریں لگائیں چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ہوگئے تو صحابہ کرامؓ بھی ساتھ لگ گئے اور یوں تھوڑی دیر میں چند گھنٹوں میں وہ تین سو پودے لگا دیئے گئے۔ اب دست مبارک سے لگے ہوئے پودے تھے۔ اللہ کی شان یہ ہوئی کہ وہ اس قدر جلدی بڑھے اور جوان ہوئے کہ پہلے سال ہی پھل لے آئے۔ خدمت عالی میں بیٹھے تھے تو ایک شخص آ گیا اس نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سونے کا ایک ٹکڑا پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سونا لے جاؤ اور ایسی حکمت الٰہی ہے کہ وہ لے کر گئے یہودی نے تولا تو وہ پورا چالیس اوقیہ تھا۔ آپؓ آزاد ہوگئے اور باقی کی ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں گزاری۔ تو عیسائیوں میں ایسے لوگ تھے جو تارک الدنیا تھے، درویش تھے، بعض ایسے تھے جن کے پاس علوم تھے تو سارے عیسائیوں کے بارے قرآن نہیں کہا کہ یہ کم دشمنی کرتے ہیں بلکہ ان لوگوں کے بارے فرمایا **ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ** اس لئے کہ ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو علم دوست ہیں **وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾** اور کچھ ایسے ہیں جو تارک الدنیا ہیں وہ اسلام کی مخالفت نہیں کرتے۔ فرمایا جو علم دوست ہوتے ہیں جو تارک الدنیا ہوتے ہیں ان میں تکبر نہیں ہوتا فرمایا اُن میں انانیت نہیں ہوتی اور تکبر وہ چیز ہے جو ہر برائی کی جڑ بنتا ہے اور خلوص وللّٰہیت ہی علم دوست ہونے کی پہچان ہے۔

☆☆☆☆☆